In the Name of

ALLAH

The Most Gracious

The Most Merciful

Whose Help We Solicit

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ

۱۳۶۵ھ بمطابق ۱۹۴۶ء

کی دینی و علمی خدمات

تحقیقی مقالہ برائے —— پی۔ایچ۔ڈی

مقالہ نگار —— سید فہیم احمد

نگران پروفیسر سید محمد سعید صاحب

پروفیسر و چیئرمین

شعبہ تقابل ادیان و ثقافت اسلامیہ

سندھ یونیورسٹی ۔ جام شورو

سنہ ۱۹۹۲ء

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

میں اپنے اس تحقیقی مقالے کو بہ صد خلوص و محبت اپنے مرحوم والدِ گرامی قدر

سید تحسین احمد صاحب بہ المتخلص شہیر نجمی کے نام منسوب کرتا ہوں

جو کہ حیدرآباد شہر کے اعلیٰ اور بلند پایہ علمی و ادبی حلقوں اور شعراء

میں ایک منفرد مقام کے حامل ہیں

CERTIFICATE

Certified that Mr. ~~Miss/Mrs.~~ SYED FAHIM AHMAD S/O/~~D/O~~ SYED TAHSEEN AHMAD has carried out research on the Topic HAZRAT AGHA MOHAMMAD HASSAN JAN SARHANDI AND HIS RELIGIOUS AND LITERARY SERVICES under my supervision and that his/~~her~~ work is original and distinet and his/~~her~~ dissertation is worthy of presentation of the University of Sindh for award of the degree of ~~Master of Philosophy~~/Doctor of Philosophy.

S. M. Sayed
PROFESSOR and Chair.
Dept: Comparative Religion
& Islamic Culture
University of Sind, Jamshoro.

SIGNATURE...
GUIDE/SUPERVISOR

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اظہارِ تشکر

الحمد للہ رب العالمین، نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ اما بعد۔

بعد حمد وصلوٰۃ اُس ذات وحدہٗ لاشریک کا بے پایاں احسان و بے انتہا شکر ہے کہ جس نے اپنے اس عاجز بندے کو اس مقالے کی تکمیل کی سعادت و توفیق عنایت فرمائی اور اپنے بے نہایت کرم سے اس پر یہ مرحلہ آسان فرمایا

میں ان مہربان افراد و مربی شخصیتوں کا نہایت ہی ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے اس مقالے کی تیاری کے دوران میری رہنمائی اور معاونت فرمائی

اگرچہ یہ چند الفاظ میرے دلی جذباتِ "تشکر" کا بھرپور انداز میں احاطہ نہیں کر سکتے لیکن کیونکہ الفاظ ہی اظہار کا مؤثر ترین ذریعہ ہیں۔ اس لئے میں بھی الفاظ ہی کو سہارا بناتے ہوئے اور شکرگذاری کا اظہار کرتے ہوئے سب سے پہلے سندھ یونیورسٹی جام شورو کی انتظامیہ کا تہہ دل سے مشکور ہوں جس نے نہ صرف مجھے اس مقالے پر تحقیقی کام کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی بلکہ یونیورسٹی میں دستیاب جملہ وسائل سے استفادے کی سہولت بھی بہم پہنچائی جو کہ اس مقالے کی کامیاب تکمیل میں نہایت ممد و معاون ثابت ہوئی

میں نہ صرف حیدرآباد، بلکہ صوبۂ سندھ کی برگزیدہ اور نامور علمی و روحانی شخصیت حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب کا بھی دل کی گہرائیوں سے شکرگزار ہوں جنہوں نے نہ صرف اس مقالے کے عنوان کے انتخاب میں میری مدد فرمائی، بلکہ مجھے اپنی پُرشفقت رہنمائی سے بھی نوازا۔

اسی طرح میں حضرت علامہ قبلہ غلام مصطفیٰ القاسمی صاحب کا بھی ممنونِ کرم ہوں جنہوں نے اس مقالے کی تیاری اور مواد کے حصول کے سلسلے میں نہایت عمدہ طور پر

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

میری رہنمائی فرمائی۔

میں اپنے نگرانِ عالی مقام پروفیسر سید محمد سعید صاحب پروفیسر و چیئرمین شعبۂ تقابل، ادیان و ثقافت اسلامیہ سندھ یونیورسٹی کا گراں بارِ احسان ہوں۔ جن کی رہنمائی کے بغیر میرے لئے اس مقالے کی تیاری ہرگز ممکن نہ تھی۔ مزید براں میں حضرت مولانا ڈاکٹر ابوالفتح محمد صغیر الدین صاحب سابق صدر و پروفیسر شعبۂ تقابلِ ادیان و ثقافتِ اسلامیہ سندھ یونیورسٹی کا بھی نہایت احسان مند ہوں۔ جنہوں نے اس مقالے کی تیاری کے دوران مجھے نہایت عالمانہ اور محبت آمیز رہنمائی سے نوازا۔

مذکورہ بالا مہربان شخصیتوں کے ادائے شکر کے ساتھ ہی ساتھ میں حضرت پیر عبد الوحید جان سرہندی سجادہ نشین درگاہ ٹنڈو سائیں داد کا بھی بے حد شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس مقالے کی تیاری کے دوران ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے اس احقر کو نہ صرف اپنے ذاتی کتب خانے سے استفادہ کرنے اور مواد کے حصول کا موقع عنایت فرمایا، بلکہ مجھے کئی نادر و نایاب کتب تحفتہً مرحمت فرمائیں، ان کتب نے میرے اس مقالے کی تیاری میں نہایت اہم کردار انجام دیا۔

آخر میں میرے لئے یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ میں برادرم سید مناظر حسین صاحب اور قدیر احمد قدر صاحب کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کروں جن کی دلی معاونت مجھے اس مقالے کی تکمیل کے دوران مستقل حاصل رہی۔

فقط

احقر

سید فہیم احمد

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

طریقۂ تحقیق (METHODOLOGY)

کیوں کہ میری تحقیق کا موضوع سندھ کی ایک ایسی روحانی اور علمی شخصیت ہے کہ جن کے بارے میں درکار اور مطلوبہ مواد نہ صرف ناکافی طور پر دستیاب تھا بلکہ جو کچھ بھی مواد موجود تھا وہ بھی سندھ کے مختلف شہروں میں بکھری ہوئی حالت میں تھا - اس لئے لازمی طور پر مجھے مواد کے حصول کے لئے سندھ کے مختلف شہروں اور جگہوں پر جانا پڑا مثلاً ٹھٹھہ ، ملیر ، بھینڈا شریف ، نزد راھو کی ، اور ٹنڈو سائیں داد - اور میں نے اس سلسلے میں مذکورہ بالا علاقوں میں ان مدارس سے رابطہ قائم کیا جو کہ سلسلۂ مجددّیہ سے تعلق رکھتے ہیں یا وہاں پر میرے موضوع کے بارے میں مواد دستیاب ہونے کی امید کی جا سکتی تھی - حقیقت یہ ہے کہ مجھے اپنے موضوع کے مواد کے حصول میں نہایت سخت محنت اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا -

علاوہ ازیں میں نے سندھ کے مختلف کتب خانوں میں بھی مواد کی تلاش کی اور مزید یہ کہ میں نے اپنے دیگر ذرائع سے حاصل کردہ مواد کی تصدیق کے لئے ان کتب خانوں کی حوالہ جاتی کتب سے بھی استفادہ کیا -

مزید برآں خوش قسمتی سے مجھے مواد کے حصول کے سلسلے میں ٹنڈو سائیں داد کے سجادہ نشین سے بھی کئی مرتبہ ملنے کا شرف حاصل ہوا - جنہوں نے میرے ساتھ نہایت مہربانی و شفقت کا اظہار کرتے ہوئے میرے جمع شدہ مواد کو نہ صرف گہری توجہ سے دیکھا بلکہ میری تحقیق میں ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے مجھے اپنے خاندانی کتب خانے سے کئی نایاب کتب بھی عطا فرمائیں جن کے لئے میں ان کا انتہائی شکرگزار ہوں - میرے اس تحقیقی مقالے کو کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ان کا نہایت قابل

قدر حصّہ ہے -

مزید برآں مجھے اپنی اس تحقیق کے دوران مواد کی تلاش میں نمایاں علماؑ سے ملنے اور ان کی معلومات سے مستفید ہونے کا موقع ملا جن کے مصّدقہ خیالات اور معلومات نے میری بڑی مدد کی - حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی پر اس تحقیق کے تمام عرصے کے دوران میری یہ بھرپور کوشش رہی کہ صرف درست اور متعلقہ تفاصیل ہی کو میں اپنے اس مقالے میں پیش کروں-

خداوند کریم کا انتہائی شکر و احسان ہے کہ اس نے مجھے اس تحقیقی مقالے کو کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق بخشی -

****

ANNEXURE FORMAT

UNIVERSITY OF SINDH

مزید برآں میں نے اپنے اس تحقیقی مقالے میں شخصی ملاقاتوں کا طریقۂ
تحقیق بھی اپنایا ہے ۔ اس طریقۂ تحقیق کو اپناتے ہوئے میں نے چند نہایت
اہم باتیں اور نکات اپنے ذہن میں رکھے ہیں ۔ مثلاً

۱۔ سوال موضوع کے دائرے میں کیا جائے ۔

۲۔ سوالات میں ایسی باتیں دریافت کی جائیں جو کہ عام طور پر معلوم نہ ہوں

۳۔ کسی بھی متعلقہ شخصیت سے سوالات صرف تحقیقی مسئلہ پر ہوں ۔

مذکورہ بالا نکات کے علاوہ بھی میں نے تحقیق کے اس نکتے پر
بطور خاص توجہ رکھی کہ شخصی ملاقاتیں میں ان حضرات سے تحقیق کی
جائے جنہوں نے یا تو حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی کا زمانہ
پایا ہو اور یا پھر وہ خود حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ
کے نہایت ہی قریب رہے ہوں ۔ اور یا پھر خود حضرت آغا صاحب کے
خاندان سے تعلق رکھتے ہوں ۔
مندرجہ بالا نکات کو ذہن میں رکھتے ہوئے

A

UNIVERSITY OF SINDH

میں نے اس سلسلے میں کافی افراد سے ملاقاتیں اور سوالات کیے۔ جن میں

سے میں ذیل میں چند نہایت ممتاز افراد کا تذکرہ اور ان سے ملاقات

کا احوال پیش کرتا ہوں۔

۱۔ مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی صاحب۔ نگران شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد

میں نے حضرت مولانا سے سوال کیا کہ حضرت کیا آپ ازراہِ کرم حضرت

آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کی مجاہدانہ زندگی اور ان کی برصغیر کے

مسلمانوں کے لئے دینی اور سیاسی خدمات پر کچھ روشنی ڈالیں گے؟

حضرت مولانا قاسمی صاحب نے جواباً فرمایا کہ "جہاں تک میں

نے حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کو دیکھا اور سمجھا ہے میں پورے

وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت آغا صاحب ایک نہایت بلند مرتبہ

عالم، دینِ اسلام کے ایک سچے خادم اور مسلمانانِ برصغیر کے ایک عظیم

محسن تھے۔ حضرت آغا صاحب نے تحریک پاکستان کے دور میں خود اور

اپنے مریدوں کے ہمراہ مسلم لیگ کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس کے علاوہ حضرت

آغا صاحب نے سندھ میں اپنے مسلک اہل سنت والجماعت اور سلسلۂ

مجددیہ کے فروغ کے لئے نہایت بیش بہا خدمات انجام دیں۔"

۲:۔ آپ دبیر علی نواز جتوئی صاحب۔ سابق چیئرمین شعبہ سندھی

سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔

سوال:۔ جتوئی صاحب آپ نے ایک مرید ہونے کے ناطے حضرت آغا صاحبؒ

کو نہایت قریب سے منحرف دیکھا ہے بلکہ ان کی صحبت اور

نصائح سے فیض بھی اٹھایا ہے۔ کیا آپ مہربانی فرما کر حضرت آغا

صاحبؒ کے روزمرہ کے معمولات اور تعلیمات مریدان کے بارے میں کچھ

بتانا پسند کریں گے؟۔

جتوئی صاحب نے جواب میں کہا کہ " میں نے ایک مرید کی

حیثیت میں حضرت آغا صاحبؒ کی خدمت میں رہتے ہوئے یہ دیکھا

ہے کہ حضرت آغا صاحبؒ کا سرمایۂ حیات دینِ اسلام کے احکامات پر
استقامت کی کوشش، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر ممکن حد تک
عمل اور مسلکِ اہلِ سنت والجماعت کی ترویج و اشاعت تھا۔ حضرت آغا
صاحبؒ کی ہم مریدوں کو ہمیشہ یہی تعلیم و نصیحت ہوتی تھی کہ تصوف کا
مقصود و مطلب "استقامت فی الدین" ہی ہے۔ مزید براں حضرت
آغا صاحبؒ ہم مریدوں کو اس بات کی تلقین فرماتے تھے کہ ہم جہاں تک ہو
سکے "عامۃ المسلمین" کی بھلائی کے لئے کوشاں رہیں۔

۳:۔ حضرت آغا محمد حنیف جان سرہندی:۔

آپ حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کے صاحبزادے
ہیں۔ میں خوش قسمتی سے ان سے ملاقات کرنے میں کامیاب ہوا۔ یہ
ملاقات حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کی درگاہ واقع ٹنڈو سائیں
داد میں ہوئی۔ اس ملاقات کے موقع پر درگاہ کے موجودہ سجادہ نشین

حضرت آغا عبدالحمید جان سرہندی اور اُن کے نہایت ذی علم صاحبزادے
آغا عبدالوحید جان سرہندی بھی تشریف فرما تھے ۔

میں نے حضرت آغا محمد حنیف جان سرہندی سے دریافت کیا کہ
سوال :- یا حضرت از راہِ عنایت کیا آپ، آپ کے والد گرامی قدر حضرت
آغا محمد حسن جان سرہندی کی نجی اور خانگی زندگی اور اہلِ خانہ کے
ساتھ حضرت آغا صاحبؒ کے رہن سہن اور طرزِ حیات کے بارے میں کچھ
روشنی ڈالیں گے ؟ .

حضرت آغا محمد حنیف جان سرہندی نے فرمایا کہ " ہمارے والد گرامی ہم
تمام اہلِ خانہ کے ساتھ نہایت شفقت اور رواداری پر مبنی سلوک فرماتے
تھے ۔ وہ ہم سب اہلِ خانہ پر احکامات دین و سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
پر شدّت کے ساتھ عمل پیرا ہونے کے ساتھ اس بات پر عمل کرنے کی بھی
تاکید فرماتے تھے کہ ہم اپنی زندگی کے روزمرّہ کے معمولات کو نہایت اعلیٰ

UNIVERSITY OF SINDH

نظم و ضبط کا پابند بنائیں اور اس کے ساتھ ہی ہم حفظِ مراتب کا نہایت درجہ
خیال رکھیں ۔ اس کے علاوہ حضرت آغا صاحبؒ ہماری درسی تعلیم کے ساتھ
ساتھ ہماری دینی تعلیم پر بھی گہری توجہ دیتے تھے اور اس سلسلے میں وقتاً فوقتاً
ہماری آزمائش کرتے رہتے تھے ۔

شخصی ملاقاتوں کا احوال بیان کرنے کے بعد آخر میں یہ عرض کرنا
نہایت ضروری ہے کہ اس طریقۂ تحقیق نے میری تحقیق کے مقصد کو نہ صرف
بہ حسن و خوبی پورا کیا ہے بلکہ قارئین تک حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ
کی زندگی کا ہر گوشہ پوری طرح پہنچانے میں بھی نہایت اہم کردار ادا کیا ہے ۔

تحقیق کی افادیت

میری اس تحقیق کی افادیت کو وہ لوگ یقیناً قابل تحسین سمجھیں گے جو انتہائی اعلیٰ معیار کے ان دینی و علمی خیالات اور کارناموں میں دلچسپی رکھتے ہیں جو سندھ کے ناموراور جیّد صوفیا٫ اور علما٫ نے انجام دیئے ہیں مزید برآں یہ کہ سندھ کے مذہبی رہنماؤں اور علما٫ حضرات کا تحریک پاکستان میں کیسا قابل فخر کردار رہا ہے -

یہ ایک نا قابل فراموش حقیقت ہے کہ سندھ کے مشاہیر صوفیا٫ اور نامور علما٫ دین کا اسلام کی اشاعت و ترویج اور روحانیت کے ارتقا٫ میں بہت بڑا حصہ ہے - ایسی ہی ممتاز و برگزیدہ روحانی و علمی شخصیات میں حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی کا اسم گرامی ایک منفرد مقام کا حامل ہے - مگر بدقسمتی سے اب تک ان پر تسلی بخش انداز میں کوئی قابل قدر تحقیقی انداز کا کام نہیں کیا گیا تھا -

حضرت آغا صاحب کی تصّوف کے ارتقا٫ ، دین اسلام کی تبلیغ اور اشاعت اور مسلمانان برصغیر کی فلاح و بہبود کے لئے انجام دی گئی خدمات کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے یہ اپنی دینی و اخلاقی ذمہ داری سمجھی کہ حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی جیسی غیر معمولی شخصیت کے حالات زندگی اور ان کی بیش بہا خدمات کے بارے میں تحقیقی کام کر کے ان کو خراج عقیدت پیش کیا جائے تا کہ ایسی عظیم شخصیت گوشۂ گمنامی یا ایک محدود حلقے میں ہی سمٹ کر نہ رہ جائے - نیز یہ کہ ہم اور ہماری آئندہ آنے والی نسلیں سندھ کی ایسی ذی قدر دینی و علمی شخصیت اور ان کی اہمیت اور خدمات سے کماحقہ واقفیت حاصل کر سکیں -

فہرست عنوانات

نمبرشمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	مقدمہ	1
2	باب اول	
	سلسلۂ مجددیہ کی سندھ میں آمد اور نشوو ارتقاء	12
3	باب دوئم	
	حضرت آغا محمد حسن جان سرھندی کے اجداد اور خاندانی حالات کا جائزہ	17
4	باب سوئم	
	حضرت آغا محمد حسن جان سرھندی ، مجددی، فاروقی کے ذاتی حالات کا بیان	25
	پیدائش اورابتدائی تعلیم	
	حضرت آغا محمد حسن جان سرھندی کے خاندان کی سندھ میں آمد	
	حضرت آغا صاحب کی مزید تعلیم	28
	ٹنڈو سائیں داد میں منتقلی	
	حضرت آغا محمد حسن جان سرھندی کے سفرحج کا بیان	30
	ایک اندوھناک واقعہ ، زلزلۂ کوئیٹہ	33
	حضرت آغا صاحب کی تعمیر کردہ مختلف مساجد	34
	دینی مدارس کا اجراء	36
	حضرت آغا صاحب کا تحریک خلافت میں کردار	39

نمبرشمار	عنوان	صفحہ نمبر
	مسلک اہل سنت والجماعت کے لئے حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی کی خدمات	45
	حضرت آغا صاحب اور ان کا مشغلۂ تصنیف و تالیف	48
	حضرت آغا صاحب کے معمولات زندگی	58
	حضرت آغا صاحب کے اوراد و وظائف اور طریقۂ بیعت	62
	حضرت آغا صاحب بہ حیثیت طبیب حاذق	65
	حضرت آغا صاحب کے " مبشّرات منامی "	68
	حضرت آغا صاحب کے مواعظ حسنہ اور تلقین و ہدایات برائے طالبین	77
	حضرت آغا صاحب کی خاتم اور مہر کا بیان	85
	حضرت آغا صاحب ، کیفیت بیماری اور احوال مرض الموت	86
	قطعات تاریخ بر وفات حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی	91
	تذکرۂ مناکحت و ازواج	95
	تذکرۂ اولاد امجاد	97
	تذکرۂ مریدان خصوصی	112
5	باب چہارم	
	حضرت آغا صاحب کے معاصرین و احباب خصوصی	123
	حضرت آغا صاحب کے استاد گرامی ، مولانا لعل محمد متطوی	127
6	باب پنجم	
	حضرت آغا صاحب کی یادگار علمی تصانیف اور ان کا جائزہ	
	1) انیس المریدین	129

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	2) العقائد الصحیحه	157
	3) الاصول الاربعه فی تردید الوهابیه	188
	4) رسالۂ تهلیلیه	217
	5) رسالۂ تنویر دربیان مسئله تقدیر	229
	6) طریق النجات کا تنقیدی جائزه	237
	7) سفرنامۂ عراق و شام براسته نجد و بیت الحرام	262
	8) شرح حکم عطا الله اسکندری	284
7	خلاصۂ بحث	371
8	کتابیات	

خدا وند کریم اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیں -

اس بات کی ضرورت ہمیشہ رہی ہے کہ اس حقیقت کو سمجھا جائے کہ سرزمین سندھ شروع سے ہی ایک نہایت مردم خیز خطہ رہی ہے اور اس لئے یہ نہایت ضروری و لازم ہے کہ اس سرزمین کے ان دیگر ممتاز ومنفرد صوفیائے کرام کی خدمات بھی سامنے لائی جائیں ، جو کہ اب تک بوجوہ کما حقہٗ سامنے نہیں آ سکیں ، کیوں کہ بالآخر یہ ایک بڑی اسلامی ، اخلاقی اور ملی خدمت کا ذریعہ ہے - کیوں کہ ہر مذہب اور ہر قوم اپنے اکابرین و عمائدین اور ان کے خیالات کی قدرو قیمت اور اثر انگیزی کی مناسبت سے ہی اقوام عالم میں مرتبہ اور جگہ پاتی ہے -

اسی تناظر میں جب ہم چلتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یوں تو سندھ میں ایک سے بڑھ کر ایک جلیل القدر دینی اور علم پرور و علم شناس خاندان عرصہ قدیم سے رہائش پزیر ہے لیکن کیوں کہ ہمارا موضوع مقالہ "خاندان سرہندیہ مجددؒ" یہ ہے اس لئے ہم بطور خاص اس خاندان کی دینی و علمی خدمات اور اکابرین ، بالخصوص ہمارے مقالے کے موضوع حضرت "آغا محمد حسن جان سرہندیؒ "کی علمی و دینی خدمات کا جائزہ لیں گے -

خاندان سرہندیہ کی سندھ میں نہایت اعلیٰ اسلامی ، ادبی و دینی اور سیاسی خدمات رہی ہیں - یہ خاندان ہر دور میں ایسے اعلیٰ اوصاف کے بزرگوں سے بھرپور رہا ہے جنہوں نے اپنے اپنے ادوار میں سندھ میں اسلام اور مسلمانوں کی نہایت بیش بہا خدمات انجام دی ہیں - اس خاندان کے لئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ

" ایں خانہ ہمہ آفتاب است "

مزید برآں جب ہم اس خاندان عالیشان کے ماضئ قریب کے بزرگوں پر تحقیق

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

" مقدمہ "

مملکت خدا داد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صوبہ سندھ کو یہ شرف اور اعزاز حاصل ہے کہ اس صوبے کو " باب الاسلام " کے لقب سے بھی پہچانا جاتا ہے - یہ علاقہ صدیوں سے دین اسلام کے مشہور و معروف اہل تصوف و راھنمایان طریقت کے پسندیدہ خطہ ھائے زمین میں سے ایک رہا ہے - جہاں انہوں نے دین اسلام کے ابلاغ و اشاعت اور ترقی و ترویج کے لئے نہایت سخت کاوشیں کیں اور دین اسلام اور مسلمانوں کے لئے انتہائی بیش بہا خدمات انجام دیں - یہ ہی وجہ ہے کہ ہم سندھ میں نہایت برگزیدہ و مقتدر صوفیائے کرام کی آمد ، بود و باش ، ان کی تعلیمات اور مخلوق الٰہی کی دستگیری اور رہنمائی کے لئے ان کے واقعات و احوال قدم قدم پر سنتے چلے آرہے ہیں - یہی وہ سر زمین ہے جس کو حضرت عثمان مروندی المعروف بہ " حضرت لال شہباز قلندرؒ " نے اپنے مستقل قیام کے لئے پسند فرمایا اور اس خطے کے لوگوں کے دلوں کو اپنی تعلیمات سے منور فرمایا - نیز یہ کہ انہوں نے اسی علاقے کو اپنی دائمی و آخری آرام گاہ کے طور پر منتخب فرمایا - صوبہ سندھ ایک ایسا ممتاز علاقہ ہے جہاں جگہ بہ جگہ ہمیں عظیم المرتبت صوفیائے کرام کی آخری آرام گاہیں اور ان کے حلقہ ھائے اثر و ارشاد نظر آتے ہیں - اس خطے میں دیگر صوفیائے کرام خصوصاً حضرت شاہ عبدالطیف بھٹائیؒ اور حضرت سچل سرمستؒ کے اسمائے گرامی بھی نہایت ممتاز حیثیت رکھتے ہیں ، جن کے معارف واقوال آج بھی زبان زد خاص و عام ہیں اور ان کی تعلیمات نے ایک نہایت کثیر تعداد میں مخلوق الٰہی کے دلوں پر اپنا قبضہ جما رکھا ہے - ان صوفیائےکرام کو یہ تاب نہ تھی کہ مخلوق الٰہی صراط مستقیم اور دین اسلام سے بے بہرہ رہ جائے ، اسی لئے انہوں نے یہ سب خدمات اپنی ذات کی نفی کرتے ہوئے صرف

خداوند کریم اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیں -

اس بات کی ضرورت ہمیشہ رہی ہے کہ اس حقیقت کو سمجھا جائے کہ سرزمین سندھ شروع سے ہی ایک نہایت مردم خیز خطہ رہی ہے اور اس لئے یہ نہایت ضروری و لازم ہے کہ اس سرزمین کے ان دیگر ممتاز ومنفرد صوفیائے کرام کی خدمات بھی سامنے لائی جائیں ، جو کہ اب تک بوجوہ کما حقہٗ سامنے نہیں آ سکیں ، کیوں کہ بالآخر یہ ایک بڑی اسلامی ، اخلاقی اور ملی خدمت کا ذریعہ ہے - کیوں کہ ہر مذہب اور ہر قوم اپنے اکابرین و عمائدین اور ان کے خیالات کی قدرو قیمت اور اثر انگیزی کی مناسبت سے ہی اقوام عالم میں مرتبہ اور جگہ پاتی ہے -

اسی تناظر میں جب ہم چلتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یوں تو سندھ میں ایک سے بڑھ کر ایک جلیل القدر دینی اور علم پرور و علم شناس خاندان عرصہ قدیم سے رہائش پزیر ہے لیکن کیوں کہ ہمارا موضوع مقالہ "خاندان سرہندیہ مجددیہ" ہے اس لئے ہم بطور خاص اس خاندان کی دینی و علمی خدمات اور اکابرین ، بالخصوص ہمارے مقالے کے موضوع حضرت "آغا محمد حسن جان سرہندیؒ" کی علمی و دینی خدمات کا جائزہ لیں گے -

خاندان سرہندیہ کی سندھ میں نہایت اعلیٰ اسلامی ، ادبی و دینی اور سیاسی خدمات رہی ہیں - یہ خاندان ہر دور میں ایسے اعلیٰ اوصاف کے بزرگوں سے بھرپور رہا ہے جنھوں نے اپنے اپنے ادوار میں سندھ میں اسلام اور مسلمانوں کی نہایت بیش بہا خدمات انجام دی ہیں - اس خاندان کے لئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ

" ایں خانہ ہمہ آفتاب است "

مزید برآں جب ہم اس خاندان عالیشان کے ماضیٔ قریب کے بزرگوں پر تحقیق

نظر ڈالتے ہیں اور ان کا بہ غور جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ان میں سے " حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ " کا نام نامی سب سے الگ اور ایک ممتاز مقام پر نظر آتا ہے - گوکہ اس خاندان کے اور بزرگ بھی سندھ میں اور بیرون سندھ اپنی قابلیت اور دینی خدمات کے باعث نہایت مشہور ہوئے لیکن حضرت آغا صاحبؒ ایک منفرد اور عالی مرتبت شخصیت کے مالک ہیں - بہ قول شاعر

" فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص "

زبدۃ العارفین و سراج السالکین ، راہ طریقت کے روشن چراغ ہمارے ممدوح حضرت حاجی حافظ آغا محمد حسن جان سرہندیؒ مجددی ، خاندان سرہندیہ کے نہایت ممتاز چشم و چراغ تھے - ان کے والد بزرگوار حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جانؒ بھی اپنے وقت کے نہایت اعلیٰ پائے کے بزرگ ، صاحب احوال شخص اور نہایت جیّد عالم دین تھے - ع ۱

حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندیؒ کی ولادت با سعادت افغانستان کے مشہور عالم شہر قندھار میں چھ شوال 1278 ھ کو ہوئی - آپ اپنے والد بزرگوار کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے - آپ کے خاندان نے سیاسی وجوہ کی بناء پر افغانستان سے 1295 ھ میں ہجرت کرکے ضلع حیدرآباد کے ایک علاقے " ٹکھر " میں بود و باش اختیار کی - بعد ازاں آپ کا خاندان ٹکھر سے " ٹنڈو سائیں داد " منتقل ہو گیا ، جہاں 1365 ھ 2 رجب کو حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی کا وصال ہوا اور آپ کو آپ کے والد گرامی قدر کے پہلو میں " گنجو ٹکر پہاڑی " پر واقع " مقبرہ شریف " میں دفن کیا گیا -

خواجہ محمد حسن جان سرہندیؒ نے اول تو اپنے والد اور مرشد راہ طریقت یعنی حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جان صاحبؒ سے قرآن پاک و صحیح بخاری اور عربی و فارسی کی مروجہ کتب کی تعلیم حاصل کی ، بعد ازاں آپ نے دوران سفر و قیام بیت اللہ قرآن پاک کے بائیس پارے حفظ کئے اور باقی

ا- مہران نقش - ڈاکٹر مہناز انقری - ص 212

آٹھ پارے سفر بیت اللہ سے شکھر واپس آکر حفظ فرمائے -

حضرت آغا محمد حسن جان سرھندیؒ کا خاندان نہایت اعلیٰ حسب و نسب اور وجاہت کا مالک ہے کیوں کہ آپ کا سلسلہ نسب حضرت " شیخ احمد سرھندی ، مجدد الف ثانیؒ " تک اور بعد ازاں دوسرے خلیفہ راشد ، فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطابؓ تک پہنچتا ہے - یہ ہی وجہ ہے کہ یہ خاندان خود کو فاروقی بھی کہلواتا ہے - درحقیقت یہ وہ شرف ہے جو اس خاندان کے شجرہ نسب کی کلاہ میں مرکزی ہیرے کی طرح جگمگا تا ہے -

حضرت آغا محمد حسن جان سرھندیؒ نے سندھ کے مسلمانوں کی نہایت گراں مایہ خدمات انجام دیں اور لوگوں کی کثیر تعداد کو اچھے اخلاق اور عادات کا مالک بنا کر اسلام کے صراط مستقیم اور راہ ھدایت پر گامزن کر دیا حضرت آغا صاحبؒ بھی تمام صوفیائے کرام کی طرح اس بھید اور مسلمہ اصول سے پوری طرح واقف تھے کہ اچھا اخلاق ہی اچھی زندگی کی بنیاد بنتا ہے اور دینیات و مذھب ھو یا دنیاوی سیاست و معاشرت ، اخلاق کو بہتر کئے بغیر کسی بھی چیز میں کامیابی مشکل و محال ہے -

سلسلہ مجددیہ کی سندھ میں آمد کا پس منظر یہ ہے کہ جب 1034ھ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے سرھند شریف میں وصال فرمایا تو آپ کے بعد بھی آپ کی اولاد امجاد تقریباً پانچویں پشت تک سرھند شریف میں ہی مقیم رہی - بعد ازاں ملک میں شورش اور بد امنی کا دور دورہ شروع ھوگیا - یہ وہ وقت تھا کہ " احمد شاہ ابدالی " ھندوستان کے مختلف علاقے ، پشاور اٹک اور جہلم کو فتح کرتا ھوا لاھور تک آ پہنچا تھا اور بالآخر اس کی افواج 1141ھ میں سرھند شریف میں داخل ھو گئیں - بد قسمتی سے کچھ ضروری اور ناگزیر وجوھات کی بناء پر ، جن میں احمد شاہ ابدالی کے زیر نگیں افغانستان کے علاقوں اور خراسان وغیرہ میں شورش اور بغاوت بھی شامل

تھیں ، احمد شاہ ابدالی کو فوری طور پر ھندوستان سے افغانستان واپس جانا پڑا تاکہ ان شورش زدہ طاقتوں کی سرکوبی اور ان کا انتظام کیا جائے احمد شاہ ابدالی کے واپس جاتے ھی سکھوں کو ایک بار پھر قسمت آزمائی کا موقع ھاتھ آگیا اور انھوں نے پنجاب کے مختلف طاقتوں کو فتح کرنے کے بعد وھاں پر لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا - آخر کار سکھ افواج سرھند شریف کے محترم شھر میں بھی داخل ھو گئیں اور اس شھر کی اینٹ سے اینٹ بجاتے ھوئے وھاں پر وحشت و بربریت اور لوٹ مار اور عزتوں کی پامالی کا بازار گرم کر دیا - نوبت یہاں تک پہنچی کہ جس سرھند شریف کی خوبصورتی کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ

سرھند مگو کہ رشک طور است
خار و خس او ھمہ ز نور است

اس سرھند شریف کو سکھوں نے تباھی اور بربادی کی تصویر بنا کر رکھ دیا - مزکورہ حالات میں بے تحاشہ شرفا ؑ بمعہ اپنے خاندان کے بہ امر مجبوری اور بہ دل گرفتہ ھجرت کر گئے - ان حالات کی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد امجاد کے لئے بھی سرھند شریف سے ھجرت کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رھا -

اندریں حالات حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد میں سے " حضرت غلام محمد معصومؒ " کے بڑے صاحبزادے ، " حضرت شاہ غلام محمدؒ " بہ عمر نوے سال ، اپنے اھل و عیال کے ھمراہ پشاور ھجرت کر گئے ، جو اس وقت طاقہ قندھار کا ایک صوبہ اور احمد شاہ ابدالی کے زیر فرمان تھا - یوں تو حضرت شاہ غلام محمد کے چھ صاحبزادے تھے لیکن ان میں سے دو خصوصی طور پر شہرت خاص و عام کے مالک ھوئے - یعنی غلام حسین اور غلام حسن - ان میں سے غلام حسن کے صاحبزادے ، غلام نبی (م - قندھار 1226ھ) کے

جانشین ان کے صاحبزادے " فضل اللہؒ " (م - قندھار 1238ھ) ھیں جو کہ " عمدتہ المقامات " کے مصنف اور نہایت اعلی پائے کے بزرگ اور جید دینی عالم تھے - یہ سب حضرات پشاور سے قندھار نقل مکانی کر گئے تھے - حضرت فضل اللہؒ کے صاحبزادے شاہ عبدالقیومؒ (م - قندھار 1271ھ) قندھار ھی میں رھے لیکن ان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن جانؒ بمعہ اپنے اھل و عیال کے سندھ میں علاقہ شکھر کے طرف ھجوت کر گئے -[1]

جب راقم نے حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ کی دینی و علمی خدمات کو روشنی میں لانے کے دشوار کام کا بیڑا اٹھایا تو یہ کام شخت مشکل نظر آتا تھا کیوں کہ نہ تو معتد بہ مواد ھی دستیاب تھا اور نہ ھی بہ ظاھر اس کے حصول کی کوئی قوی امید ھی نظر آتی تھی - میرے لئے یہ سوچنا بھی محال تھا کہ میں حضرت آغا محمد حسن جان سرھندیؒ کے بارے میں اتنا کچھ مواد اکھٹا کر سکوں گا لیکن بقول غالب

" مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ھو گئیں "

شب و روز کی محنت و بھاگ دوڑ رنگ لائی - میں ذاتی طور پر یہ سمجھتا ھوں کہ مجھے خود حضرت آغا محمد حسن جان سرھندیؒ کی باطنی امداد حاصل رھی جس کی وجہ سے میں ان کے کما حقہٗ حالات قارئین تک پہنچانے کے لائق ھو سکا - اس سخت محنت کے ساتھ ساتھ میرے ذھن میں

---

1 - خواجہ عبدالرحمن جانؒ کے دادا حضرت فضل اللہؒ کے ایک بھائی ضیاء الحقؒ تھے ان کے چھ صاحبزادے تھے - پہلے صاحبزادے عبدالکریمؒ (م- 1259ھ) کے دو صاحبزادے تھے- عبدالعزیزؒ اور ابوالقاسمؒ - جن کی اولاد سندھ کے کئی علاقوں میں آباد ھے- ضیاءالحق کے دوسرے صاحبزادے عبدالرحیمؒ ، سندھ کے شہر " مٹیاری " تشریف لے آئے تھے - انھوں نے وھیں نوے سال کی عمرمیں 1313ھ میں وفات پائی -

سوانح نگاری کا وہ تصور بھی موجود رہتا تھا جو کہ " جیمز با سول " نے پیمانہ بنایا تھا اور واقعی درست تھا کہ " ایک شخصیت کی سوانح میں صرف یہ ہی کافی اور ضروری نہیں ہے کہ عظیم اور بڑے واقعات کو بیان کر دیا جائے بلکہ ان باتوں کا تذکرہ بھی نہایت ضروری ہے جو اس شخصیت نے نجی طور پر لکھیں ، کہیں یا سوچیں - اس طرح پڑھنے والے ایک زندہ انسان کو دیکھ سکیں گے - اس صورت کے علاوہ میرے ذہن میں سوانح نگاری کا تصور ہی نہیں آتا -"[1]

یہاں ہم حضرت آغا صاحبؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک نہایت اہم نکتہ بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ بہ قول صاحب " تذکرۂ مظہر مسعود " بالعموم دیکھا گیا ہے کہ بزرگان دین کے سوانح نگار ان کی حیات کے بارے میں لکھتے ہوئے ان بزرگوں کی کرامات پر اتنا زور دیتے ہیں کہ اصل سیرت ہی دھندلا کر رہ جاتی ہے - اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی سوانح پڑھنے والا تھوڑی دیر کے لئے مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے ، مگر اس کو ان بزرگ کی پیروی کی راہ مسدود نظر آتی ہے - جب کہ سوانح نگاری کا مقصد مبہوت اور مسحور کرنا نہیں بلکہ نمونۂ عمل پیش کرنا ہے ، جس پر عمل کرکے انسان خود بھی ایک زندہ کرامت بن جائے -[2]

حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندیؒ نہ صرف ایک نہایت بلند پا یہ عالم دین تھے بلکہ وہ ایک صاحب مقام و حال شخصیت تھے - ان کی زندگی کا محور صرف عبادت الٰہی اور خدمت دین اسلام و مسلمانان تھا - ان کے رگ و پے میں عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خون کی طرح جاری و ساری تھا -

---

1 - جیمز با سول - لائف آف سیموئل جانسن - مطبوعہ شکاگو 1952ء صفحہ 2 (دی گریٹ بکس سیریز جلد 44)

2 - تذکرہ مظہر مسعود - از پروفیسر محمد مسعود احمد - مقدمہ صفحہ 5 - اور 6

وہ دن رات عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں مست و بےخود رہتے تھے - اسی سرمستی کے عالم میں انہوں نے شہر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بے پناہ محبت کا اظہار اپنی شاعری میں اس طرح کیا ہے کہ ہر صاحب ذوق نہ صرف تڑپ کر رہ جاتا ہے بلکہ ان کو نہایت اعلیٰ پائے کا شاعر بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے - ہم ذیل میں ان کی یہ مدح پیش کرتے ہیں -

ز اوصاف مدینہ ہر چہ گویم قطرہ از دریا است
عفاف آینجا کفاف آنجا صلوٰتہ آنجا زکوٰتہ آینجا

خدا و ندا عطا کن بندۂ خود را بہ فضل خود
قیام آینجا مقام آنجا حیات آنجا مما ت آینجا

اگر خواہی کہ بینی جنت الماویٰ دریں عالم
نشیں در روضۂ اطہر بخواہ از حق نجات آینجا

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ صرف نعت گوئی کی حد تک ہی شاعر نہ تھے بلکہ ان کا ادبی ذوق نہایت اعلیٰ پیمانے کا تھا - وہ قدیم اساتذۂ کلام خصوصاً فارسی شعراء کرام میں سے شیخ سعدی ، حافظ شیرازیؒ ، مولانا عبدالرحمن جامیؒ ، مرزا صائب اصفہانی اور عمر خیام وغیرہ سے بہت زیادہ متاثر تھے - آغا صاحب نہ صرف ان اساتذہ کے دواوین اپنے زیر مطالعہ رکھتے تھے بلکہ ان میں سے اپنے پسندیدہ اشعار کا انتخاب فرما کر ان کو اپنی ذاتی بیاض میں لکھتے تھے - حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ فن تاریخ گوئی میں بھی بے مثل دسترس رکھتے تھے - مزید برآں حضرت آغا صاحب خوشی و غم اور تعمیرات و تصنیفات کے مواقعوں پر فی البدیہہ اشعار کہتے تھے - ان کا ایک نہایت ہی مشہور فارسی قطعہ جو " پین " تعلقہ کھپرو ضلع میرپور خاص میں تعمیر مسجد کے موقع پر کہا گیا تھا نہایت معروف اور زبان زد خاص و عام ہے - اس قطعے سے مسجد کی تعمیر کا سال بھی حضرت آغا صاحبؒ نے برآمد کیا ہے - ہم

یہ قطعہ ذیل میں پیش کرتے ہیں ۔

روز محشر کہ جاں گداز بود

اوّلیں پرسش از نماز بود

سال تاریخ ایں خجستہ بناء

گشت ظاہر ز مسجد الفرباء

1332ھ

نیز حضرت آغا صاحبؒ نے اپنے عزیز " حضرت شیریں جان آغا " کی تاریخ وفات کے لئے مندرجہ ذیل قطعہ کہا تھا ۔ ع[1]

شیخ عبدالقدوس حق آگاہ

کرد زیں دار بے بقا رحلت

شب پنج شنبہ چارم عاشور

روح شاں شد رواں سوئے جنت

سال ترحیل او گفت حسن

لفظ مغفور با سر حسرت

1326ھ

حضرت آغا صاحبؒ نے سیاسی طور پر مسلمانان ترکیہ و ہندوستان کی نہایت قابل قدر خدمات انجام دیں ۔ ع[2]

حضرت آغا صاحبؒ حکومت ترکیہ کے سلطان کو " خلیفتہ المسلمین " تسلیم کرتے تھے ۔ آپ نے جنگ بلقان کے دوران بطور اظہار تسلیم و اطاعت خلافت و اعانت مسلمین و مجاہدین ترکیہ ایک معقول رقم اپنی جیب خاص سے اور سندھ کے مسلمانوں سے چندہ کرکے بذریعہ " ہلال احمر " حکومت ترکیہ کو روانہ کی تھی ۔ مزید برآں جب پہلی جنگ عظیم میں حکومت ترکیہ نے جرمنی کا ساتھ دیا اور اپنے مخالف " اتحاد ثلاثہ اقوام " یعنی برطانیہ ، فرانس اور اٹلی کے

۱ ۔ تذکرہ شعرائے ... ۔ الدین ۔ ص ۔

۲ ۔ ... ۔ حکیم عبدالعزیز ... ص ۔

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

ہاتھوں شکست یافتہ ہوئی ، جس کے نتیجے میں حکومت ترکیہ کے زیر فرمان طاقیے مثلا حجاز و نجد و شام اور عراق وغیرہ اس کے ہاتھ سے نکل گئے اور مخالف اتحادی ممالک نے ان طاقوں کو آپس میں تقسیم کر لیا جس کے نتیجے میں حکومت ترکیہ کو انتہائی شدید مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا ۔ اس موقع پر حضرت حکیم الامت علامہ اقبال ؒ نے بھی فرمایا ہے کہ

اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

اس موقع پر حضرت آغا صاحب ؒ کو نہایت رنج و غم ہوا اور آپ نے حتی المقدور ترکی کے مسلمانوں کی حمایت و امداد کے لئے کام کیا ۔ ع ۱

حضرت آغا صاحب ؒ نے سیاسی طور پر بھی مسلمانان ہند کی نہایت پر اثر اور ٹھوس خدمات انجام دیں ۔ آپ نے کانگریسی مسلمانوں کو اس بات سے بھی روکنے کی کوشش کی کہ وہ ایک کافر و مشرک شخص یعنی گاندھی کی قیادت ہندوستان سے انگریزوں کی حکومت ختم کرنے کے لئے ، قبول کریں ۔ کیوں کہ یہ ایک مسلمان کی شان و غیرت اسلامی کے خلاف ہے کہ وہ مسلمان قائدین کے دستیاب ہوتے ہوئے بھی ایک کافر کی قیادت تسلیم کرے ۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں تحریک ترک وطن اور مخالفت انگریزی لباس کی تحریک کے دوران بھی آپ نے مسلمانان ہند کو سیدھا راستہ اختیار کرنے پر آمادہ کرنے میں سعیٔ بلیغ اور نہایت شدید کاوشیں کیں اور حقیقت یہ ہے کہ خدمت اسلام و رہبریٔ مسلم میں کوئی کسر نہ چھوڑی ۔ ع ۲

حضرت آغا محمد حسن جان صاحب ؒ کو تعمیرات مساجد و اجراء مدارس دینیہ کا بھی نہایت شوق تھا کہ یہ اسلام کی ایک نہایت عظیم و دیرپا خدمت اور صدقۂ جاریہ ہے ۔ اس سلسلے میں حضرت آغا صاحب ؒ نے سندھ کے مختلف شہروں ، سامارو ضلع تھرپارکر ، پہن تعلقہ کھپرو ، شکارپور ، ٹنڈوسائیں داد

۱- خانقاہ عالیہ فردوسی میں۔ حکیم عبدالعزیز سومرو مکی ۔ ص ۲
۲- مہران نقش - ڈاکٹر غلام [illegible] - ص 213

اور گنجو ٹکر پر مقبرہ شریف پر مساجد تعمیر کروائیں - ان کے علاوہ دو مساجد ایک کوئٹہ کے نزدیک ایک چشمے کے کنارے جو کہ حضرت آغا صاحبؒ کا خرید کردہ تھا اور دوسری " شاہو کلی " میں تعمیر کروائیں - نیز حضرت آغا صاحبؒ نے چار مدارس ، مدارس مجددیہ کے نام سے ٹنڈو سائیں داد ، لاڑکانہ ، میہڑ اور عمر کوٹ میں قائم کئے - ان مدارس کو حاجی حسن اللہ پاٹائیؒ ، مولوی خیر محمد مگسیؒ ، مولوی عبدالقیوم بختیارپوریؒ اور مولوی حاجی لعل محمدؒ متعلوی جیسے لائق و فائق اساتذہ و علماء کی نگرانی اور رہنمائی حاصل تھی - ان مدارس سے نہایت نامور اور انتہائی قابل طالب علم تیار ہوئے جن میں سے بہ طور خاص حضرت آغا صاحبؒ کے چار فرزند ان گرامی یعنی حضرت عبداللہ جانؒ آغا ، حضرت حاجی عبدالستار جان آغاؒ ، حافظ محمد ہاشم جانؒ اور محمد حنیف جانؒ کی خدمات اسلام اور مسلمانوں کے لئے خصوصاً سندھ میں سلسلۂ مجددیہ کی ترویج و اشاعت کے لئے نا قابل فراموش ہیں -

حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ نے ستاسی (87) سال کی عمر میں 2 رجب 1365ھ کو ٹنڈو سائیں داد میں وفات پائی اور اپنے والد گرامی قدر کے پہلو میں مقبرہ شریف میں آسودۂ خاک ہوئے -

حکیم محمد سلیم جان سرہندیؒ نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ وفات کہا ،

روح پاکش چوں تمنائے وصال حق نمود
از حریم قدس اہل عرش را آمد ندا
باب رحمت وا کنید اہلاً و سہلاً مرحبا
نغفر لہ آورید ایں دوست ما را نزد ما

****

" سلسلہ مجددیہ کی سندھ میں آمد اور نشو و ارتقاء "

حضرت شیخ مجدد الف ثانی ، احمدؒ فاروقی سرہندی ۹۷۱ھ :
بمطابق 1563ء میں اپنے غیر معمولی فیوض و برکات کے ساتھ برصغیر پاک وہند میں جلوہ گر فرما ہوئے -

سندھ میں حضرت مجدد قدس سرہ کے قدیم ترین مرید حضرت شیخ محمد موسیٰؒ[1] تھے - یہ شیخ موسیٰؒ[1] جن کا تعلق سہون[1] شہر سے تھا ، پہلے شیخ عیسیٰ لنگوٹیا برہان پوری سے بیعت ہوئے تھے جب کہ وہ برہان پور (سی - پی) سے ٹھٹھہ تشریف لائے تھے بعد ازاں جب حضرت شیخ محمد موسیٰ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مرید حضرت شیخ کریم الدین (عبدالکریم) سے ملاقات کے لئے عثمان پورہ (حسن ابدال) تشریف لے گئے تو ان سے متاثر ہوکر ان کے توسط سے سلسلہ مجددیہ میں شامل ہوگئے - شیخ محمد موسیٰ کے صاحبزادے حضرت شیخ محمد اسحاقؒ بھی اپنے والد گرامی قدر کی پیروی اور اتباع کرتے ہوئے سلسلہ مجددیہ میں داخل ہوگئے - شیخ محمد اسحاقؒ لکھتے ہیں کہ ان سے حضرت مجدد قدس سرہ نے مکاشفے میں فرمایا کہ

من احمد السرهندی الیٰ اسحٰق السندی

" يَا اِسْحٰق اَنْتَ وَلَدِىْ وَ خَلِيْفَتِىْ فِىْ جَمِيْعُ الرَّمُوْزَاتِ الْحَقِيْقِىْ وَالْدَقِيْقِىْ وَ اِنّىِ مَغْفُوْر وَ اَنْتَ وَ مَنْ تَوَسّلَ بِكَ اَيضاً مَغْفُوْر وَ اِقْرا لِحَبِيْبِىْ مُوْلَانَا كَرِيْمُ الدِّيْن مِنّىِ السّلَام "

---

1 - مکتوبات امام ربانی (49/3) میں شیخ موسیٰ اور ان کے صاحبزادے شیخ محمد اسحاق کے ناموں کے ساتھ " شوحین " لکھا ہوا ملتا ہے یہ لفظ دراصل " سیحون " ہے ، غزنوی عہد میں جب مسلمان برصغیر میں آئے توانہوں نے دریائے گنگا کو "جیحون" اور دریائے سندھ کو "سیحون" کہنا شروع کیا -

ترجمہ :" اے اسحٰق تم تمام رموزات حقیقی اور دقیقی میں میرے بیٹے اور خلیفہ ہو - مزید یہ کہ میں مغفور ہوں اور تم بھی میرے توسل سے ایسے ہی ہو یعنی مغفور - ہم دونوں ایک دوسرے سے متوسل ہیں - میرے حبیب اور دوست مولانا کریم الدین کو میرا سلام کہدیں - "

حضرت شیخ نے یہ واقعہ ایک عریضہ میں حضرت مجدد قدس سرہ کو لکھا اور حضرت رحم علی کے لئے بھی توجہ کی سفارش کی جوکہ توحید وجودی کے سکر میں تھے -

حضرت مجدد قدس سرہ کی اولاد کثیر تعداد میں افغانستان ، سندھ اور ہندوستان کے دیگر علاقہ جات میں سرہند شریف کے خطرناک سیاسی حالات اور امن و امان کی نہایت ابتر حالت کی وجہ سے آباد ہو گی تھی - حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصومؒ (م 1079/1661ء) کے چھ (6) صاحبزادے تھے جن کے اسمائے گرامی ذیل میں درج ہیں -

1) محمد صبغت اللہؒ متوفی 1122ھ / 1710ء

2) محمد نقشبندؒ متوفی 1115ھ / 1703ء

3) حضرت محمدؒ عبداللہ م 1083ھ / 1671ء

4) حضرت محمد اشرفؒ متوفی 1118ھ / 1706ء

5) حضرت خواجہ سیف الدینؒ متوفی 1096ھ / 1685ء

6) حضرت محمد صدیقؒ متوفی 1131ھ / 1719ء

پہلے صاحبزادے محمد صبغت اللہؒ کے صاحبزادے محمد اسمٰعیلؒ (م 1136 ہجری بمطابق 1719 عیسوی تھے جن کے صاجبزادے غلام محمد معصومؒ (م 1161 ہجری بمطابق 1748 عیسوی تھے جن کے صاحبزادے نو (9) تھے جن کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں -

1 - حضرت غلام محمدؒ (2) حضرت احمدؒ (3) حضرت نور الدینؒ (4) عبدالقدوسؒ

(5) حضرت شاہ عزت اللہؒ (6) حضرت محمد صادقؒ (7) حضرت عبد الاحدؒ (8) حضرت بشیر اللہؒ اور نویں حضرت صفی اللہ نمبر 1

مزکورہ بالا صاحبزادوں میں سے چھٹے صاحبزادے حضرت محمد صادق کا وصال پشاور میں ہوا لیکن ان کے صاحبزادے حضرت حاجی غلام محی الدینؒ حیدرآباد سندھ تشریف لے آئے - ان حاجی غلام محی الدینؒ کے صاحبزادے حضرت نظام الدینؒ نے شکار پور سندھ میں قیام فرمایا اور وہیں 1273ھ میں ان کا وصال ہوا - حضرت نظام الدینؒ فارسی اور اردو کے بہت اچھے شاعر تھے مزاج میں انکسار حد درجہ تھا ، اسی لئے اپنے ایک فارسی شعر میں خود اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ

ز احوال درون من بہ خوکاں عار می آید
بہ ظاہر مبتلا ہستم ، میان مکر و تز و یرے

آپ کے بھی نو (9) صاحبزادے تھے جن میں سے ایک حضرت فضل القیومؒ تھے جن کے صاحبزادے ضیائے معصومؒ تھے اور ان کے چار(4) صاحبزادے تھے یعنی 1) غلام مجددؒ (2) فضل احمدؒ (3) فدا احمدؒ اور (4) علی احمدؒ

حضرت غلام محی الدینؒ کے دوسرے صاحبزادے کا نام فدا محی الدینؒ تھا جن کے صاحبزادے حاجی محمد شریفؒ تھے اور ان کے صاحبزادے بحرالدینؒ تھے جن کی صرف ایک صاحبزادی خدیجہؒ تھیں ، ان کا انتقال 1391ھ بمطابق 1971ء میں ہوا - یہ سب حضرات حیدرآباد سندھ کے سول اور ملٹری ہسپتال کے عقب میں آرام فرما ہیں -

---

نمبر 1 - یہ تمام تفصیل حضرت خواجہ فضل اللہؒ کی مشہور و معروف تصنیف " عمدہ المقامات " کے صفحات 443 سے 445 میں ملتی ہے - بعد ازاں یہ تمام صاحبزادگان پشاور اور کابل کو منتقل ہو گئے -

غلام محمد معصومؒ کے نویں صاحبزادے حضرت صفی اللہؒ (1212ھ 1798ء) بہت عظیم فارسی شاعر اور جید عالم تھے - عمدۃ المقامات کے مصنف خواجہ محمد فضل اللہؒ نے ان کے بہ کثرت اشعار اپنی کتاب کے آخر میں درج کئے ہیں - ان خواجہ صفی اللہؒ کے صاحبزادے عبدالباقیؒ (1287ھ 1870ء) بھی بڑے شاعر تھے - " تکملہ مقالات الشعراء " کے مولف نے اپنی کتاب کے صفحات 77 تا 89 تک میں ان کے اشعار درج کئے ہیں یہ مولف اور ان کے والد ان سے بیعت تھے -

حضرت غلام محمد معصومؒ کے بڑے صاحبزادے شاہ غلام محمدؒ (1177ھ 936اھ) کے چھ (6) صاحبزادے تھے - ان میں سے دو صاحبزادگان بہت مشہور ہوئے - یعنی غلام حسینؒ اور غلام حسنؒ (م 1204ھ 1790ء) پشاور) ان غلام حسینؒ کے صاحبزادے غلام نبیؒ (م 1226ھ 1811ء قندھار) کے جانشین ان کے صاحبزادے فضل اللہؒ (م 1238ھ 1822ء قندھار) ہیں- جوکہ سلسلہ مجددیہ کی مشہور تصنیف " عمدۃ المقامات " کے مصنف ہیں- ان مصنف یعنی فضل اللہؒ کے صاحبزادے شاہ عبدالقیومؒ (م 1271ھ 1855ء قندھار) کی اولاد قندھار میں ہی رہی - لیکن ان کے ایک صاحبزادے یعنی عبدالرحمٰنؒ سندھ منتقل ہوگئے اور " ٹنڈو سائیں داد " نزد " ٹنڈو محمد خان " میں آباد ہوئے - خواجہ عبدالرحمٰنؒ (م 1315ھ 1897ء) کے دو صاحبزادگان جید عالم تھے یعنی آغا محمد حسن جانؒ (م 1365ھ 1946ء) اور آغا محمد حسینؒ جان (1367ھ 1948ء) -

آغا محمد حسن جانؒ صاحب تصنیف اور جید عالم تھے جن کی تصنیفات میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں -

1) انیس المریدین (2) سفر نامہ عربستان (3) شرح حکم عطا الھی اسکندری
4) اصول اربعہ فی تردید الوہابیہ (5) رسالہ تہلیلیہ (6) طریق النجات
(7) العقائد الصحیحہ وغیرہ وغیرہ

ع/

آغا محمد حسن جانؒ کے چار صاحبزادے تھے یعنی (1) عبداللہ جانؒ المعروف بہ شاہ آغاؒ (1305ھ - 1399ھ / 1888ء - 1973ء) عبدالستار جانؒ (1311 - 1387ھ / 1893 - 1976ء) (3) حافظ محمد ہاشم جانؒ (1321 - 1395 / 1903 22 رمضان المبارک) (4) محمد حنیف جانؒ پیدائش (1339ھ - 1920ء) -

مزکورہ بالا صاحبزادگان میں سے حضرت عبداللہ جان عرف شاہ آغاؒ نے مندرجہ ذیل کتب تصنیف کیں -

1) مونس المخلصین (2) راحت القلوب (3) مخزن العلوم

حضرت خواجہ عبدالرحمٰنؒ کے دوسرے صاحبزادے آغا محمد حسن جانؒ (م 1367ھ - 1948ء) ممتاز رفاہی شخصیت اور بلند پایہ شاعر تھے- ان کا دیوان ان کے تخلص " سرہندی " کے ساتھ ان کے چھوٹے پوتے مولانا ابراہیم جانؒ صاحبزادہ مولانا محمد اسمٰعیل جانؒ نے قصبہ سامارو ضلع تھرپارکر سندھ سے شائع کیا ہے - آغا محمد حسین جانؒ کے صاحبزادے محمد اسماعیل جانؒ بھی سندھ کے ممتاز سیاستدان تھے - حجاز مقدس کے سلطان ابن سعود نے ان کو مولانا سلیمان ندوی اور " علی برادران " کے ساتھ اسلامی کانفرنس منعقدہ 1345ھ - 1926ء میں شرکت کے لئے مدعو کیا تھا - وہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے ، ان کا تخلص " روشن" تھا -

محمد اسمٰعیل جانؒ کے دو صاحبزادے تھے یعنی (1) مولانا محمد اسحٰقؒ جان اور (2) مولانا ابراہیم جانؒ - یہ دونوں صاحبزادے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بلند پایہ شعراء تھے اور عام بول چال میں عربی اور فارسی کے اشعار بلا تکلف استعمال کرتے تھے -

****

ا مونس المخلصین - حضرت عبداللہ جان آغا - ص - 9

"آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کے اجداد اور خاندانی حالات کا جائزہ"

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کے اجداد اور خاندانی حالات جاننے کے ضمن میں یہ نہایت ضروری اور لازم ہے کہ ہم پہلے ان حالات پر نظر ڈالیں جن کی وجہ سے یہ خاندان عالیشان سرہند شریف سے ترک وطن پر مجبور ہوا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ اس خاندان عالیہ کا شجرہ نسب بھی قارئین کے سامنے پیش کیا جائے -

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جانؒ تھا جن کا سلسلہ نسب حضرت شیخ احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانیؒ تک پہنچتا ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے -

" شجرہ نسب "

1 - قیوم رحمانی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ - شیخ احمد فاروقی سرہندی تاریخ وصال 1034ھ - مزار شریف - سرہند پٹیالہ

2 - قیوم ثانی حضرت خواجہ محمد معصومؒ عروۃ الوثقی - تاریخ وصال 1079ھ سرہند شریف

3 - قیوم زماں حضرت خواجہ محمد صبغت اللہؒ - تاریخ وصال 122ھ سرہند شریف

4 - حضرت خواجہ محمد اسماعیل شہیدؒ - تاریخ وصال 1136ھ - سرہند شریف

5 - حضرت خواجہ غلام محمد معصوم ثانیؒ - تاریخ وصال 1161ھ - سرہند شریف

6 - حضرت خواجہ شاہ غلام محمدؒ - تاریخ وصال 1178ھ - پشاور

7 - حضرت شاہ غلام حسن پشاوریؒ - تاریخ وصال 1204ھ - پشاور

8 - حضرت شاہ غلام نبی قندھاریؒ - تاریخ وصال 1226ھ قندھار

9 - قطب زماں حضرت شاہ فضل اللہؒ - تاریخ وصال 1239ھ - قندھار

10 - قدوۃ السالکین حضرت شاہ عبدالقیومؒ - تاریخ وصال 1271ھ - قندھار

11 ۔ سراج الاولیاء حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جانؒ ۔ تاریخ وصال 1315ھ
مدفون گنجو ٹکر ۔ نزد حیدرآباد سندھ ۔

12 ۔ زبدۃ السالکین حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ ۔ تاریخ وصال 2 رجب
1365ھ ۔ مدفون گنجو ٹکر ۔ نزد حیدرآباد سندھ

حضرت آغا محمد حسن جانؒ کا یہ شجرہ مبارک سینتالیس (47)
پشتوں کے واسطے سے خلیفہ دوئم حضرت عمر ابن الخطابؓ تک پہنچتا ہے ۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ، شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ
نے 1034ھ سرہند شریف میں وصال فرمایا ۔ آپ کے وصال کے بعد بھی
آپ کی اولاد پانچویں پشت تک سرہند شریف میں ہی مقیم رہی ۔ اس وقت
کے بعد ہندوستان کے سیاسی حالات میں تیزی سے ہنگامہ آرائی ، بے سکونی
اور نفسا نفسی کا دور شروع ہوا ، اس کے نتیجے میں مغلیہ سلطنت تیزی
کے ساتھ زوال پزیر ہونا شروع ہوگئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کی
معاشی ، اقتصادی ، سماجی اور سیاسی حالت پرسکون نہ رہ سکی ۔ غیر یقینی
مستقبل کا خوف اور اندیشے ذہنوں پر مسلط تھے ۔ ملک کا نظم و نسق تباہی
کے کنارے پہنچ چکا تھا مزید یہ کہ یہ دور احمد شاہ ابدالی کے حملوں اور
فتوحات کا دور تھا ملک پر ہر طرف جنگ و جدل کے بادل چھائے ہوئے تھے
اور اسی دوران احمد شاہ ابدالی غزنی ، کابل اور پشاور کو فتح کرتا ہوا
اور ہر طرف خوف و ہراس برپا کرتا ہوا ، اٹک اور جہلم سے گزرنے کے
بعد لاہور تک آ پہنچا تھا اور آخر کار وہ 1141ھ بمطابق 1748ء میں
سرہند شریف میں داخل ہو گیا ۔

بد قسمتی سے بعض نا گزیر وجوہات،خصوصاً خراسان اور اس سے
ملحق علاقے جو کہ احمد شاہ ابدالی کے مفتوحہ علاقے تھے ان میں احمد شاہ

ابدالی کی طویل غیر موجودگی کی وجہ سے شورش اور بغاوت برپا ہوجانے پر احمد شاہ ابدالی کو نہایت مختصر عرصے ہندوستان میں قیام کرنے کے بعد ہی ان شورش زدہ علاقوں کی سرکوبی کے لئے واپس جانا پڑا -

دوسری طرف احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان سے روانہ ہوتے ہی سکھوں کو ایک بار پھر اپنی قسمت آزمائی اور بغاوت کے لئے ساز گار ماحول اور کھلا میدان ہاتھ آگیا ، اور انہوں نے قتل و غارت گری ، لوٹ ماراور وحشت اور بربریت کا وہ میدان گرم کیا کہ اَلْاَمَانُ و اَلْحَفِیْظُ - سکھ ہر طرف تباہی و بربادی پھیلاتے ہوئے سرہند شریف کے محترم شہر میں بھی داخل ہوئے اور انہوں نے سرہند شریف کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اس شہر کو عبرت نگاہ بنا دیا اور محترم و مقدس مقامات کی بے حرمتی کرنے کے ساتھ ہی ساتھ شریف اور معزز افراد پر عرصہ حیات تنگ کر دیا - یہاں تک کہ جس سرہند شریف کی خوبصورتی اور احترام کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ

سرہند مگو کہ رشک طور است
خار و خس او ہمہ ز نور است

ترجمہ - یعنی - سرہند رشک طور سر زمین ہے اور اس کا جھاڑ و جھنکار تک نورانی ہے -

اس شہر پاکیزہ کو سکھوں نے مجسم تباہی اور بربادی کی تصویر بنا کر رکھ دیا -

مزکورہ بالا بدترین حالات میں جب کہ شرفا کا امن و عافیت اور سکون و عزت سے سرہند شریف میں رہائش رکھنا تقریباً نا ممکن ہوگیا تو اس وقت حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اولاد امجاد کے لئے بھی اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ سرہند شریف سے ہجرت کر جائیں قطعہ ذیل اسی بد ترین سانحہ کی ترجمانی کرتا ہے -

خ/ا

" قطعہ "

جو سن گیارہ سو اور ستتر ہوئے
سہ ہجر پیمبو ، تو بے گھر ہوئے
پڑا حادثہ یعنی سرہند پر
کہ کفاز سکھ نے کیا واں گزر
نکل آئے سب اقربا واں سے پھر
ہوئے ملک اسلام میں منتشر
گیا کوئی کابل ، کوئی تاشقند
بخارا گیا اور کوئی یارکند
کوئی شہر دہلی میں آکر بسا
جہاں جس کا مخلص ہوا واں رہا
مجدد کا ایک فیض جو عام تھا
مرید اور مخلص تو تھے جا بجا
گیا جو جہاں واں غنیمت ہوا
مریدوں کے حق میں وہ رحمت ہوا

غرض،یہ اندریں حالات حضرت مجدد الف ثانیؒ کی پانچویں پشت کے ایک بزرگ حضرت شاہ غلام محمدؒ نوے (90) سال کی عمر میں اپنے اہل خانہ

خ/1 - حضرت شاہ رؤف احمد مجددیؒ (م 1253ھ) کے یہ اشعار حضرت شاہ محمد ضیاء الحق شہیدؒ کے فرزند حضرت حاجی فضل معصومؒ نے سفر بھوپال کے دوران اصل نسخہ سے دیکھ کر اپنے قلم سے نقل کی ہے (بحوالہ تعلیقات " لذت الارواح " تالیف حضرت شاہ غلام نبیؒ)

بشمول اپنے دو صاحبزادگان یعنی حضرت شاہ غلام حسینؒ اور حضرت شاہ غلام حسنؒ کے ہمراہ پشاور میں آکر رہائش پزیر ہوئے جو کہ اس وقت احمد شاہ ابدالی کے زیر فرمان اور علاقہ قندھار کا ایک صوبہ تھا ۔ حضرت شاہ غلام محمدؒ نے ، جو کہ صاحب"قدوۃ الاولیاء " بھی ہیں ، پشاور ہی میں 1178ھ میں اور ان کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ غلام حسنؒ نے بھی پشاور ہی میں 1204ھ میں وصال فرمایا ۔ ان دونوں حضرات کے مزارات پشاور شہر سے باہر نکلتے ہوئے " اسد خان کے باغ " میں تعمیر کئے گئے ۔

حضرت شاہ غلام حسنؒ کی وفات کے بعد ان کے فرزند شاہ غلام نبی صاحبؒ " لذت الارواح " نے پشاور سے ترک وطن کیا اور قندھار میں جا کر اپنے عم محترم حضرت غلام حسین شاہؒ کے ساتھ ہی رہائش پزیر ہوگئے ان کا انتقال قندھار ہی میں ہوا اور ان کو ان کے مرحوم عم محترم حضرت شاہ غلام حسین عرف " حضرت جیؒ " کے قبرستان کے نزدیک ہی ایک مقبرے میں دفن کیا گیا ، جس کو " حضرت میر غلام نبی " کی زیارت کے نام سے شہرت حاصل ہے ۔

حضرت شاہ غلام نبیؒ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت شاہ محمد فضل اللہ صاحبؒ " عمدۃ المقامات " نے 1240ھ میں اور ان کے بعد ان کے فرزند حضرت شاہ عبدالقیومؒ نے اپنے فیوض و برکات پھیلانے کے بعد اور طالبان حق کو راہ سلوک دکھانے کے بعد 1271ھ میں قندھار ہی میں وصال فرمایا ۔

حضرت خواجہ عبدالقیومؒ کے فرزند اکبر کا نام حضرت خواجہ محمد عبدالرحمٰن جانؒ تھا اور ان کے فرزند ارجمند ہمارے حضرت صاحب حضرت خواجہ محمد حسن جان مجددیؒ ، فاروقی تھے ۔ حضرت خواجہ محمد حسنؒ جان کی پیدائش کے بعد آپ کے والد محترم حضرت خواجہ محمد عبدالرحمٰن جانؒ

نے قندھار سے تقریباً چالیس میل دور موضع " ارغستان " میں ایک نہایت زرخیز زمین خرید کر وہیں سکونت اختیار کر لی ۔

اس وقت کیوں کہ ہم حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کے آبا واجداد کا تذکرہ کر رہے ہیں اس لئے مضمون کے تسلسل اور سلاست و روانی کے لحاظ سے یہی بہتر اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم فی الحال اپنے بیان کو حضرت صاحبؒ کے والد گرامی قدر حضرت عبدالرحمٰن جانؒ کے حالات تک محدود رکھیں اور حضرت آغا محمد حسن جانؒ کی ذات کو دوسرے وقت اور دوسری جگہ زیر بحث و تبصرہ لائیں ۔

مزکورہ بالا تسلسل میں بہ حوالۂ حالات حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جان مزید حالات یہ ملتے ہیں کہ 1295ھ 1871ء میں انگریزوں نے کابل اور قندھار پر حملہ کرکے قبضہ کر لیا اور امیر عبدالرحمٰن کو افغانستان کے تخت پر بٹھا دیا جو کہ ایک ظالم و سفاک شخص تھا اور عالموں اور اہل رشد حضرات کا سخت دشمن تھا اور ایسے برگزیدہ اور صالح اشخاص کو قتل کرنا اسے بہت محبوب تھا ۔ ان حالات کے نتیجے میں ہر طرف افراتفری پھیل گئی اور غیور افغان مسلمانوں نے انگریزوں اور ان کی پٹھو حکومت کے خلاف علم جہاد بلند کردیا اور مقابلے کے لئے میدان جنگ میں نکل آئے ۔ حضرت خواجہ عبدالرحمٰنؒ بھی اپنے صاحبزادے ہمارے حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کے ساتھ میدان جہاد میں نکل آئے باوجود یہ کہ اس وقت ہمارے ممدوح حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کا نو عمری کا زمانہ تھا اور آپ کی عمر مبارک اس وقت بہ مشکل سترہ (17) سال تھی ۔

دونوں برگزیدہ باپ اور بیٹوں نے تقریباً چھ ماہ تک سپاہ اسلام کے دوش بدوش ہمت اور شجاعت کے جوہر دکھائے اور داد جہاد دی لیکن مشیت ایزدی کچھ اور تھی ۔ بالآخر امیر عبدالرحمٰن انگریزوں کی پشت پناہی

اور امداد کے ساتھ افغانستان پر اپنا غاصبانہ قبضہ برقرار رکھنے میں کامیاب ہوگیا عنان اقتدار سنبھالنے کے بعد اس نے مسلمانوں پر بے پناہ ظلم و ستم ڈھایا۔ بے تحاشہ علماء، صلحاء اور مشائخ کو بیدردی سے قتل کروادیا اور ہزاروں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ [1]

مزکورہ بالا حالات میں ہمارے حضرت صاحبؒ کے والد گرامی قدر حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جانؒ نے بالآخر افغانستان سے ہجرت کرنے اور مستقل طور پر حجاز مقدس میں رہائش اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے کے مطابق 1879ء میں آپ اپنے جملۂ افراد خاندان کو لے کر جو کہ تقریباً پچاس ساٹھ افراد پر مشتمل تھے، اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہوکر افغانستان سے روانہ ہوگئے۔ یہ قافلہ انتہائی دشوار گزار راستوں، جنگلوں، بیابانوں سے گزرتا ہوا اور سفر کی سختیاں اور تکالیف برداشت کرتا ہوا بالآخر پہلے" قلات" بلوچستان پہنچا جہاں قلات کے رئیس فقیر محمد صاحب کے ہاں قیام کیا گیا۔ اس کے بعد بھاگ ناری میں مولوی حامد اللہؒ اور مولوی عبدالحکیمؒ کے ہاں کچھ دن قیام کیا۔ پھر کچھ دن گڑھی یاسین میں رئیس اعظم عطا اللہ خان کے ہاں قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ مٹیاری تشریف لائے جہاں آپ کے مرید کثیر تعداد میں موجود تھے۔ اس کے بعد میراں محمد شاہ اول شکھرائی کی درخواست قیام شکھر کے لئے قبول ہوئی۔ آغاز سفر ہی سے مریدین اورمخلصین ہر جگہ جوق درجوق حضرت آغا محمد عبدالرحمٰن جانؒ کی زیارت کے لئے آتے رہے اور قدم بہ قدم نہایت عاجزی کے ساتھ اپنے اپنے علاقے میں رہائش اختیار کرنے کی درخواست کرتے رہے اور اس سلسلے میں اپنے جان و مال فدا کرنے سے بھی ہرگز پیچھے نہ ہٹے۔ لیکن ہوا وہی جو کہ اللہ تعالیٰ کی منظور تھا

حضرت آغا عبدالرحمٰن جانؒ کے ایک نہایت مخلص مرید " سید میراں محمد شاہ " کے نہایت پر زور اور عاجزانہ اصرار پر حضرت صاحبؒ قبلہ کے والد

۱- تاریخ ہلیا فروری میں - ص 7-8
حکیم عبدالعزیز سرہندی-

گرامی نے حیدرآباد شہر سے تقریباً اٹھارہ (18) میل کے فاصلے پر " ٹکھر " کی بستی میں رہائش اختیار کی ۔ جو کہ سادات کرام کی بستی تھی ۔ غالباً حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جان سرہندیؒ کو سادات کرام سے جو عقیدت اور تعلق قلبی تھا وہ غالب آیا اور آپ نے عارضی طور پر " ٹکھر " کو اپنی رہائش کے لئے پسند فرما لیا ۔

" ٹکھر شریف " میں تقریباً ڈیڑھ سال قیام کرنے کے بعد حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جان سرہندیؒ نے اپنے جمیع افراد خاندان کے ہمراہ حجاز مقدس کے لئے رخت سفر باندھا اور 1299ھ 1882ء میں عربستان تشریف لے گئے ۔ وہاں پر چار (4) سال دو (2) ماہ اور چند روز قیام کے بعد سندھ میں " ٹکھر شریف " واپس آگئے ۔ جہاں آپ آخر وقت تک مقیم رہے اور آپ نے 1315ھ 1897ء میں وصال فرمایا اور گنجو ٹکو کے نزدیک " مقبرہ شریف" میں دفن کئے گئے ۔

****

حضرت آغا محمد حسن جان مجددی ، فاروقی ، سرھندی کے ذاتی حالات

پیدائش اور ابتدائی تعلیم

حضرت آغا محمد حسن جان سرھندی چھ شوال المکرم 1278ھ بمطابق 1862ء میں افغانستان کے مشھور مردم خیز شھر " قندھار " میں پیدا ھوئے ۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام " مسمات حوّا بی بی " تھا جو کہ ایک نہایت معزز بارک زئی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں جن کے والد گرامی جناب شاہ محمد خان بارک زئی قوم کے ایک نہایت مقتدر اور نامور شخص تھے حضرت آغا محمد حسن جان سرھندی کی ابتدائی تعلیم حضرت آغا صاحبؒ کے والد محترم حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جانؒ کے ھاتھوں ھوئی ، جو کہ خود بھی ایک نہایت جلیل القدر بزرگ شخصیت اور ایک بلند پایہ اور جید عالم تھے۔ حضرت آغا صاحبؒ نے اپنے والد بزرگوار سے قرآن پاک اور صحیح بخاری شریف کی تعلیم حاصل کی ۔

حضرت آغا صاحبؒ کے خاندان کی سندھ میں آمد

حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کی عمر مبارک کا سترھواں (17) سال تھا کہ غیور افغانیوں اور اھل علم حضرات و عالمان دین نے افغانستان میں انگریزوں کے خلاف نہایت زور و شور سے احکامات دینِ اسلام کی سر بلندی کے لئے ، جہاد شروع کر دیا ۔ اس جہاد کی وجہ یہ تھی کہ انگریز ناجائز اور غاصبانہ طور پر عام مسلمانوں کی موضی کے خلاف ، اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لئے والیٔ قندھار امیر ایوب خان کو افغانستان کے تخت سے ھٹا کر اپنی سوچ کے حامل ، اپنے خاص آدمی امیر عبدالرحمٰن خان کو افغانستان کے

تخت پر بٹھانا چاہتے تھے ، جو کہ ایک ظالم اور بدکردار شخص و عالمان دین کا دشمن تھا - یہ سیاسی کشمکش بڑھتی چلی گئی ، ملک کے حالات ابتر ہوتے چلے گئے ، یہاں تک کہ آخر کار ملک کے ممتاز عالموں اور مفتیوں نے امیرایوب خان کی حمایت میں ، انگریزوں کے خوشہ چین امیر عبدالرحمٰن کے خلاف لڑنے کو جہاد قرار دے دیا اور تمام علماء اور دیگر برگزیدہ افراد اس جہاد میں حصہ لینے کو تیار ہو گئے - حضرت آغا محمد حسن جان" سرہندی نے بھی اپنے والد محترم حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جانؒ اور دیگر عالموں کے شانہ بشانہ تقریباً چھ ماہ تک اس جہاد میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا اور داد شجاعت دی لیکن ان سب باتوں کے باوجود خداوند کریم کی مرضی دیگر تھی اور اس کی رضا کے نتیجے میں آخر کار انگریز کامیاب ہوئے اور امیر عبدالرحمٰن انگریزوں کی حمایت اور پشت پناہی حاصل ہوتے ہوئے افغانستان کے تخت حکومت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا - مرضیٔ مولا از ہمہ اولیٰ -

حکومت سنبھالتے ہی امیر عبدالرحمٰن نے نہایت شدید پیمانے پر انتقامی کاروائیاں شروع کر دیں اور بے دھڑک ممتاز مسلمانوں اور علمائے دین کو قتل کروانا اور قید کرنا شروع کر دیا -

مزکورہ بالا حالات نے دیگر علمائے دین کی طرح حضرت آغا صاحبؒ کے والد گرامی کو بھی یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا کہ وہ اپنے خاندان کی عافیت و بقا کے لئے اپنے اہل خاندان کے ساتھ افغانستان سے ہجرت کر جائیں اور پھر بالآخر انہوں نے یہ طے کیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے براستہ سندھ حجاز مقدس منتقل ہو جائیں - اس فیصلے کے تحت آپ نے اپنے جملہ خاندان کے ہمراہ جن کی تعداد کم و بیش پچاس ، ساٹھ افراد تھی ، 1297 ھ بمطابق 1879ء افغانستان سے سندھ کے لئے ہجرت کا سفر اختیار کیا ، تا کہ سندھ سے ہوتے ہوئے " بمبئی " کے راستے بحری جہاز کے زریعہ حجاز مقدس

جا سکیں - یہ قافلہ راستے کے شدائد اور مصائب برداشت کرتا ہوا ، موسم کی سختیاں جھیلتا ہوا ، سب سے پہلے بلوچستان کے شہر " قلات " پہنچا جہاں رئیس قلات " فقیر محمد خان " کے ہاں قیام کیا گیا - قلات میں کچھ دن قیام کے بعد یہ قافلہ دوبارہ روانہ ہو کر " بھاگ ناری " میں " مولوی حامد اللہ " اور " ملاّ عبدالحکیم " کے یہاں قیام پزیر ہوا - چند دن کے بعد یہ قافلہ بھاگ ناری سے روانہ ہو کر " گڑھی یاسین " میں رئیس اعظم " عطا اللہ خان بارک زئی " کے پاس پہنچا اور وہاں تقریباً ایک ماہ قیام کیا رئیس اعظم عطا اللہ خان نے جو کہ حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جانؒ کے ایک نہایت جاں نثار اور مخلص مرید تھے ، حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جانؒ صاحب کی خدمت میں نہایت عاجزانہ درخواست کی کہ وہ گڑھی یاسین میں ہی مستقل رہائش اختیار فرمائیں ، اس سلسلے میں انہوں نے نہایت فراخدلانہ اور فیاضانہ پیشکش کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس بات تک پر آمادگی ظاہر کی کہ وہ اپنی جاگیر کا ایک بڑا حصہ بھی حضرت صاحبؒ کے مصارف زندگی اور گزر بسر کے لئے دینے کو تیار ہو گئے - لیکن حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جانؒ صاحب نے ان کی اس فراخدلانہ پیشکش پر ان کو اپنی دعاؤں سے نوازتے ہوئے فرمایا کہ " ہمیں سندھ میں قیام نہیں کرنا ہے ، بلکہ ہمیں تو مستقل رہائش کیلئے حجاز مقدس جانا ہے " - غرض یہ کہ یہ قافلہ گڑھی یاسین میں ایک ماہ قیام کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہوکر مٹیاری پہنچا - اگرچہ یہ کہ اس سارے سفر کے دوران جگہ بہ جگہ حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جانؒ صاحب کے مریدین اور مخلصین نے درخواستیں کیں کہ ہمارے علاقے کو مستقل طور پر رہائش کا شرف بخشا جائے ، لیکن حضرت خواجہ عبدالرحمٰن صاحبؒ نے سب کو یہی جواب دیا کہ " ہم یہاں رہنے کے لئے نہیں آئے ہیں ، بلکہ ہمارا عربستان جانے کا ارادہ ہے "- ع ا

لیکن مٹیاری میں اس قافلے کے قیام کے دوران جب حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جانؒ کے ایک اور نہایت مخلص مرید " میراں محمد شاہ سکھرائی " نے نہایت منت اور سماجت کے ساتھ اس بات پر بہت زیادہ اصرار کیا کہ حضرت خواجہ صاحبؒ اپنے اس مرید کے علاقے" سکھر" میں چل کر قیام پزیر ہوں تو بالآخر حضرت خواجہ صاحبؒ نے ان کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور سکھر اپنی رہائش کے لئے پسند فرمایا - تقریباً ڈیڑھ سال سکھر میں قیام کے بعد حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جانؒ ہمارے ممدوح اور اپنے صاحبزادے حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی کے ہمراہ حجاز مقدس تشریف لے گئے اور وہاں تقریباً پانچ سال گزار کر 1305ھ میں سکھر واپس تشریف لائے اور وہیں پر آپؒ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور گجو سکھر پہاڑی پر " مقبرہ شریف" میں مدفون ہوئے -

حضرت آغا محمد حسن جانؒ کی مزید تعلیم [1]

افغانستان سے سندھ ہجرت کر جانے کے بعد جب حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جان صاحبؒ نے سکھر میں قیام فرمایا تو حضرت خواجہ آغا محمد حسن جانؒ نے اس قیام کے دوران مٹیاری کے مشہور عالم دین " مولوی لعل محمد " صاحب سے سکھر شہر میں دینی علوم کی تعلیم حاصل کی - بعد ازاں آپ اپنے والد گرامی قدر کے ہمراہ عربستان تشریف لے گئے ، جہاں آپ کا قیام تقریباً پانچ سال رہا - دوران قیام حجاز آپ نے مشہور عالم " مدرسہ صولتیہ " میں اس وقت کے مشہور عالم دین حضرت " مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی " سے تقریباً دو (2) سال تک علم دین کی تحصیل کی - اس کے علاوہ آپ نے مکہ مکرمہ کے مفتی " حضرت شیخ احمد زینی دحلان " سے علم حدیث حاصل کیا اور روایت صحاح ستہ کی اجازت بھی ان سے حاصل کی -

1 - مولف الخلیفہ ، عبداللہ جان اکاکی - ص - 19

حضرت آغا صاحبؒ نے روایت صحاح ستہ[1] اور اس کے اجازت کے حصول کے بعد قرآن پاک حفظ کرنے کی طرف توجہ کی اور آپ نے مکہ شریف میں اپنے قیام کے دوران بائیس (22) پارے حفظ کئے اور باقی آٹھ (8) پارے سکھر واپس آکر حفظ کئے - مزید یہ کہ حضرت آغا صاحبؒ نے شیخ المحدثین حضرت " شاہ عبدالغنی دہلوی مجددیؒ ولد شاہ ابو سعید مجددیؒ " اور " حضرت مفتی شیخ عبداللہ السراجؒ " سے بھی علم حدیث و فقہ میں سند حاصل کی - ان بزرگوں کے علاوہ حضرت خواجہ صاحب " حضرت شیخ ابو نصر محدث دمشقیؒ " کی صحبت سے بھی فیضیاب ہوئے -

سلوک و صفا ، تصوف اور معرفت کی ابتدائی تربیت اپنے درویش صفت والد گرامی سے حاصل کرنے کے بعد علم دین کا مزکورہ بالا خزانہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے حجاز مقدس سے پایا اور آخر کار اس رتبہ تک پہنچے کہ اپنے والد محترم حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جان صاحبؒ کے وصال کے بعد ان کی درگاہ کی مسند سجادہ نشینی پر جلوہ افروز ہوں -

ٹنڈو سائیں داد میں منتقلی و مستقل رہائش

حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جانؒ نے 1315ھ میں سکھر میں وصال فرمایا ، ان کی وصال کے بعد متفقہ طور پر تمام مریدین و مخلصین نے ان کے صاحبزادے اور ہمارے ممدوح حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ سرہندی کو ان کا خلیفہ ، جانشیں اور سجادہ تسلیم کرتے ہوئے مسند ارشاد پر بٹھا دیا ، اور دستار خلافت آپ کے باندھی گئی - سجادگی کے کچھ عرصے کے بعد آپ سکھر سے قصبہ " ٹنڈو سائیں داد " میں منتقل ہو گئے -

---

نمبر1 - صحاح ستہ = احادیث کی چھ مستند ترین کتب یعنی - 1- صحیح بخاری 2 - صحیح مسلم- 3 - ترمزی - 4- نسائی - 5- ابن ماجہ- 6- ابوداؤد

ع/

شکھر سے ٹنڈو سائیں داد منتقلی کی ضرورت اس لئے پیش آئی
کہ قصبہ ٹنڈو سائیں داد اپنے محل وقوع کے لحاظ سے ، ریلوے اسٹیشن
" ٹنڈو محمد خان " سے نہایت ہی نزدیک یعنی تقریباً ایک میل کے فاصلے پر
واقع ہے ۔ دور و نزدیک سے آنے والے بیشتر مریدین و مخلصین ریل گاڑی کے
ذریعے ہی یہاں تک پہنچتے تھے اس منتقلی سے آنے والے مریدوں کو نہایت
آسانی ہو گئی ۔ مزکورہ بالا منتقلی کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہوئی کہ 1312ھ
میں شکھر میں زبردست سیلاب آیا اور تمام قصبہ زیرو زبر ہو کر رہ گیا ۔ اس
وقت آپ کے نہایت مخلص مرید " میر غلام علی خان تالپور " رئیس شہر
" ٹنڈو غلام علی " نے آپ سے ٹنڈو سائیں داد منتقلی کی درخواست کی اور
وہاں پر آپ کے لئے ایک نہایت کشادہ اور پر فضاء مکان بھی تیار کروادیا ۔
یوں حضرت خواجہ صاحب شکھر سے ٹنڈو سائیں داد منتقل ہوگئے ۔

آپ کی ٹنڈو سائیں داد منتقلی کے بعد یہ قصبہ نہایت با رونق اور
آباد ہو گیا ۔ آپ نے مسند ارشاد پر رونق افروز نہایت زور و شور ، محنت
و سرگرمی اور انتہائی اخلاص کے ساتھ خدمت اسلام اور اشاعت دین کا کام
شروع کیا ، گمراہ لوگوں کے عقائد کو سنوارا ۔ ان کو آخرت کی طرف متوجہ
کیا ، نور اسلام سے سینوں میں چھائے ہوئے ظلمتوں کے اندھیروں کا خاتمہ
کیا ، یہاں تک کہ گمراہ لوگوں اور منکران اسلام کی ایک بڑی تعداد آپ کے
دست حق پرست پر اسلام و سلامتی اور درست عقائد کی طرف پلٹ آئی ۔

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کے سفرحج شریف کا بیان

حضرت آغا صاحبؒ کو بہ عنایت الٰہی پانچ مرتبہ حج ادا کرنے کی
توفیق عطا ہوئی ، جو کہ فی الحقیقت ایک نہایت بڑی نعمت اور خداوند کریم
کی خاص مہربانی و لطف و کرم ہے ۔ ان سب سفروں میں پہلا سفر حج وہ

تھا جو کہ آپ نے اپنے والد صاحب یعنی حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جانؒ سرہندی کی معیت اور نگرانی میں کیا تھا - یہ سفر حج وہ ہے جو کہ آپ کے والد صاحب نے حضرت خواجہ حسن جان سرہندیؒ اور دیگر افراد خاندان کے ہمراہ 1299ھ میں اختیار کیا تھا -

حضرت آغا صاحبؒ کا دوسرا سفر حج

حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے اپنی زندگی کا دوسرا سفر حج اختیار کرنے کی سعادت 1320ھ میں حاصل کی - اس سفر میں مریدین اور مخلصین کی ایک بڑی جماعت بھی آپ کے ہمراہ تھی اس سفر کے لئے حضرت آغا صاحبؒ اپنی رہائش گاہ ، ٹنڈوسائیں داد سے ، 14 رمضان المبارک 1320ھ کو روانہ ہوئے اور بعد ادائیگی حج بخیر و عافیت 25 صفر 1321ھ کو واپس تشریف لے آئے - اس سفر مبارک میں آپ کے ہمراہ دیگر مریدین کے علاوہ سید عبدالحکیم شاہ ٹکھرائی اور سید باقر شاہ ٹھٹھہ والے بھی شامل تھے - حضرت آغا صاحبؒ نے اسی سفر کے دوران اپنا مشہور و معروف رسالہ " پنج گنج* " بھی تصنیف فرمایا -*

حضرت آغا صاحبؒ کا تیسرا سفر حج

حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے اپنا تیسرا سفرحج 1322ھ میں اختیارکیا اس سفر میں دیگر ہمراہان کے علاوہ ، حاجی عبدالطیف بختیار پوری ، حافظ

پنج گنج * - اصل زبان فارسی - یہ کتاب دراصل پانچ موضوعات پر لکھے گئے رسائل پر مشتمل ہے ، ان رسائل کے عنوانات یہ ہیں- (1) سفرنامہ حرمین شریفین 2) ادعیہ اوراحکام حج - (3) الاحادیث المسلسلہ بالاولیتہ مع الاجازتہ من الشیخ ابونصرشامی (3) شرح چہل کاف اور (5) نصیحت نامہ -

محمد اسماعیل کھیرو والے ، ڈاکٹر شیخ شمس الدین حیدرآبادی اور حاجی عبداللہ مکرانی بھی شامل تھے ۔

حضرت آغا صاحبؒ کا چوتھا سفر حج

حضرت آغا صاحبؒ نے چوتھا سفر حج 1332ھ میں اختیار کیا ۔ حضرت آغا صاحبؒ نے اس سفر کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارادہ کیا کہ یہ سفر ملک شام اور مصر کے راستے سے کیا جائے تاکہ بصرہ ، بغداد ، کربلا معلّٰی ، نجف اشرف ، بیت المقدس اور نجد کے سفر کے دوران آنے والے تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور تمام اولیاء اور بزرگان دین کی زیارات پر بھی حاضری دی جا سکے ۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ دیگر لوگوں کے علاوہ آپ کے فرزند حضرت عبداللہ جان عرف حضرت شاہ آغا صاحبؒ اور آپ کے عزیزوں میں سے غلام دستگیر جان ، مخلصین و مریدین میں سے سید عبداللہ شاہ ، سید فضل علی شاہ ، وڈیرہ محمد حسن میہڑ والے ، مولوی قاضی نظر محمد سومرہ اور دیگر افراد شامل تھے ۔

حضرت آغا صاحبؒ کا پانچواں سفر حج

حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے اپنا پانچواں اور آخری سفر حج 1357ھ بمطابق 1938ء میں اختیار کیا ۔ اس سفر میں بھی حسب معمول آپ کے مریدوں اور مخلصوں کی ایک بڑی جماعت آپ کے ہمراہ تھی ۔ آپ کے ساتھیوں میں آپ کے صاحبزادے عبدالستار جان ، صاحبزادے محمد اسحاق جان اور مریدوں اور دوستوں میں سے قاضی عبدالکریم مہیسر ، حاجی محمد محسن ڈوکری والے مخدوم احمد علی بوبک والے ، مولوی میاں عبدالقیوم بختیار پوری ، خان بہادر غلام محمد اسران ، لاڑکانے والے اور حاجی علی محمد پٹھان آپ کے خادم شامل تھے ۔

ایک اندوہ گیں سانحہ ، زلزلہ کوئیٹہ

حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کا یہ کئی سال سے معمول تھا کہ آپ بمعہ تمام اہل و عیال کے ، گرمیاں شروع ہوتے ہی ، کوئیٹہ ، بلوچستان چلے جایا کرتے تھے - کوئیٹہ میں آپ کا قیام موسم سرما کے شروع ہونے تک رہتا تھا موسم سرما شروع ہوتے ہی آپ اپنے تمام اہل خاندان کے ہمراہ واپس اپنی مستقل قیام گاہ یعنی ٹنڈو سائیں داد تشریف لے آتے تھے -

مزکورہ بالا معمول کے مطابق آپ 1354ھ بمطابق 1935ء کے ماہ صفر یعنی مئی میں تمام اہل خاندان کے ہمراہ کوئیٹہ پہنچے - ابھی کوئیٹہ کے کے قیام کو تیسرا ہی دن تھا کہ 21 مئی بمطابق 27 صفر کو رات کے تقریباً 3 بجے زلزلے کے شدید جھٹکے آنے شروع ہوئے ، اس سے پہلے کہ خلق خدا نیند سے بیدار ہوتی ، واقع کو سمجھتی اور اپنے بچاؤ کا کوئی انتظام کرتی ، کثیر تعداد خواب راحت سے خواب عدم میں پہنچ گئی - اس نہایت ہولناک زلزلے میں تقریباً سارا شہر تہس نہس اور تباہ و برباد کر دیا ، اس کے نتیجے میں ہزاروں کی تعداد میں مرد و زن ، بچے اور بوڑھے اس قیامت خیز زلزلے کا شکار ہو گئے -

حضوت آغا صاحبؒ کا خاندان ~~بھی~~ عا اس زلزلے سے نہایت شدید طور پر متاثر ہوا اور آپ کے دو فرزند ،(3) تین صاحبزادیاں ، آپ کی ایک اہلیہ اور ان اہلیہ کی ایک ہمشیرہ ، ایک خادمہ اور اس کا شوہر اور ایک مہمان یہ سب افراد پلک جھپکنے میں راہیٔ ملک عدم ہوئے ، یہ جملہ دس افراد تھے۔ خود حضرت آغا صاحبؒ کے گھٹنے میں شدید ضوب آئی جو کہ بعد ازاں کئی ماہ کے علاج کے بعد درست ہوئی تمام افراد خاندان کے لقمۂ اجل بن جانے کے باوجود حضرت آغا صاحبؒ نے کمال صبر اور تسلیم رضا کا انتہائی اعلیٰ مظاہرہ

کیا اور لب پر کوئی حرف شکوہ و شکایت نہ لائے ، بلکہ مرضئ مولا کے آگے سرتسلیم خم کر دیا ۔ درحقیقت یہ وہ مقام ہے جو کہ صرف اولیاء اللہ کے پاکیزہ نفوس کو ہی عطا ہوتا ہے ۔

حضرت آغا صاحبؒ کی تعمیر کردہ مختلف مساجد ۔[1]

حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے دین اسلام کی کی ترقی و ترویج کے لئے نہایت اخلاص و سرگرمی کے ساتھ انتہائی اعلیٰ پیمانے پر کوششیں کیں اور اس سلسلے میں دیگر امور و ابلاغ دین کے ساتھ ساتھ تعمیر مساجد پر بھی خصوصی توجہ دی ، تاکہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں اللہ کے دین اور فلاح و بھلائی کی طرف بلایا جا سکے اور اللہ کے ذکر کو مساجد میں زیادہ سے زیادہ بلند کیا جائے ۔

حضرت آغا صاحبؒ کی یہ خصوصی عادت رہی کہ جہاں بھی آپ نے قیام کیا وہاں آپ نے مسجد ضرور تعمیر کرائی ہے ، بموجب اس حدیث مبارک کے " وَمَنْ بَنِیَ اللّٰہَ مَسْجِداً بَنِیَ اللّٰہُ لَہُ بَیْتاً فِیْ الْجَنَّۃِ ۔"
ترجمہ = (جس نے اللہ کے لئے مسجد بنائی ، اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا ۔)

حضرت آغا صاحبؒ نے سات مساجد مختلف شہروں میں تعمیر کروائیں جن کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے ۔

پہلی مسجد = یہ مسجد حضرت آغا صاحبؒ نے سندھ کے شہر سامارو کے نزدیک علاقہ " بوئلہ " میں تعمیر کروائی ۔

دوسری مسجد = یہ مسجد حضرت آغا صاحبؒ نے سندھ کے تعلقہ " کھپرو " میں اپنی زمینوں پر تعمیر کروائی ۔ یہ وہ مسجد ہے کہ جس کی تاریخ تعمیر بھی حضرت آغا صاحبؒ نے خود کہی ۔ جو کہ ہم

۱۔ فاتح حیدرآباد(سی میں حکیم عبدالوہاب سے ملاقات) 17-16-ص

ذیل میں پیش کر رہے ہیں -

روز محشر کہ جاں گداز بود - اولیں پرششِ نماز بود

سال تاریخ ایں خجستہ بناء - گشت ظاہرز مسجد الفرباء

1342

تیسری مسجد - یہ مسجد حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے اپنے والد گرامی قدر حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جانؒ کے مقبرے واقع " گنجو ٹکر " پر تعمیر کروائی - اس مسجد کی تعمیر کی تاریخ قاضی سید اسد اللہ شاہ "فدا" ٹکھرائی نے کہی تھی جو کہ نہایت خوشخط انداز میں کاشی کے پتھروں پر کنندہ کردہ مسجد میں لگی ہوئی ہے - تاریخ تعمیر ذیل میں درج ہے -

بنا شد مسجدی زیبا لہ الحمد - بیا جنات عدن را بکن سیر

چو شد آغاز و انجا مش بخوبی - فدا سالش بگو " اتمام بالخیر"

1338

چوتھی مسجد - یہ مسجد حضرت قبلہ آغا صاحبؒ کی جائے رہائش " ٹنڈوسائیں داد" میں ہی تعمیر کرائی - یہ مسجد شریف فن تعمیر کا ایک نادر نمونہ ہے - یہ مسجد حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کے حکم پر شکارپور سندھ کے اپنے دور کے مشہور مستری محمد بخش اور اس کے ساتھیوں نے نہایت محنت اور محبت سے تعمیر کی تھی حضرت قبلہ آغا صاحبؒ کے بھتیجے حاجی محمد اسماعیل " روشن" نے اس مسجد کی تعمیر کی تاریخ مندرجہ ذیل قطعہ میں کہی ہے -

مسجد ایں جانیا بہ زینت و زیب - خاص از لطف رب واحد شد

گفت روشن بہ سال تعمیر ش - واہ واہ افضل مساجد شد

پانچویں مسجد ۔ یہ مسجد کوئٹہ شہر کے نزدیک گاؤں " شابو " میں واقع تھی جو کہ 1935ء مئی کے زلزلے میں شہید ہو گئی تھی ۔ حضرت آغا صاحبؒ نے دوبارہ اس کی تعمیر کروائی ۔

چھٹی مسجد ۔ کوئٹہ شہر سے تقریباً بارہ میل باہر حضرت آغا صاحبؒ نے زمین کا ایک ٹکڑا ، پہاڑی علاقہ میں بہتہ پانی کے ایک چشمے کے خرید کیا تھا ۔ تا کہ کچھ وقت وہاں پر سکون اور تنہائی میں گزارا جا سکے ۔ یہ مسجد بھی اسی زمین کے ٹکڑے پر تعمیر کروائی گئی تھی ۔

ساتویں مسجد ۔ یہ مسجد حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے " شکارپور " سندھ میں " ہزاری در " کے نزدیک تعمیر کروائی تھی ، جہاں پر آپ کا موروثی مکان بھی تھا ۔ یہ مسجد دومنزلہ تھی جو کہ آج بھی آباد ہے ۔

" دینی مدرسوں کا اجراء " ع/

حضرت قبلہ آغا صاحبؒ نے اشاعت دین اور ابلاغ پیغام حق کے لئے سندھ کے مختلف شہروں میں کئی دینی مدارس جاری کئے ، جوکہ ان کا فی الحقیقت ایک بڑا کارنامہ ، صدقہ جاریہ اور دین کی ایک نہایت اہم خدمت ہے ۔ ان مدارس میں سے سینکڑوں طلباء فارغ ہوکر نکلے اور دین کی حفاظت ترقی و ترویج کے لئے ایک نہایت قیمتی اثاثہ اور مضبوط اساس ثابت ہوئے ذیل میں ان مدارس کی تفصیل دی جاتی ہے جو کہ حضرت آغا صاحبؒ نے مختلف اوقات میں مختلف شہروں میں قائم کئے ۔

1 ۔ مولوی محمد عثمان قرآنی بھنبھوری کا مدرسہ

یہ مدرسہ " شادی پلی " ضلع تھرپارکر کے نزدیک ایک گاؤں " عمر بھنبھرو " کے نزدیک قائم کیا گیا تھا ۔ اس

1 ۔ خالق ھلیا فردوسی ہیں ۔ صفحہ 19-20

مدرسہ کا نام " مدرسہ مجدّدیہ " رکھا گیا تھا جو کہ مولوی محمد عثمان قرآنی کی زیر نگرانی چل رہا تھا ۔ حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے اس مدرسہ کی مالی امداد اور دیگر اخراجات کو پورا کرنے کے لئے اس مدرسہ کے گرد ونواح میں رہائش رکھنے والے اپنے مرید " رئیس غلام محمد خان بھرگڑی " اور دیگر زمینداروں سے سالانہ بنیادوں پر نقد رقم اور اناج وغیرہ کی تعداد ومقدار مقرر کروائی تاکہ مدرسہ کا کام اور جملہ اخراجات رکے بغیر اور بلا کسی دقت کے ، بحسن و خوبی چلتے رہیں ۔ اس سب بندوبست کے علاوہ حضرت آغا صاحبؒ بھی بذات خود بھی ایک نہایت معقول رقم مدرسہ کے اخراجات کے لئے سالانہ بنیادوں پر بطور امداد دیتے تھے ۔ اس مدرسہ کے آمدوخرچ کے " رجسٹر " میں حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ قبلہ کے دستخط آج بھی موجود ہیں ۔

2۔ <u>گاہی مہیسر کا مدرسہ</u>

گاہی مہیسر ، " میہڑ " شہر ، ضلع دادو کے نزدیک ایک چھوٹا سا گاؤں ہے ۔ گاہی مہیسر کے زمیندار " شاہ محمد خان " اور "حاجی اسماعیل خان " ، حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ کے مرید تھے ، جنھوں نے گاہی مہیسر میں " مدرسہ مجددیہ " کی بنیاد رکھی ، اور وہاں پر " مولوی عبدالوہاب " اور " مولوی عبدالکریم " کو دینی علوم کے درس و تدریس کے لئے مقرر کیا ۔ مدرسہ کے مصارف وغیرہ پورے کرنے کے لئے اطراف و اکناف میں بسنے والے حضرت آغا صاحبؒ کے مریدوں پر مدرسہ کے لئے سالانہ بنیادوں پر ، نقد رقوم و اجناس کی فراہمی کا ذمہ رکھا گیا ۔ یہ مدرسہ نہایت کامیابی کے ساتھ چلتا رہا اور اس مدرسہ سے بیحد قابل اور لائق شاگرد تیار ہوئے ۔ لیکن صد افسوس کہ " وڈیرے شاہ محمد خان" اور " مولوی عبدالکریم " صاحبان کے انتقال کے بعد مدرسہ کا انتظام روز

بہ روز بدنظمی کا شکار ہوتا چلا گیا ، یہاں تک بالکل ختم ہو کر رہ گیا -

3- مدرسہ آباد ع/1

" آباد " ، لاڑکانہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلے پر شمال کی سمت واقع ایک چھوٹا سا گاؤں ہے - یہاں پر بسنے والے مشہور و معروف قبیلے " انڑ " کے رئیس " حاجی غلام قادر خان انڑ " ایک نہایت مخیر اور دیندار شخص تھے جو کہ حضرت آغا صاحبؒ کے مخلص مرید بھی تھے - انہوں نے اپنی دینداری کا عملی ثبوت دیتے ہوئے اور" انفاق فی سبیل اللّٰہ " کا نہایت اعلیٰ مظاہرہ کرتے ہوئے ، مدرسہ اور مسجد کی تعمیر کے لئے اپنی زمین میں سے کچھ حصہ بطور" وقف " عطا کیا ، مزید برآں انہوں نے خود اپنی ذات پر اور علاقے کے دوسرے زمینداروں پر اس بات کا ذمہ رکھا کہ مدرسہ کے سالانہ مصارف کے لئے ، نقد و جنس کی صورت میں سالانہ امداد دیا کریں- اس مدرسہ کا نگراں اعلیٰ حضرت آغا صاحبؒ کو بنایا گیا - کافی عرصے تک یہ مدرسہ بحسن خوبی نہایت کامیابی کے ساتھ چلتا رہا ، لیکن آخر کار متعلقہ زمینداروں کی کم دلچسپی اور بے توجہی کے باعث بے رونق ہو کر رہ گیا -

4 - مدرسہ ٹنڈو سائیں داد

یہ مدرسہ ٹنڈو سائیں داد میں حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ کی ذاتی نگرانی میں شروع ہوا - اس مدرسہ میں حضرت آغا صاحبؒ کے صاحبزادگان اور بے شمار پردیسی طالب علم تعلیم حاصل کرتے تھے اس مدرسہ میں سندھ کے نہایت مشہور ، قابل اور منفرد عالمان دین نہایت ذوق و شوق و ذمہ داری کے ساتھ درس و تدریس کا اہم فریضہ انجام دیتے تھے ان عالمان دین نے " حاجی لطف محمد مٹیاری والے " ، مخدوم حاجی حسن اللہ پاٹ والے " ، مولوی خیر محمد مگسی " اور مولوی عبدالقیوم بختیار پوری " خاص طور پر قابل ذکر ہیں - مزکورہ بالا مدارس میں سندھ میں

1: تاریخ ہلیا خدمتیں - ص - 120

نہایت قابل طالب علم تعلیم حاصل کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ ان مدارس نے نہایت جید عالم اور ممتاز دینی رہنما پیدا کئے جن میں سے خصوصیت کے ساتھ حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کے چاروں فرزندان گرامی یعنی ، حضرت عبداللہ جان عرف حضرت شاہ آغاؒ ، حضرت حاجی عبدالستار جانؒ ، حضرت حافظ ہاشم جانؒ اور محمد حنیف جان کی بیش بہا دینی خدمات بھلائی نہیں جا سکتیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ انہی لوگوں کی کاوشوں اور محنتوں کی وجہ سے سندھ میں " سلسلہ مجددیہ نقش بندیہ " آج بھی اپنی پوری شان و شوکت اور فیوض و برکات کے ساتھ جاری و ساری ہے ، اور تشنگان علم و سالکان راہ سلوک کے لئے چشمۂ ہدایت بنا ہوا ہے ۔

" حضرت آغا صاحبؒ کا " تحریک خلافت " میں کردار " ع ۱

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی صاحبؒ ذہنی طور پر مسلمانوں کے لئے خلافت کے نظام کے حامی تھے اور اپنے اسی خیال و نظریہ کے تحت وہ ترکی کے اس وقت کے سلطان " عبدالحمید خان " کو " خلیفتہ المسلمین " تصور کرتے تھے ۔ اسی لئے جب بھی سلطنت ترکیہ پر جب بھی کوئی مصیبت یا پریشانی آتی تھی تو حضرت آغا صاحبؒ نہایت فکر مند اور افسردہ ہوجاتے تھے ۔ اسی سوچ کے تحت ، جب ترکی میں آذاد خیال نوجوانوں نے سلطان عبدالحمید کے خلاف بغاوت کی ، اس کی حکومت کا خاتمہ کیا اور اس کو تخت سے اتار دیا تو ان واقعات کا حضرت آغا صاحبؒ کو نہایت صدمہ ہوا ۔

مزید براں جب 1912ء میں حکومت اٹلی نے ترکی حکومت کے زیر نگیں علاقے " طرابلس " پر حملہ کیا ، اور جس کے نتیجے میں مشہور و معروف " جنگ بلقان " شروع ہوئی تو اس وقت بھی حضرت آغا صاحبؒ نے حکومت ترکیہ کی امداد کے لئے رضاکارانہ طور پر ہزاروں روپے چندہ کرکے

مولانا الخلیفی ۔ طبرالشعلات الکامی ۱۷۹۰

اورایک نہایت معقول رقم خود اپنے پاس سے دے کر ترکی کے مجاھدین کے لئے " ترک ھلال احمر " کے ذریعے بھیجا ، تاکہ مجاھدین ترکیہ کی اٹلی کی حکومت کے خلاف جنگ میں نہ صرف حسب توفیق بلکہ اپنی استطاعت سے بڑھ کر مدد کی جائے ۔ ع/1

اس کے علاوہ جب 1914ء میں جنگ عظیم اول شروع ھوئی ، جس کے نتیجے میں بعد ازاں سلطنت ترکیہ کے حصے بخرے ، ترکی کے مخالفین اور فاتحین ممالک یعنی برطانیہ ، فرانس اور اٹلی کے درمیان کٹنے گئے ، ترکوں کی شکست اور ان پر نصاریٰ کے تسلط کی وجہ سے حضرت آغا صاحب قبلہ کو نہایت صدمہ ھوا ۔ آپ نے اس موقع پر فرمایا کہ " کفر ایک ملت ھے ، جو کبھی بھی مسلمانوں کی دوست نہیں بن سکتی ۔ ترک اگر جرمنوں سے (جو خود بھی نصاریٰ ھیں) دوستی اتنی نہ بڑھاتے اور ان کے حلیف بن کر جنگ نہ کرتے تو اس قدر نقصان نہ ھوتا ۔ "

" تحریک خلافت " ع/2

1914ء جنگ عظیم اول کے خاتمہ پر ھندوستان میں مسلمانوں اور ھندوؤں نے تحریک خلافت شروع کی اور بدقسمتی سے موھن داس گاندھی کو اس تحریک کے ایک بڑے قائد کے طور پر تسلیم کیا جانے لگا ۔ حضرت آغا صاحبؒ قبلہ اس صورت حال پر نہایت متردد اور رنجیدہ تھے کہ مسلمانوں نے بغیر کچھ سوچے سمجھے ایک کافر اور ملحد کو اپنا قائد یا سرگردہ بنا لیا ھے جو کہ احکامات قرآنی اور تعلیمات اسلامی کی سراسر مخالفت اور ان سے روگردانی ھے۔ حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے تحریک خلافت کے قائدین ، خصوصاً گاندھی اور اس کے غیر اسلامی نظریات رکھنے والے پیروکاروں سے تین بڑے مسئلوں یا نظریوں پر اختلاف کیا جن میں سے پہلا مسئلہ غیر مسلم ، کافر اور ملحد یعنی

۱۔ مونس المخلصین عبدالمجید آغا ص ۱۹۷
۲۔ ایضاً ص ۱۹۸

گاندھی کی قیادت سے اختلاف تھا ، باقی دو مسائل یا نظریات مندرجہ ذیل تھے

1 ۔ ترک وطن 2 ۔ ولائتی کپڑوں کا حرام قرار دیا جانا

پہلے مسئلے پر ہم حضرت آغا صاحبؒ کا اختلاف اور ان کی دلیل بیان کرچکے اب دیکھنا یہ ہے کہ بقایہ دو مسئلوں پر حضرت آغا صاحبؒ کا موقف کیا تھا ۔

ترک وطن یا ہندوستان چھوڑ تحریک

تحریک خلافت میں شامل علماء اور مولوی حضرات نے یہ فتویٰ دے دیا کہ " کیونکہ ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہے ، اس لئے ہندوستان " دَارُالکُفر " ہے ۔ جہاں پر رہنا ، بسنا ، مسلمانوں کے لئے حرام ہے اور اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ نزدیکی اسلامی ملک یعنی افغانستان کو ھجرت کر جائیں جو کہ " دَارُالاسّلَام " ہے ۔ نمبر1 سیدھے سادے مسلمان عوام ان علماء اور قائدین کے کہنے پر اپنے مویشی ، املاک و جائیداد فروخت کرکے ، کاروبار اور ملازمتیں چھوڑ کر بمعہ اہل خاندان کے راستوں کی ہزار مشکلات اور صعوبتیں جھیلتے ہوئے بہ ہزار دقت افغانستان پہنچے ۔ لیکن وہاں کا شدید سرد موسم ، پہاڑی علاقہ اور انتہائی سخت زندگی ان سے برداشت نہ ہو سکی ۔ اور آخر کار چارو ناچار نہایت خرابی کے عالم میں واپس ہندوستان میں آکر اپنے اپنے شہر اور مقامات کو پہنچے ۔ اور نہایت مشکلات اور مصیبتوں کے بعد نئے سرے سے کاروبار زندگی شروع کیا ۔

---

1 ۔ جائے غور ہے کہ ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ تو 1914ء سے پہلے بھی تھا پھر ان علماء نے یہ فتویٰ کیوں نہیں دیا ۔ لازماً ذہن میں شک ابھرتا ہے کہ یہ سب بھی غیر مسلم قائدوں کا کھیل تھا اور مقصد مسلمانوں کو دربدر پھرانا اور پریشان کرنا اور ان کو معاشی نقصان پہنچانا تھا ۔ (تبصرہ نگار)

لیکن اس زبوں حالی اور خواری کا کچھ نتیجہ نہ نکلا جو کہ انھوں نے بے فائدہ ھجوت اختیار کرکے اٹھائی -

افغانستان کی طرف ھجوت کرنے والوں میں سندھ سے پہلا قافلہ جان محمد جونیجو کی قیادت میں 20 جولائی 1920ء کولاڑکانے سے ایک اسپیشل ریل گاڑی کے زویعے براستہ پشاور کابل روانہ ھوا۔ [1]

اس مزکورہ بالا فتویٰ نے افراتفری اور ابتری کا ایک طوفان عظیم کھڑا کر دیا - جس نے سارے ملک کے سیدھے سادھے مسلمانوں میں بے چینی پھیلا دی اور وہ اس سوچ میں پڑ گئے کہ کیا کریں۔؟

اس آڑے وقت میں حضرت آغا صاحبؒ نے اس فتویٰ سے اختلاف کیا اور لوگوں کو سمجھایا کہ یہ ھجرت اور یہ فتویٰ درست نہیں ھے - افغانستان ایک نہایت جفا کش اور دشوار ملک ھے آپ سب لوگوں کو نہایت خواری اور تکالیف اٹھانے کے بعد بھی واپس آنا ھوگا - اور خواہ مخواہ آپ کے دلوں میں افغانستان کی اسلامی حکومت کی طرف سے بدگمانی پیدا ھوگی -

کافی لوگوں نے حضرت آغا صاحبؒ کی بات کو سمجھا ، اس کو تسلیم کیا اور اس پر عمل بھی کیا - ایسے لوگ ناروا اور بے جا سفر اور پریشانیوں سے محفوظ رھے - آغا صاحبؒ قبلہ کی یہ علمی خدمت دین ، خلافتی علماء کو پسند نہ آئی اور ان کا آغا صاحبؒ سے اختلاف ھو گیا۔ دوسری طرف وہ لوگ جو کہ ناکام ھجوت کے بعد واپس آئے تھے - خلافتی علماء سے بہت ناراض اور شاکی تھے - آخر کار وقت کے ساتھ ساتھ ھجرت کرنے کی خواھش خود بخود ختم ھوکر رہ گئی -

---

1 - " فائق ھلیا فردوس سہ" صفحہ نمبر 23 ،- از حکیم عبدالعزیز سرھندی کنری سندھ

" دوسرا اختلاف " ولائتی کپڑوں کا حرام قرار دیا جانا "

حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کا تیسرا اختلاف ، تحریک خلافت کے علماء سے یہ تھا کہ ان علماء نے انگریزوں کی مخالفت کے جوش میں یہ بھی فتویٰ جاری کردیا کہ " ولائتی کپڑا حرام ہے - اس کو پہن کر نماز پڑھنا ناجائز ہے- اس کپڑے سے میت کو کفن دیا جانا ، ناجائز ہے اور مزید یہ جس میت کو ولائتی کپڑے کا کفن دیا جائے اس کی نماز جنازہ تک پڑھنا ناجائز ہے -"

حضرت آغا صاحبؒ نے اس فتویٰ سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی رائے دیتے ہوئے اس مسئلے کے بارے میں فرمایا کہ " ولائتی کپڑا بذات خود حرام نہیں ہے - کیوں کہ ہم شرع شریف کی کسی بھی دلیل سے اس کپڑے کو حرام نہیں کہہ سکتے - مزید یہ کہ ولائتی کپڑے استعمال نہ کرنے سے ہم سیاسی طور پر انگریزوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے - "

حضرت آغا صاحبؒ کی اس اختلاف رائے اور حقیقت پسندانہ سوچ نے تحریک خلافت کے علماء کو حضرت آغا صاحبؒ کے سخت خلاف کردیا اور انہوں نے اپنے اخبارات و رسائل اور ابلاغ کے دیگر ذرائع کے زریعے سے حضرت آغا صاحبؒ کے خلاف محاذ کھول دیا - یہ اختلاف بڑھتا رہا یہاں تک کہ نوبت بہ ایں جا رسید کے آخر کار دونوں مخالف گروہوں یعنی علماء تحریک خلافت اور حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کے درمیان شرعی مناظرہ ہونا قرار پایا - اس مناظرہ کی تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے -

" تحریک خلافت کے علماء اور حضرت آغا صاحبؒ کے درمیان شرعی مناظرہ "

یہ مجلس مناظرہ حیدرآباد سندھ میں برپا ہوئی اور اس مناظرہ میں حضرت مولانا معین الدین اجمیری صاحب[نمبر 1] کو ثالث بنایا گیا - جوکہ راجپوتانہ خلافت

1 - فائق ہلیا فردوس میں - صفحہ نمبر 24

کمیٹی کے صدر اور ایک جیدّ عالم تھے - یہ مناظرہ اس طرح ترتیب دیا گیا تھا کہ ولائتی کپڑوں کو حرام قرار دینے والے علماء جن میں مولوی محمد صادق ، مولوی قاضی اسد اللہ شاہ تھکھو والے اور حکیم قاضی شمس الدین احمد حیدرآبادی ایک طرف تھے اور ولائتی کپڑوں کو حلال کہنے والے علماء یعنی مولوی عبدالقیوم بختیار پوری ، مولوی حاجی لعل محمد مٹیاری والے اور مولوی محمد عثمان تھے

یہ مناظرہ مسلسل تین دن چلتا رہا اور دونوں طرف کے علماء کی تقاریر اور دلائل بغور سماعت فرمانے کے بعد مولانا معین الدین اجمیری صاحب نے ولائتی کپڑوں کے حلال ہونے کے حق میں فیصلہ دیا - یہ فیصلہ بعد ازاں ایک رسالے کی صورت میں چھاپ کر تقسیم کیا گیا ، جس کا نام بھی مسئلے کی مناسبت سے ،

" اَلْقَوْلُ الْفَیصَلُ فِیْ جَوَازِ الثِّیَابِ مِنْ الْحَرْبِیِّ الْمُقَاتِلِ "

رکھا گیا -

" فائق ھلیا فردوس میں " کے مصنف " حکیم عبدالعزیز سرھندی " اپنی مزکورہ بالا کتاب کے صفحہ پچیس پر اس مناظرہ پر تبصرہ کرتے ھوئے رقم طراز ھیں کہ " حضرت خواجہ آغا محمد حسن جانؒ سرھندی کی مخالفت جو کہ خلافتی علماء نے ولائتی کپڑوں کے حرام ھونے کی حمایت میں کی ، اس مناظرہ کے ساتھ یہ بات واضح کر گئی کہ خلافتی مولوی فقط گاندھی کی پیروی میں حلال چیز کو حرام بنا رہے تھے اور احکامات شرعیہ کو گھما پھرا کر ایک کافر (گاندھی) کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے تھے - (غالباً یہ بھی ایک سیاسی مخالفت تھی نہ کہ مذھبی ، جس کے لئے ان علماء نے مذھب کو آڑ بنایا تھا)-

مزید برآں حضرت آغا صاحبؒ کی مسلمانوں کے ساتھ ھمدردی اور غمخواری کے ذیل میں ، خصوصاً تحریک خلافت کے دوران کوئی شک و شبہ ھونے کی کوئی گنجائش نہ تھی - آغا صاحب کا مطلب صرف اتنا تھا کہ ھند کے

مسلمان احکامات شرعیہ کو پس پشت ڈال کر ایک غیر مسلم قائد گاندھی یا کسی اور کے پیچھے اندھا دھند نہ چلیں اور اپنے نفع اور نقصان کو اچھی طرح پہچان لیں ۔ ہماری اس بات کی تائید حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کے اس خط سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے " میہڑ " شہر میں مسلم لیگ کے نام سے انتخابات میں حصہ لینے والے امیدوار " سید علی اکبر شاہ کی حمایت میں میہڑ شہر میں رہنے والے اپنے مریدوں یعنی وڈیرہ محمد قاسم ، وڈیرہ عبداللّٰہ اور قاضی جان محمد مہیسر کو لکھا تھا ۔ اس خط کا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے نمبر[1]

" دعائے خیر کے بعد آپ مخلصوں کو بطور نصیحت لکھا جاتا ہے کہ " الیکشن " کے معاملے میں آپ اسلام کے مددگار ہوں اور ہندوؤں کی رفاقت اور مدد کرنے سے دور رہیں ۔ یہ مقابلہ خاص ہندوؤں کا مسلمانوں سے مقابلہ ہے ۔ " سید علی اکبر شاہ " کو مسلم لیگ کا ٹکٹ دیا گیا ہے ، اس لئے آپ پر لازم ہے کہ ان کی مخالفت سے دستبردار ہوجائیں اور جس قدر ممکن ہو سکے ان کی امداد کریں "۔

والسلام

فقیر محمد حسن عفی عنہ

" حضرت آغا محمد حسن جانؒ کی " حنفی مسلک " کیلئے خدمات "

حضرت آغا صاحبؒ نے ایک جیّد دینی عالم ، ایک پارسا شخص اور فرقہ اہل سنت والجماعت کے ایک معزز ، مقتدر اور ممتاز رہنما ہونے کی صورت میں مسلک اہل سنت والجماعت ، بالخصوص مسلک امام اعظم حضرت نعمان بن ثابت ، ابو حنیفہؒ یعنی حنفی مسلک کے ابلاغ اور اشاعت کے لئے گراں مایہ اور

---

1 ۔ فائق ہلیا فردوس میں ۔ صفحہ نمبر30-29 ۔ از حکیم عبدالعزیز سرہندی

نہایت اہم خدمات انجام دیں - حضرت آغا صاحبؒ کی ان خدمات کی تفصیل سے واقف ہونے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ سندھ میں حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کے فرقہ کے مخالف فرقہ یعنی " فرقہ وہابیہ " کی ابتدا کا جائزہ لیا جائے -

تحریک خلافت کے دوران جب ہندوستان کے دیگر علاقہ جات سے علماء دیوبند کی آمد و رفت سندھ میں بھی شروع ہوئی تو یہاں پر بھی مسلک وہابیہ کی اشاعت اور تبلیغ شروع ہو گئی اور اس مسلک کے ماننے والوں نے خود کو " غیر مقلد کہلوانا شروع کردیا - مجلسوں اور مزاکروں میں اختلافی مسائل پر بحث و مباحثہ کا آغاز ہو گیا - اسی دوران سندھ کے ایک نہایت محترم اور قابل عالم دین " مولوی دین محمد وفائی " نے مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی کتاب " تقویتہ الایمان " کا سندھی زبان میں ترجمہ کرنے کے بعد اس کو " توحید الاسلام " کے نام سے چھاپ کر تقسیم کیا - وقت گزرتا گیا اور سندھ میں فرقہ اہل سنت والجماعت اور فرقہ وہابیہ میں اختلافات اور فروعی مسائل پر ایک دوسرے پر اعتراضات بڑھتے چلے گئے -

مزکورہ بالا حالات کی روشنی میں وقت کا ایک اہم تقاضہ سمجھتے ہوئے حضرت قبلہ آغا صاحبؒ نے فرقہ اہل سنت والجماعت کے لئے با معنیٰ اور ٹھوس خدمات کی انجام دہی اپنا فرض سمجھا اور اس خدمت کو پر اثر اور بھر پور طریقے پر انجام دینے کے لئے انہوں نے سندھ کے شہر شکار پور میں " جمیعتہ الاحناف " صوبہ سندھ " کی بنیاد رکھی اور اس جمیعت کی کتابوں اور خیالات و نظریات کی اشاعت اور تبلیغ کے لئے اپنے ذاتی مصارف سے ایک چھاپہ خانہ خرید کر مخصوص کر دیا - اس چھاپے خانہ میں نہ صرف مزکورہ بالا " جمیعتہ الاحناف صوبہ سندھ " کا تبلیغی مواد چھپنا شروع ہوا بلکہ ایک ہفتہ وار اخبار " الحنیف " بھی چھپنا شروع ہوا - یہ اخبار بھی حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کی مساعی جمیلہ کی وجہ سے اور آپ ہی کے زیر نگرانی نکلنا

شروع ھوا ۔ اس اخبار " الحنیف " میں متواتر اور مسلسل مضامین فرقہ اھلِ سنت والجماعت کی تائید و نصرت میں اور فرقہ وھابیہ کے خلاف چھپے اور ملک کے کونے کونے میں تقسیم ھوئے ۔ بہ ذات خود حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے انھی دنوں اپنی مشہور و معروف تصنیف " الاصول الاربعہ " تردید مسلک وھابیہ لکھی جو کہ فرقہ اھل سنت والجماعت کے لئے ایک نہایت بڑی تقویت اور فرقہ وھابیہ کے اعتقادات و مسائل کے خلاف ایک مضبوط ڈھال ثابت ھوئی ۔

" حجاز مقدس پر نجدیوں کا قبضہ اور آغا صاحبؒ " ع ۔ ۱

1924ء میں اھل نجد نے حجاز مقدس کی سرزمین پر قبضہ کرلیا اور وھاں اپنے عقائد نجدیہ کے تحت اصحاب رسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور ازواج مطھراتؓ کی قبروں اور قبّوں کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا ۔ دنیا بھر کے مسلمانوں میں بالعموم اور ھندوستان کے مسلمانوں، بالخصوص فرقہ اھل سنت و الجماعت کے مقلدین میں نہایت اضطراب اور بے چینی پیدا ھوئی اور جب کچھ عرصے کے بعد یہ افواہ بھی گردش میں آئی کہ خدا نخواستہ نجدی حکومت ، روضہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا ارادہ رکھتی ھے تو ھندوستان کے فرقہ اھل سنّت والجماعت کے لوگوں میں صف ماتم بچھ گئی ۔ حضرت آغا صاحبؒ نے اس وقت ایک سچے مسلمان کے اضطراب اور بے چینی کا مظاھرہ کیا اور آپ نے فوری طور پر صوبہ سندھ کے معززین کی ایک مجلس شکار پور سندھ میں طلب کی ۔ جس میں علماء اور مشائخ اھل سنت والجماعت کی ایک بہت بڑی تعداد نے شرکت کی اور نہایت طویل غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ ھوا کہ فوری طور پر ھندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے ایک ٹیلی گرام شاہ ابن سعود ، شاہ حکومت نجد کو بھیجا جائے جس میں اس کو ھندوستان کے مسلمانوں کی اس پریشانی اور بے چینی سے آگاہ کیا جائے

جو کہ مزکورہ بالا افواہوں کے سننے اور پھیلنے سے ہو رہی تھی - اس فیصلے کے مطابق ، خان بہادر علی بخش محمد حسین " ممبر کونسل آف اسٹیٹ" وائسرائے ہند کے ذریعہ ٹیلی گرام شاہ سعود کو بھیجا گیا - اس ٹیلی گرام کا فوری جواب دو دن کے بعد نجدی حکومت کی طرف سے یہ ملا کہ

" آپ لوگ خاطر جمع رکھیں ، ہم نے روضہ اقدس کی بے حرمتی ہرگز نہیں کی ہے اور نہ ہی اس کو ڈھانے کا کوئی ارادہ رکھتے ہیں۔"

اس جواب نے آغا صاحبؒ قبلہ اور ان کے رفقاء اور فرقہ اہل سنت والجماعت کے متبصین میں سکون پیدا کر دیا - اس سارے واقعے سے یہ بات نہایت وضاحت اور خوبی سے ظاہر ہو جاتی ہے کہ حضرت آغا صاحبؒ ایک مسلمان کے بہ طور اسلام اور مسلمانوں اور خصوصاً فرقہ اہل سنت والجماعت کی بھلائی کے لئے کس قدر فکر مند اور کوشاں رہتے تھے -

" حضرت آغا محمد حسن جانؒ صاحب اور ان کا مشغلۂ تصنیف و تالیف " ع ۱

واضح رہے کہ جہاں حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ ایک نہایت بلند پایہ دینی رہنما ، راہ سلوک و طریقت کے ایک ممتاز راہبر اور دین اسلام کے لئے شدید حمیت و غیرت رکھنے والے شخص کے اعزازات رکھتے ہیں ، وہیں ان کی ذات گرامی قدر تصوف میں ایک عالی قدر مصنف کی بھی حیثیت رکھتی ہے - ایک ایسا شفیق مصنف جو کہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے شدید محبت رکھتا ہے اور اپنی حتیٰ الامکان کوششیں مسلمانوں کو دین متین کے صحیح رخ اور درست مسائل سے واقف رکھنے میں صرف کرتا ہے -

آغا صاحبؒ نے بھی مزکورہ بالا درد مندی اور اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی بیش بہا کارنامے سرانجام دئے اور انتہائی مفید اور گراں قدر دینی کتب تصنیف و تالیف کیں - آغا صاحبؒ

تذکرۂ مشاہیر سندھ - ص - ۶۹ - ۵۱

کی ان یاد گار اور معروف و مشہور تصانیف کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے خیال رہے کہ یہاں پر ہم آغا صاحبؒ کی کتابوں کا مختصر تذکرہ کریں گے ، کیوں کہ اسی مقالہ کے پانچویں باب میں ہم حضرت آغا صاحبؒ کی یاد گار تصانیف پر تبصرہ اور ان کا تذکرہ تفصیلی طور پر کر چکے ہیں - حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کی یاد گار تصانیف اور تالیفات مندرجہ ذیل ہیں -

1 - انیس المریدین

اصل نسخہ فارسی زبان میں ہے - یہ کتاب حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی صاحبؒ نے اپنے والد گرامی قدر حضرت خواجہ عبدالرحمان جانؓ کے مناقب اور فضائل میں لکھی ہے - مزید یہ کہ اس کتاب میں حضرت آغا صاحبؒ نے طریقہ نقش بندیہ کے اصول راہ سلوک کے لئے بیان فرمائے ہیں - حضرت آغا صاحبؒ نے یہ کتاب 1316ھ میں لکھنی شروع کی اور 1328ھ میں مکمل کرنے کے بعد مطبع مجددی امر تسر سے چھپوا کراسے تقسیم کیا - یہ کتاب دو سو صفحات پر مشتمل ہے -

2 - الانساب الانجاب

اس کتاب مستطاب میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی ، سرہندیؒ سے شروع کرکے ان کی تمام اولاد امجاد کا شجرہ مبارک ، ان کی جائے ولادت ، جائے سکونت ، اور وصال کی تاریخ بیان کی گئی ہے - یہ کتاب خاندان سرہندیہ کے لئے ایک تاریخی دستاویز کی اہمیت رکھتی ہے - یہ کتاب ایک سو تیرہ صفحات پر مشتمل ہے - اور مطبع مشہور عام پریس لاہور سے 1340ھ میں طبع کروائی گئی - اس کتاب کی اصل زبان بھی فارسی ہے -

3 - الاصول الاربعہ

اصل زبان فارسی ، مطبع الفقیہ پریس امر تسر سال

اشاعت 1346ھ - موضوع - مسلک اہل سنت و الجماعت اور اس کے عقائد اور ان کی درستگی کے بارے میں مدلل بحث اور ان دلائل کے ماخذ قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور سلف صالحین کے اقوال ہیں - اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کتاب میں فرقہ وہابیہ کے اعتراضات کا رد کیا گیا ہے اور فرقہ وہابیہ کے عقائد پر اعتراضات نہایت علمی انداز میں کئے گئے ہیں -

4 - طریق النجات

اصل زبان عربی - بمعہ اردو ترجمہ کے دستیاب - مترجم حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جانؒ صفحات (265) دوسو پینسٹھ - مطبع الفقیہ پریس امرتسر - 1350ھ - اس کتاب کا موضوع مسلمانوں کے بگڑے ہوئے عقائد کو سنوارنا، انہیں درست عقائد اہل سنت و الجماعت پر قائم اور اکھٹا کرنا ہے - بالخصوص "نیچری" گروہ جو کہ اپنی ناقص عقل کے تابع ہو کر احکامات اسلام اور دینی شعائر سے منحرف ہے ان کو درست راہ دکھانا ہے - مزید یہ کہ عقائد اہل سنت والجماعت مثلاً - معراج جسمانی، عذاب قبر، وجود ملائکہ، روز قیامت، جزا و سزا میزان، بہشت و دوزخ وغیرہ کو "نیچری" گروہ پر علمی اور عقلی دلائل سے ثابت کرنا ہے -

5 - العقائد الصحیحہ

اصل زبان عربی بمعہ اردو ترجمہ - صفحات چوراسی مطبع الفقیہ پریس امرتسر - سال اشاعت 1360ھ - اس کتاب کا موضوع عقائد اہل سنت والجماعت مثلاً 1 - علم غیب (2) مسئلہ ایصال ثواب (3) مسئلہ بشریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (4) مسئلہ تعظیم غیر اللہ (5) مسئلہ سماع موتیٰ (6) مسئلہ توسل عنداللہ (7) مسئلہ ندا غیب (8) مسئلہ زیارات قبور (9) مسئلہ شفاعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

10 - مسئلہ استمداد اولیاء (11) مسئلہ اعراس المشائخ اور (12) مسئلہ لفظ " السید " وغیرہ ہے -

دراصل یہ کتاب ان اختلافات اور اعتراضات کے بارے میں لکھی گئی ہے جو کہ فرقہ اہل سنت والجماعت اور فرقہ وہابیہ کے درمیان نزاعی ہیں - حضرت آغا صاحبؒ نے فرقہ اہل سنت والجماعت کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے ان اعتراضات کو رد کیا ہے جو کہ فرقہ وہابیہ نے فرقہ اہل سنت والجماعت پر کئے ہیں - مزید یہ کہ حضرت صاحبؒ نے عقائد فرقہ وہابیہ پر اعتراضات کئے ہیں

6 - رسالہ تہلیلیہ

اصل زبان فارسی - صفحات تیس - مطبع رفاہ عام پریس لاہور - سال اشاعت 1354ھ - کتاب کا موضوع کلمہ طیبہ یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح ہے - اس کے ساتھ ہی ساتھ عقائد توحید اور عقائد رسالت پر پر مغز اور مفید بحث کی گئی ہے - اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ شریف ، آپ کی ولادت کا بیان - آپ کی ازواج مطہرات ، اولاد امجاد ، خلفاء راشدین اور دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا بیان کیا گیا ہے -

7 - تذکرہ الصلحاء

اصل زبان فارسی - صفحات ساٹھ - مطبع نظامی کانپور سال اشاعت 1348ھ - اس وقت کتاب کا اردو ترجمہ بھی شائع کیا گیا تھا اس کتاب کا موضوع عرب و خراساں و ہندو سندھ کے وہ اخیار اور صلحاء ہیں جن سے حضرت آغا صاحبؒ اپنی زندگی میں ملے - مزید یہ کہ آخیر کتاب میں کچھ ایسے واقعات شامل ہیں جو کہ حضرت آغا صاحبؒ نے صرف تنہا اور بذات خود دیکھے اور بیان کئے -

8 - شرح حکمٔ عطا اللہ اسکندری

اصل زبان عربی - مصنف حضرت شیخ عطااللہ اسکندریؒ - شرح بہ زبان فارسی از حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ - صفحات دو سو - مطبع الفقیہ پریس امرتسر - سال اشاعت 1357ھ - موضوع کتاب " علم توحید " اور " معاملات عبد اور معبود " ہے - حضرت آغا صاحبؒ نے یہ شرح 1342ھ میں لکھنی شروع کی جوکہ 1344ھ میں مکمل ہوئی -

9 - سفرنامہ عراق حجاز و شام

حضرت آغا صاحبؒ نے 1332ھ میں سفر بیت اللہ اور سفر بیت المقدس کیا - اس کے علاوہ آپ شام و عراق کی دیگر زیارات پر بھی تشریف لے گئے - اس کتاب میں اسی سفر کے حالات قلم بند کئے گئے ہیں - ؏ 1

" حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کی غیر مطبوعہ تصنیفات و تالیفات "

1 - شفا الامراض - اصل زبان عربی - اوراد و وظائف کا مجموعہ کا اور بیماریوں کی روحانی علاج کے بارے میں ہے -

2 - الاشارۃ الی البشارۃ - زبان فارسی - یہ کتاب رفع سبابہ کے مسئلہ پر علماء حنفیہ کی تحقیق کے بارے میں ہے -

3 - سرور المحزون - یہ کتاب لطائف و ظرائف کے بارے میں ہے - اس کی اصل زبان عربی ہے -

4 - رسالہ در علم قرآن - زبان فارسی - فن قرآت و تجوید قرآن کے بارے میں ہے -

5 - لغات القرآن - زبان عربی - قرآن حکیم کے مشکل الفاظ کی لغت و تفسیر -

6 - رسالہ عالم برزخ - زبان فارسی - عالم برزخ اور ارواح کے بارے میں ہے -

۱- فائق حلیا فردوسی. حکیم عبدالرؤف سروھنڈی. ص 37 تا 38

7 - پنج گنج - زبان فارسی - یہ پانچ رسائل پر مشتمل رسالہ ہے جس میں مندرجہ ذیل رسالے شامل ہیں - (1) سفر نامہ حرمین (2) ادعیہ واحکامات حج (3) الاحادیث المسلسلہ بالا ولیتہ مع الاجازتہ من الشیخ ابونصر شامی - (4) شرح چہل کاف (5) نصیحت نامہ -

8 - عجائب المقدرات - زبان فارسی - ان عجیب واقعات کے بارے میں جو کہ حضرت آغا صاحبؒ نے اپنی زندگی میں ملاحظہ کئے -

9 - ترجمۂ عہود و مواثیق - زبان فارسی - اصل مصنف حضرت امام شعرانیؒ - سلیس ترجمہ از حضرت آغا صاحبؒ قبلہ - موضوع ، تصوف اور اخلاق -

10- انتخاب دیوان صائب - زبان فارسی- مرزا صائب اصفہانی کے دیوان کا انتخاب -

11- انتخاب رباعیات عمرخیام- زبان فارسی - حکیم و شاعر عمرخیام کی رباعیات کا انتخاب -

" حضرت آغا محمد حسن جانؒ کا ذوق شعر گوئی " ع/

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کی زندگی کے روز مرہ اوقات کا بیشتر وقت یاد الٰہی ، ذکر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی ، بہبود اور ترقی کے متعلق سوچ و بچار اور فکر و عمل میں گزرتا تھا - ان باتوں کے باوجود کیوں کہ حضرت آغا صاحبؒ کو شعرو شاعری اور سخن گوئی و سخن فہمی کا نہایت اعلیٰ ذوق ورثے میں ملا تھا اس لئے فطری طور پر وہ سخن گوئی اور ادب عالیہ کے لئے بھی کچھ نہ کچھ وقت ضرور نکال لیا کرتے تھے - حضرت آغا صاحبؒ ایک نہایت عمدہ ادبی ذوق کے مالک تھے - آپ ادبی لطائف و ظرائف سننے اور کہنے کا بھی ذوق رکھتے تھے- مزید برآں حضرت آغا صاحبؒ قدیم فارسی اور عربی شعراء اور اساتذہ کے دواوین

اپنے زیر مطالعہ رکھتے تھے اور دواوین میں سے اپنے ذوق کے مطابق نہایت اعلیٰ اشعار کا انتخاب بھی کرتے تھے ، جو کہ بعد ازاں آپ اپنی ذاتی بیاض میں قلمبند کرتے تھے - قدیم شعرا میں سے آپ " عمر خیام کی رباعیات " کے علاوہ " حضرت شیخ سعدیؒ " ، لسان الغیب " حافظ شیرازیؒ " ، " مولانا عبدالرحمان جامیؒ " اور "مرزا صائب اصفہانی " جیسے شعرا کا کلام زیر مطالعہ رکھتے تھے - مزید یہ کہ " مثنوی مولانا روم " بھی اکثرو بیشتر آپ کے مطالعہ میں رہتی تھی -

حضرت آغا صاحبؒ اس بات کے قائل تھے کہ شعر پڑھتے وقت اس بات کی لازمی کوشش کی جائے کہ جس زبان کا وہ شعر ہے ، اس کو اسی زبان کے انتہائی درست لہجے میں پڑھا جائے - یہی وجہ ہے کہ حضرت آغا صاحب جب بھی شعر خوانی کرتے تھے تو " تحت اللفظ " میں کرتے تھے اور زبان ، لہجے اور الفاظ و تلفظ کی پوری پوری رعایت رکھتے تھے - حضرت آغا صاحب دیگر لوگوں سے بھی اسی بات کے خواہشمند ہوتے تھے -

شاعری میں بھی حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کا نہایت ممتاز و بلند مرتبہ اور انتہائی عمیق مطالعہ تھا - وہ نہ صرف عربی فنون کے استاد تھے بلکہ فارسی کے بھی اہل زبان ہونے کی وجہ سے بہت عمدہ پیمانے پر شعر کہتے تھے اور شعر کو شاعر کے جذبات اور شعر کی پوری روح کے ساتھ سمجھتے تھے -

ایک ایسے پارسا اور باعمل مسلمان کی حیثیت سے جو ہر اچھی چیز کو تبلیغ و ترویج اسلامی اور خیرخواہیٔ مسلمانان کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے ، حضرت آغا صاحبؒ بھی شعر گوئی کو اپنی نجات کے وسیلوں میں سے ایک اور خدمت اسلام کا ذریعہ سمجھتے تھے ان کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شہر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد دن رات بے چین و مضطرب رکھتی

تھی - جیسا کہ وہ اپنی شاعری میں مدح مدینہ شریف میں فرماتے ھیں -

زاوصاف مدینہ ھرچہ گویم قطرۂ از دریاست ع ۱

عفاف آنجا ، کفاف آنجا ، صلوٰۃ آنجا ، زکواۃ آنجا

خداوندا عطا کن بندۂ خود را بہ فضل خود

قیام آنجا ، مقام آنجا ، حیات آنجا ، ممات آنجا

اگرخواھی کہ بینی جنت الماویٰ دریں عالم

نشیں در روضۂ اطہر ، بخواہ از حق نجات آنجا

حضرت آغا محمد حسن جان سرھندیؒ شاعری کی تمام اصناف مثلاً نظم ، غزل ، حمد ، نعت ، منقبت ، قصیدہ ، مرثیہ ، نوحہ ، مخمّس ، مسدّس رباعی ، اور قطعہ وغیرہ پر کامل دسترس رکھتے تھے - 1935ء مئی میں جب کوئٹہ کے زلزلے کے حادثہ میں ان کے ایک صاحبزادے " محمد شریف جان " نے بھی داعیٔ اجل کو لبیک کہا تو حضرت صاحبؒ بھی اس جگر پاش حادثہ سے نہایت رنجیدہ اور دلگیر ھوئے - آپ نے اپنے مرحوم فرزند کی یاد میں ایک نہایت پرسوز مرثیہ کہا ، جو کہ فی الحقیقت ایک رنجور باپ کی واردات قلبی اور جواں مرگ بیٹے کی جداعی کی عکاسی کرتا ھے - ھم یہ مرثیہ ذیل میں پیش کرتے ھیں -

بے تو اے راحت دل نعمت دنیا چہ کم ع ۲

جان شیریں چہ کنم دیدۂ بینا چہ کنم

زندگی بہر تو خوش داشتم اے راحت جاں

چوں تو رفتی من غم دیدۂ تنہا چہ کنم

گرز مخلوق بری چارۂ خود می کردم

با قضا و قدر خالق یکتا چہ کنم

(مسلسل)

۱- تذکرۂ شعرائے ... - العطی - ص ۱۶

۲- ایضاً ص - ۵۲

فرقت روی تو اے جان پدر زخم دل است

زخم ناسور بگو دید مدا وا چہ کنم

گر بپرسیدن من رفتنت اے جاں بودی

جاں وسالم بہ عوض داد می اما چہ کنم

صبر و توفیق و رضا بخشش بہ من اے مولٰی

یا بہ ایماں ببرم غیرایں غیرتمناً چہ کنم

مزکورہ بالا زلزلہ کوئٹہ میں خود حضرت آغا صاحبؒ بھی کافی زخمی ہوئے ۔ آپ کے گھٹنے پر چوٹ لگی اور آپ کافی عرصے تک صاحب فراش رہے صحت یابی کے بعد آپ نے خداوند کریم کے شکرانے اور حمد میں جو عربی اشعار کہے وہ بھی ذیل میں پیش کئے جاتے ھیں -

سَتُ اَدرِی مَا اُصَدِرُ فِی کَمَالِ العَافِیَۃ

نِعمَتِہٖ مَضبُوطَۃ عِندَ الرِّجَالِ العَارِفِیۃ

لَیسَ یَشرِی کُلِّ شَخصٍ مَّا یَقًا سَیِّدُہَا المُرِیض

کَا وَلَا نَعرِفُ لِہَا قَدرَ بِحَالِ العَافِیَۃ

قَالَ صَلَّی اللّٰہُ رَبِّی اِعطَنَا فِی کُلِّ حِین

فِی حَیَاتٍ فِی مَمَاتٍ مِن زَلَالِ العَافِیَۃ

حضرت آغا صاحبؒ فن تاریخ گوئی میں بھی نہایت اعلٰی سطح کی دسترس رکھتے تھے - وہ نہایت صلابت اور مہارت کے ساتھ خوشی وغم اور خصوصاً تعمیرات مساجد و مدارس کے مواقوں پر فی البدیہہ قطعہ اور اشعار کہتے تھے ان کی یہ خوبی اور کمال مندرجہ ذیل مثالوں سے نہایت واضح طور پر ثابت ھوتا ھے -

1 - شہر امرتسر مشرقی پنجاب ، حالیہ بھارت کی جامع مسجد کی دیوار پر

اس کی تاریخ تعمیر کا ، حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کا کہا ہوا قطعہ کندہ ہے - جو کہ مندرجہ ذیل ہے -

زہی مسجد کہ خیرالدین بنا کرد ع ۱

بشارت ساجدان نیک پے را

چو جستم سال تعمیرش خرد گفت

جَزَاکَ اللّٰہُ فِی الدَّارَیْنِ خَیْرًا

1290 ھ

2 - اسی طرح یہ قطعہ جو کہ طاقہ " پبن " ، تعلقہ " کھپرو " سندھ کی مسجد کی تعیر مکمل ہونے پر کہا گیا اور مزکورہ مسجد کے صدر دروازے کے اوپر کانسی کی ایک پلیٹ پر کندہ کیا گیا -

روز محشر کہ جاں گداز بود ع ۲

اولیں پرسش از نماز بود

سال تاریخ ایں خجستہ بنا

گشت ظاہر ز مسجد الفربا

1332 ھ

3 - ایک اور قطعہ حضرت آغا صاحبؒ نے ایک تاریخی واقعہ یعنی اس بات سے متاثر ہوکر کہا تھا کہ جب شاہجہاں بادشاہ نے 1037 ھ میں اپنے بھائی شہزادہ شہر یار کی آنکھیں بہ عنوان تقاضۂ سیاست بادشاہی نکلوا دی تھیں

ز نرگس گلاب از چہ نتواں کشید ع ۳

کشدند از نرگس من گلاب

چو پرسد کسے از تو تاریخ من

بگو کور شد دیدۂ آفتاب

1037 ھ

۱ - ۲ - ۳ مہران نثر - محمد اکرم منار الشریف - ص 196 - 195

4 - اسی طرح حضرت آغا صاحبؒ نے اپنے قریبی عزیز شیخ عبدالقدوس جان المعروف بہ " شیریں جان آغا " کی تاریخ وفات کہی ، جوکہ ان کی لوح مزار پر نصب کی گئی - یہ تاریخ وفات بھی ذیل میں دی جاتی ہے-

شیخ عبدالقدوس حق آگاہ
کرد زیں دار بے بقا رحلت

شب پنج شنبہ چہارم عاشور
روح شاں شد رواں سوئے جنّت

سال ترحیل او گفت حسن
لفظ مغفور یا سو حسرت

1326ھ

" حضرت آغا صاحبؒ کے معمولات زندگی " [1]

جیسا کہ بزرگان دین اور عالمان وقت کی عادت ہوتی ہے ، اس کے موجب حضرت آغا صاحبؒ نے بھی اپنے روز مرہ کے کاموں کے لئے ایک نظام وقت ترتیب دیا ہوا تھا ، جس کے تحت آپ اپنے تمام کام انجام دیا کرتے تھے- اس عمدہ عادت کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ انکے تمام معمولات بحسن خوبی پورے ہوجاتے تھے ، بلکہ دیکھنے والوں کو اس بات پر حیرت ہوتی تھی کہ حضرت آغا صاحبؒ اس قدر کام کس طرح انجام دے لیتے ہیں - حضرت آغا صاحبؒ نے اپنے نظام الاوقات کو پانچ نمازوں یعنی فجر سے عشاء تک کے درمیانی وقتوں میں تقسیم کر رکھا تھا - ذیل میں آغا صاحب کے اس نظام الاوقات کی تفصیل بیان کی جاتی ہے -

1 - معمولات فجر - حضرت آغا صاحبؒ فجر سے کچھ قبل مسجد میں تشریف لے آتے تھے اور پھر فجر کی نماز با جماعت ادا کرنے کے بعد اپنے مصلّی پر ہی

[1] تاثیر ملیا زدہ سی - حکیم عبدالغفور سرہندی
صفحہ 61 - 63

تشریف رکھتے تھے اور مراقبہ فرماتے تھے - اس وقت اگر کوئی طالب حصول
ذکر کے لئے یا مرید ہونے کے لئے حاضر ہوتا تھا تو اس کو مرید فرماتے
تھے اور ذکر کی تلقین فرماتے تھے - طلوع آفتاب تک حضرت صاحبؒ مسجد میں
ہی تشریف فرما ہوتے تھے اور طلوع آفتاب کے بعد " اشراق " کی چار رکعت
نماز پڑھ کر مسجد سے باہر تشریف لاتے تھے اور پھر اپنی بڑی حویلی کے
باہر " بیٹھک " میں تشریف رکھتے تھے - جہاں ہر خاص و عام موجود ہوتا
تھا - اور اسی جگہ حضرت آغا صاحبؒ نو وارد افراد سے ان کی خیر و عافیت
اور حاضر ہونے کا سبب دریافت فرماتے تھے اور جو کچھ بھی ان کے حسب
حال ہو سکتا تھا وہ کام کرنے کی کوشش کرتے تھے - مثلاً اگر کسی کو اپنے
کسی جائز کام کے لئے کوئی سفارشی خط کسی اہل کار یا افسر اعلیٰ کے نام
درکار ہوتا تھا تو اس کو وہ لکھ دیا کرتے تھے - اور اگر کسی شخص کو
دعا یا درود کی ضرورت ہوتی تھی تو اس کے لئے بھی دعا یا درود فرمایا
کرتے تھے - اسی محفل میں حالات حاضرہ اور ملکی حالات پر بھی گفتگو ہوتی
تھی - مریدین اور طالبین سے فراغت حاصل ہونے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ
اپنے خانگی ملازمین کو کچھ ذاتی کاموں اور کچھ افراد خانہ کے سلسلے میں
احکامات دیا کرتے تھے - اور اس کے بعد اندرون خانہ حویلی میں تشریف
لے جا کر تمام اہل خانہ سے خیر و عافیت دریافت فرماتے تھے - اس کے بعد
آپ حویلی کی بالائی منزل میں تشریف لے جا کر اپنی نشست گاہ میں تشریف
رکھنے کے بعد مختلف علاقوں سے آئے ہوئے مریدین و مخلصین کے خطوط کے
جواب خود اپنے دست مبارک سے لکھا کرتے تھے یہ نشست گاہ حضرت آغا صاحبؒ
کا " دارالمطالعہ " تھی جس میں وہ اپنا بیشتر وقت گزارتے تھے - خطوط
کے جوابات سے فارغ ہونے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ گھر والوں کے ساتھ
دوپہر کا کھانا کھاتے تھے اور پھر کچھ دیر " قیلولہ " فرماتے تھے -

2 - معمولات ظہر ۔ ادائے نماز ظہر کے بعد حضرت آغا صاحبؒ قرآن مجید کی تلاوتِ اور " دلائل الخیرات " کا وظیفہ پڑھا کرتے تھے جو کہ سفر و حضر میں کبھی ناغہ نہ ہوتا تھا ۔ اس کے بعد حضرت آغا صاحبؒ کتب خانہ میں تشریف لے جا کر تصنیف و تالیف اور خطوط کے جواب لکھنے میں مصروف ہو جاتے تھے ۔

3 - معمولات عصر ۔ عصر کی باجماعت نماز ادا کرنے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ نماز مغرب تک علمی مسئلے مسائل پر گفتگو فرماتے تھے اور نئے آنے والے افراد سے ان کی خیر و عافیت دریافت فرماتے تھے ۔ یہ سلسلہ نماز مغرب تک جاری رہتا تھا ۔

معمولات مغرب ۔ ادائے نماز مغرب کے بعد کا وقت حضرت آغا صاحبؒ حویلی میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ گزارتے تھے جس میں گھریلو مسائل پر گفتگو ہوتی تھی

معمولات عشاء ۔ حضرت آغا صاحبؒ نماز عشاء ادا کرنے کے بعد کھانا تناول فرماتے تھے اور اس کے بعد آرام فرمانے کے لئے اپنے بستر پر استراحت فرما ہوتے تھے ۔ ع/

" حضرت آغا صاحبؒ ، حلیۂ مبارک ، رہن سہن وخورد ونوش "

حلیۂ مبارک ۔ حضرت آغا صاحبؒ سرخ و سفید رنگ کے مالک تھے جو کہ آخر وقت تک باوجود جسمانی کمزوری اور کبر سنی ماند نہ پڑا تھا ۔ آپ کا چہرہ مبارک پر گوشت تھا جس میں کبھی بھی جھریاں یا گڑھے نہیں پڑے ۔ دندان مبارک نہایت سفید اور چمک دار آپ کی قامت درمیانہ تھی ۔ آپ سر کے بالوں کو نہایت تواتر کے ساتھ صاف کروادیا کرتے تھے ۔ حضرت آغا صاحبؒ کی بصارت و سماعت آخر وقت تک ٹھیک رہی ۔

پوشاک ۔ عام طور پر حضرت آغا صاحبؒ سفید کپڑے زیب تن فرماتے تھے

فائق ھلیلا فردوسی ص ۶۶-۶۷

جس میں اکثر ململ کا لمبا کرتا ، سفید شلوار ، ململ کی سفید دستار اور کرتے پر قدیم وضع کی صدری پہنتے تھے - کاندھوں پر ایک سفید چادر اور دست مبارک میں ایک سرخ رومال ضرور رکھا کرتے تھے - سفر کے دوران یا موسم سرما میں ایک لمبا کوٹ پہنا کرتے تھے - مزید یہ کہ سردی میں آپ کشمیری شال بھی استعمال فرماتے تھے - پیروں میں آپ ملتانی طرز کی سادہ چمڑے کے جوتے پہنتے تھے - اگرچہ حضرت آغا صاحبؒ نے سندھ میں عمر شریف کا بیشتر حصہ گزارا تھا مگر چوں کہ آپ کا وطن اصلی افغانستان تھا ، اسی لئے آپ کو ہمیشہ افغانی طرز کے لباس ہی میں ملبوس دیکھا گیا - جو کہ حضرت آغا صاحبؒ کے اجداد کا بھی طرز لباس تھا - اس سلسلے میں حضرت آغا صاحبؒ کو اس قدر خیال رہتا تھا کہ کبھی اپنا سر تک کھلا ہوا نہیں رہنے دیتے تھے - ہاں موسم گرما میں اس قدر فرق ضرور رکھتے تھے کہ گھر کے اندر دستار کی جگہ سفید کپڑے کی ہلکی قسم کی ٹوپی استعمال کرتے تھے -

" حضرت آغا صاحبؒ کے اخلاق حسنہ اورعادات شریفہ " ع /

حضرت آغا صاحبؒ کے اخلاق حسنہ کے بارے میں یہ لکھ دینا کافی ہوگا کہ وہ ہمیشہ خلق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کی کوشش میں سرگرداں رہتے تھے - مثلا یہ کہ جتنی بھی خوبیاں شرف انسانی کو بلند کرنے والی ہیں ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے مزید یہ کہ ، خدمت خلق اللہ ، ترویج و اشاعت و تبلیغ دین متین اور اشاعت عقائد اہل سنت و الجماعت مساجد اور مدارس کی تعمیر اور آبادی - اشاعت علوم دینی ، مخالفت اعداء اسلام و عقائد اہل سنت و الجماعت وغیرہ میں حضرت آغا صاحبؒ انتہائی کوشاں رہتے تھے - اور اس سلسلے میں دامے ، درمے ، قدمے ، سخنے ، کسی بھی جدو جہد اور امداد سے پیچھے نہ ہٹتے تھے -

نمائے علمائے فردوسی - حکیم عبدالعزیز سرحدی ص 48 - 50

" حضرت آغا صاحبؒ کے اوراد و وظائف " ع ۱

حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کے معمول کے اوراد و وظائف میں " وظیفۂ حزب البحر " اور " دلائل الخیرات " عام طور پر شامل تھے ۔ اس کے علاوہ حضرت آغا صاحبؒ " ختم خواجگان " بھی کرواتے رہتے تھے ۔ اس کے علاوہ " صلوٰتہ تنجینا " بھی حضرت آغا صاحبؒ کے وظائف اور اوراد میں شامل ہوتا تھا ۔

" حضرت آغا صاحبؒ کے تعویزات و ادعیۂ ماثورہ " ع ۲

حضرت آغا صاحبؒ قرآنی آیات کے استعمال سے اپنے مریدوں اور دیگر غیر مرید ضرورتمندوں کو تعویزات برائے۔ دفعیہ بیماری و آسیب و جن برائے کشائش رزق و برائے اولاد بھی دیا کرتے تھے ۔ یہ تمام تعویزات قرآنی آیات پر ہی منحصر ہوتے تھے جو کہ کبھی صاف طور پر اور کبھی اعداد کے طور پر تعویز بنا کر ضرورت مندوں لوگوں کو دی جاتی تھیں ۔

مزکورہ بالا تعویزات کے علاوہ حضرت آغا صاحبؒ جسمانی عوارض کے لئے بھی نسخہ لکھا کرتے تھے ۔ خصوصاً برائے ترقی بصارت و امراض سینہ و برائے صرع و ام الصبیان وغیرہ ۔ یہ تمام نسخے بھی ضرورت مند لوگوں میں فی سبیل اللہ تقسیم کئے جاتے تھے ۔

" حضرت آغا صاحبؒ کا طریقہ بیعت اور تلقین ذکر " ع ۳

حضرت آغا صاحبؒ کے بیعت لینے اور مرید کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ طالب یا طالبین کو دوزانو اپنے سامنے بٹھا کر خود بھی اسی طرح بیٹھتے تھے اور پھر طالب سے پوچھتے تھے کہ قرآن شریف پڑھا ہوا ہے یا نہیں ، اگر

طالب قرآن پاک پڑھا ہوا نہ ہوتا تھا تو پہلے اس کو قرآن پاک پڑھنے کی تلقین فرماتے تھے اور اس کے بعد فرماتے تھے کہ " اب جو دعا میں پڑھتا ہوں میرے پیچھے پیچھے با آواز بلند پڑھتے جاؤ - آغا صاحب کی یہ دعا ذیل میں درج کی جاتی ہے - ع

" بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ - اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ - اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ وَ اُجَدِّدُ اِیْمَانِیْ وَ اِسْلَامِیْ وَ اَقُوْلُ اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ - یَا اَللّٰہُ - یَا اِلٰہَ الْعٰلَمِیْنَ وَ یَا خَیْرَ النَّاصِرِیْنَ - آنچہ در عمر خود از گناہان صغیرہ و کبیرہ سراً و علانیۃً کردہ ہستم ازاں ہمہ توبہ کردم و توبہ کردم و توبہ کردم و بدرگاہ تو رجوع کردم و در طریقہ عالیہ حضرات خواجگان نقشبندی قدس اللّٰہ تعالٰی اسرارہم بہ جناب امام ربانی ، محبوبِ سبحانی ، حضرت مجدد الف ثانی ، شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس اللّٰہ تعالٰی سرہٗ داخل شدم - رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ - "

اس دعا کے بعد حضرت آغا صاحبؒ طالب سے فرماتے تھے کہ " بابا اب جب کہ تم ہمارے طریقے میں داخل اور اس طریقے میں ہمارے مرید ہو چکے ہو تو ہم تمہیں چند کلمات نصیحت کہتے ہیں - ان کو بغور سنو اور ان پر عمل کرو - اول یہ کہ نماز پنجگانہ کی مداومت اور محافظت کرو اور اس کو با جماعت ادا کرو ، اس کو کسی بھی وقت اور کسی بھی صورت میں قضا مت کرو - کیوں کہ اسلام کا رکن اعظم نماز ہے ، چاہئے کہ اس کی ادائیگی میں کوئی کمی نہ رہے - اسی طرح رمضان مبارک کے پورے روزے بہ تمام و کمال اور بہ ملحوظ ہدایات رکھے جائیں - مزید یہ کہ اگر تم " صاحب نصاب " ہو تو سال گزرنے کے بعد زکواۃ ادا کرو اور اگر مزید توفیق رکھتے ہو تو

عمر بھر میں ایک مرتبہ حج بیت اللہ ضرور ادا کرو۔ مزید برآں تمام امور
میں شریعت کی مطابقت کرو اور شریعت کے جائز اور درست کو جائز اور درست
مانو ، اور جس چیز کو شریعت نے ناجائز اور ناروا قرار دیا ہے اس سے
مکمل پرہیز کرو۔ گمراہ اور بد لوگوں کی صحبت سے ہر حال میں اجتناب کرو
کیوں کہ ایسی صحبت مرید کے لئے سم قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کے
علاوہ تم پر یہ بھی لازم ہے کہ مرید ہونے کے بعد خود پر ذکر الٰہی کی مداومت
کو لازم قرار دے دو ، کیوں کہ بغیر ذکر کے حصول منزل ناممکن اور مرید ہونا
بے فائدہ ہے۔ تم کو یہ بھی چاہئے کہ نماز فجر کے بعد مراقبہ کرو اور ہمارے
نقشبندیہ طریقے کے مطابق کرو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ باوضو ہوکر قبلہ رو
بیٹھ جاؤ اور اپنی آنکھیں اور زبان بند کرلو پھر اپنے قلب کی طرف متوجہ
ہوکر اسم ذات یعنی " اَللّٰہُ ، اَللّٰہ " کہو یہاں تک کہ آفتاب برآمد ہو جائے۔
ظہور آفتاب کے بعد چار رکعت نماز نفل " اشراق " پڑھو اور پھر اس کے
بعد اپنے روز مرہ کے کاموں میں مصروف ہو جاؤ۔ "

مذکورہ بالا تلقین کے بعد حضرت آغا صاحبؒ اپنے ہاتھ میں مرید کا
ہاتھ لے کر بزرگان دین اور سلف صالحین کے پسندیدہ طریقے کے مطابق ، مرید
سے بیعت لیتے تھے اور دعائے خیر فرماتے تھے۔ عام طور پر حضرت آغا صاحبؒ
صرف مذکورہ بالا تلقین تک ہی محدود رہتے تھے لیکن اگر آپ کسی مرید یا
طالب میں زیادہ حوصلہ و استعداد ملاحظہ فرماتے تھے تو اس کی حیثیت اور
ظرف کے مطابق اس کو مزید کلمات نصیحت فرماتے تھے ، مزید یہ کہ ایسے
مرید کو ذکر کی پختگی حاصل کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ اس سلسلے میں
حضرت آغا صاحبؒ اپنے مرید سے فرماتے تھے کہ ہر حال میں اور ہر جگہ پر
ذکر الٰہی پر ہمیشگی رکھیں اور ذکر قلبی کے جاری ہونے کے لئے ہر طرح
سے ، پوری کوشش کریں یہاں تک کہ ذکر قلبی عادت میں شامل ہو جائے اور

مرید کا دل بغیر کسی تکلف یا مشقت و تکلیف کے ذاکر ہو جائے کیوں کہ ذکر قلبی مرید کے لئے ایک بہت بڑی نعمت اور راہ سلوک کی ایک اہم پیشقدمی ہے -

" حضرت آغا صاحبؒ بطور طبیب حاذق " ع ا

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ روحانی تکالیف و امراض کو دور کرنے اور ان کے شافی معالج ہونے کے علاوہ عامتہ المسلمین کے جسمانی عوارض کے ازالے میں بھی کامل دسترس و ید طولیٰ رکھتے تھے - خداوند کریم نے حضرت آغا صاحبؒ کو دینی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے بہت کچھ عطا فرمایا تھا اس لئے حضرت آغا صاحبؒ ضرورتمندوں کے روحانی و جسمانی امراض کے دور کرنے سے کاروبار یا طلب مال کی خواہش نہ رکھتے تھے اور یہ سب خدمات " فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہ " انجام دیتے تھے - ان کے ذہن میں غالباً یہ حدیث مبارک گردش کرتی رہتی تھی - " اَفْضَلُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاس " یعنی افضل ترین وہ شخص ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے -"

اس سلسلے میں حضرت آغا صاحبؒ نے ایک کتاب بھی بنام " شفاالامراض" عربی زبان میں تصنیف کی ہے - ہم اس کتاب میں سے چند نسخے نقل کرتے ہیں تاکہ نہ صرف حضرت آغا صاحبؒ کے مریدین اور مخلصین کا دلشاد ہو بلکہ ضرورتمند حضرات بھی حسب ضرورت ان نسخوں سے فیضیاب ہو سکیں -

" نسخۂ کحل الجواہر - برائے روشنائی چشم وتقویت بصر "

یہ نسخہ مندرجہ ذیل اجزاء اور ان کے درج شدہ اوزان پر مشتمل ہے - مروارید ناسفتہ چھ ماشہ - یاقوت زمانی چار ماشہ - مشک خالص ایک ماشہ سنگ بصری دو ماشہ - کف دریا ایک ماشہ - میرہ اصلی دو ماشہ - جست کشتہ دو ماشہ - سنگ سرمہ اصفہانی ڈیڑھ تولہ مندرجہ بالا اشیاء عرق گلاب ایک پاؤ میں کوٹ کر بطور سرمہ استعمال کریں -

مخزن الحقیقین عبداللہ جان آغا - ص - 161 - 167

فائدہ ـ یہ ہے کہ تا آخر عمر بینائی قائم رہتی ہے - خود حضرت آغا صاحبؒ قبلہ جن کی عمر مبارک ستاسی (87) سال کی ہو چکی تھی ، اس سرمہ کے استعمال کی بدولت عینک سے بے نیاز تھے -

" نسخہ برائے صرع و ام الصبیان "

بیضۂ زاغ تازہ یعنی کوّے کے تازہ انڈے لے کر اس میں چاقو سے سوراخ کردیں اور اس سوراخ میں خشک تمباکو کوٹ کر داخل کردیں یہاں تک کہ انڈے پورے طور پر بھر جائیں - اس کے بعد ان انڈوں کو سایہ میں رکھ کر خشک کریں اور خشک ہونے کے بعد ، چھلکے اور تمام اجزاء کو کوٹ کر ، نسوار کی طرح دن میں دو تین مرتبہ استعمال کریں -

" کشتہ ابرک ـ برائے جمیع اقسام تپ ہائے حارہ و تپ محرقہ مجرّب "

ابرک سفید پانچ تولہ ترب کے پانی میں ، تین گنا مقدار کے ساتھ ملا کر مٹی کے برتن میں گل حکمت کریں اور آگ پر گرم کریں - کچھ دیر کے بعد اس کو نکال کر پانچ تولہ کافور ملا کر دوبارہ تین گنا ترب کے پانی میں ملا کر یکجان کر دیں پھر دوبارہ پہلی مرتبہ کی طرح کچھ دیر کے لئے آگ پر رکھیں - پھر اس کو آگ میں سے نکال کر ، ٹھنڈا ہونے پر استعمال کریں - اس کی خوراک ایک ماشہ بوقت فجر ، ایک ماشہ بوقت ظہر اور ایک ماشہ بوقت مغرب ہے -

" نسخہ کشتہ فولاد ـ مولد خون و مقویٔ جگر "

تلوار میں استعمال ہونے والے فولاد کا برادہ اس کے ہم وزن گندھک کے تیل میں ملا کر چینی کے برتن میں ڈال کر دھوپ میں رکھ دیں - پھر اس برتن کو روزانہ دو ، تین مرتبہ ہلاتے رہیں یہاں تک کہ دونوں چیزیں یکجان ہو جائیں - اس کے بعد اس آمیزے کو ریشم کے کپڑے سے چھان لیں - اس کی خوراک ایک رتی سے دو رتی تک روزانہ مکھن کے ہمراہ دس ، بارہ روز تک استعمال کریں -

اب جب کہ ہم اس بات سے اچھی طرح اور عمدگی کے ساتھ واقف ہو چکے ہیں کہ حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ نہ صرف بہترین طبیب روحانی تھے بلکہ وہ نہایت حاذق طبیب امراض جسمانی بھی تھے ، تو اس بات کا مزید گہرائی اور غور و خوض کے ساتھ جائزہ لینا از بس منطقی اور لازمی ٹھرتا تھا کہ کیا حضرت آغا صاحبؒ نے بھی اپنے روحانی مرتبے اور کمالات کے بارے میں اور اپنی روحانی کامرانیوں اور کامیابیوں کے بارے میں بذات خود کچھ اشارتہً یا صراحتاً فرمایا کہ نہیں -

اس سلسلے میں مندرجہ بالا پس منظر اور سوچ کے ساتھ جب ہم حضرت آغا صاحبؒ کے حالات کا بہ تفصیل اور نہایت کاوش اور گہرائی کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت آغا صاحبؒ نے اپنے کچھ ایسے خواب کا ذکر فرمایا ہے جن میں ان کو وضاحت یا صاف طور پر یا تمثیلاً کچھ بشارات دی گئی ہیں - ذیل میں ہم حضرت آغا صاحبؒ کے صاحبزادے حضرت عبداللّٰہ شاہ المعروف بہ حضرت شاہ آغاؒ کی تصنیف کردہ کتاب مونس المخلصین سے حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کے کچھ خواب پیش کرتے ہیں ، جن کو مزکورہ بالا کتاب میں حضرت عبداللّٰہ شاہ عرف شاہ آغاؒ نے " مبشرات منامی " کا نام دے کر ذکر کیا ہے -

قبل اس کے کہ ہم ان " مبشرات منامی " کا تذکرہ کریں ، یہ بات واضح ہو جانی ضروری ہے کہ کتاب مونس المخلصین حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کی سوانح حیات ہے جو کہ ان کے لائق و فائق فرزند حضرت شاہ آغاؒ نے لکھی ، جو کہ بذات خود بھی نہایت اعلیٰ درجہ کے برگزیدہ شخص ہیں اور روحانی کمالات میں ان کا بھی اونچا درجہ ہے - مزید اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اولیاء اللّٰہ کے خواب ، عام مسلمانوں کے خواب کے مانند نہیں ہوتے بلکہ بارگاہ خدا وندی سے خواب میں بھی نہ صرف

ان کو تعلیم کیا جاتا ہے بلکہ ان کو روحانی درجات و کمالات سے واقفیت کا شعور و ادراک بھی بخشا جاتا ہے -

اس ضروری وضاحت کے بعد ہم ذیل میں مزکورہ بالا " مبشرات منامی " میں سے کچھ خواب ذکر کرتے ہیں -

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی " مبشرات منامی " ع 1

" پہلا خواب "

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی فرماتے ہیں کہ " میں نے 17 صفر 1337 ھجری کو شب جمعہ میں یہ خواب دیکھا ، کہ گویا میں ھندوستان کے کسی شہر میں پہنچا ہوں ، کہ جہاں شہر کے درمیان میں زیارت گاہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ واقع ہے - ایک انبوہ کثیر اس زیارت گاہ پر حاضر ہونے کو ، اس کی طرف رواں دواں ہے میں یہ سوچ رکھتا ہوں کہ بہ وقت صبح ، کہ اول وقت ہے زیارت سے مشرف ہو جاؤں تا کہ بوقت عصر ریل گاڑی میں بیٹھ کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو سکوں ، اس سلسلے میں بگھی والا جو کہ میری سواری کا کوچبان ہے ، تاکید کرتا ہے کہ وقت تنگ ہوا چاہتا ہے ، میں شہر میں ہجوم بڑھ جانے کی بناء پر بیرون شہر کی ایک راہ سے دوبارہ زیارت گاہ تک پہنچا ہوں کہ جاتے جاتے ایک مرتبہ اور حاضری دیتا جاؤں - اس مرتبہ جو میں زیارت گاہ پر حاضر ہوا تو یہ دیکھا کہ قبہ شریف اندرونی طور پر نہایت عمدہ فرش و فروش سے آراستہ ہے اور مزید یہ کہ اس وقت میں نے خود اپنی ذات کے علاوہ کسی کو حاضر نہ دیکھا ، میں کیونکہ اس دفعہ قبہ شریف میں قبلہ کی طرف سے داخل ہوا تھا ، کیا دیکھتا ہوں کہ گویا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا وجود مبارک قبر سے باہر آیا چاہتا ہے اور آپ نے اپنے دست مبارک مجھ کو مصافحے کی سعادت بخشنے کے لئے میری طرف دراز کئے ہیں - میں نے آپؒ

مولف / تخلیص ـ عبداللہ جان آغا ـ
ص ـ 112 - 137

کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اپنی آنکھیں ان پر ملیں - اس دوران آپ کا مکمل وجود مبارک بیرون قبر ظاہر ہو گیا اور مجھ سے لطف و کرم کی گفتگو فرمائی اور نہایت شفیق کلمات ادا فرمائے ، چناچہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ آپ مجھ پر نہایت مہربان ہیں - مجھے ایسا محسوس ہوا گویا کہ آپ افغانی زبان میں مجھ سے مخاطب ہوئے ہیں اور مجھ سے ایک بات بہ طرز تذکرہ فرماتے ہیں کہ شیخ بھینڈہ شاہؒ تشریف لائے تھے اور مجھ سے کچھ فیض کا حصول چاہتے تھے ، ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا چاہتے ہو - کیا راہ سلوک میں اوراد و سلوک میں سے کچھ چاہتے ہو - انہوں نے فرمایا کہ جی ہاں ، یہ فیض ان کو عطا کردیا گیا ہے - پھر حضرتؒ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے ان کی زیارت کی ہے ؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے ان کی زیارت گاہ کا علم نہیں ہے - فرمایا کہ اسی شہر میں دوسری سمت واقع ہے - اسی دوران میں نے وہاں ایک اور شخص کو بھی موجود پایا اور ان سے دریافت کیا کہ اس شہر کا کیا نام ہے ؟ انہوں نے جواباً فرمایا کہ " لاہور " اسی دوران ایک اور شخص حاضر ہوا ، جو کہ اپنی وضع قطع سے خادمان میں سے معلوم ہوتا تھا اور اس نے حضرتؒ سے درخواست کی کہ اسے حضرتؒ کا لعاب دھن عطا فرمایا جائے اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ مجھے رخصت کی اجازت عطا فرمائی جائے اور میں اس بات کی خواہش رکھتا ہوں کہ اگلی صبح ان حضرتؒ کی زیارت کروں ، جن کے بارے میں مجھے مامور کیا گیا ہے - پھر حضرتؒ نے دوبارہ مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہیں ان صاحب کا نام یاد ہے جن کی زیارت کرنی ہے - اس مرتبہ غالباً آپ نے " بھینڈہ " یا " شیخ بھینڈہ " فرمایا لیکن اس مرتبہ " شاہ " کا لفظ استعمال نہ فرمایا جیسا کہ پہلے استعمال فرمایا تھا - میں اس جگہ سے رخصت ہوا اور میں نے " قبہ شریف " کے باہر بے تحاشہ ہجوم خلق اللہ کا دیکھا ، اس

کے ساتھ ہی ساتھ حضرتؒ قبر پوش کے پردے کے پیچھے غائب ہو گئے اور میری آنکھ کھل گئی ، بیدار ہو گیا ۔

" دوسرا خواب "

یہ خواب حضرت آغا محمد حسن جان سرھندی رحمتہ اللہ علیہ نے رمضان المبارک 1344 ھ بروز شنبہ اپنے گھر ٹنڈو سائیں داد کے بالا خانے میں چاشت کے وقت دیکھا ، حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ھیں کہ اس خواب میں ، میں نے دیکھا کہ گویا کہ میں مدینتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حرم نبوی میں حاضر ھوں اور حرم محترم اپنی اصل حالت کی بجائے کہنہ و بوسیدہ حالت میں موجود ھے اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک جالیوں سے باھر زمین پر ظاھر ھوئی ھے اور یہ مقام کشتی کے مانند حرکت میں ھے یہ خاکسار دعا طلبی کے لئے شیخ سندھی کے ھمراہ ، جوکہ پہلے ھی سے مکہ مکرمہ میں قیام پزیر تھے ، حرم محترم میں حاضر ھوا ھے ۔ میں نے بعد دعا حضرت شیخ کو دیکھا کہ ایک جماعت کثیر کے ساتھ اپنے کاموں میں مشغول ھیں پھر یہ دیکھا کہ یہ عاجز دوبارہ دعا کرنے کے لئے حرم شریف میں حاضر ھوا ھے ، اس مرتبہ یہ دیکھا کہ حضور پر نور افضل الخلائق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مطہر و مکرم بیرون قبر شریف پہلو کے بل استراحت میں ھے ، میں حضور کے پائے مبارک کی طرف ایستادہ ھوا اور دعائیں مانگیں اور اس کے ساتھ الفاظ " یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " اور " الشفع میکم " سے حضور پر نور کو یاد کیا ۔ اس کے بعد میں نے جرأت عاشقانہ سے کام لیتے ھوئے آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا ، آغا صاحبؒ قبلہ فرماتے ھیں کہ چونکہ اس وقت میں آپ سے نزدیک تھا ، اس لئے میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنے دونوں دست مبارک ابر رحمت و کرم کی طرح اس غلام پر پھیلا دیئے اور حضورؐ نے فرمایا کہ " تیرے حق میں بد اندیشہ افراد جو کچھ بھی کہتے ھیں

تو اس پر صبر اختیار کر ، اس کے علاوہ بھی آپ نے کافی کلمات شفقت اور تسلی کے میرے بارے میں فرمائے ۔ حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ھیں کہ اس کے علاوہ بھی جو کیفیات اس دوران مجھ پر وارد ھوئیں ھیں وہ اس وقت بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ، کیونکہ مجھے وہ اس وقت پوری طرح اور بہ حسن و خوبی یاد نہیں ھیں ۔

" حضرت آغا صاحبؒ کا تیسرا خواب "

یہ خواب حضرت آغا صاحبؒ نے چہار شنبہ تاریخ 30 ذی الحجہ کو دیکھا

حضرت آغا صاحب فرماتے ھیں کہ کیا دیکھتا ھوں کہ گویا میں ایک بڑے مقبرے پر بزرگوں کی زیارات کے لئے حاضر ھوا ھوں جہاں کہ اکثر قبریں " سنگ مرمر " سے تعمیر کردہ نظر آتی ھیں ۔ چلتے چلتے میں ایک قبہ پر پہنچا ھوں اس قبہ مبارک کے اندر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت پیران پیر دستگیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی قبور مبارک ھیں ۔ یہاں پر چند دیگر افراد بھی برائے زیارات قبور میرے علاوہ ، حاضر ھیں اور گویا کہ ایسا ھے جیسے مجاوران قبور نے قبر مبارک سے قبر پوش ہٹایا ھوا ھے ، یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پائے مبارک ظاھر ھوا ھے ۔ میں اس وقت اپنی پشت قبہ شریف کی دیوار کی طرف کرکے کھڑا ھوا تھا اور میری نظر حضور کے پائے مبارک پر جمی ھوئی تھی اور میں گریہ و زاری کرتے ھوئے " اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ " کہہ رہا ھوں ۔ اسی دوران میں کیا دیکھتا ھوں کہ حضرت پیران پیرؒ ایک ادھیڑ عمر مرد کی صورت میں ظاھر ھوئے ھیں اور لطف و کرم کی نظر سے مجھے دیکھ رھے ھیں اور مجھے حضور کے پائے مبارک کی زیارت کرنے کا اشارہ کر رھے ھیں ۔ اس کے بعد کیا دیکھتا ھوں کہ قدرت الٰہی سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے ھیں اور حضرت

بیوان پیُو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے درمیان تشریف فرما ہیں اور میں بہ گریہ زاری زبان سے برابر اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پڑھ رہا ہوں - آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس وقت مجھے حضورؐ کا حلیہ مبارک بہ تمام و کمال نظر آیا تھا مگر اس وقت کیونکہ مجھے اپنے حافظہ پر اعتماد نہیں تھا ، اس لئے پوری طرح اعتماد سے بیان نہیں کر سکتا - حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب میں اس خواب سے بیدار ہوا تو میری زبان پر درود شریف جاری تھا -

" حضرت آغا صاحبؒ کا چوتھا خواب " ع/

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ نے یہ خواب شب سہہ شنبہ تاریخ 28 جمادی الاول 1352 ھجری ، بہ وقت سحر اپنے کوئٹہ والے گھر میں دیکھا تھا - حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ " میں کیا دیکھتا ہوں کہ گویا میں حضرات مجددیہؒ کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ ، جن کی سواری میں گھوڑے اور اونٹ ہیں ، اپنے والد صاحب قبلہ حضرت عبدالرحمٰن جان سرہندیؒ کی خدمت میں حاضر ہوں - اور گویا کہ ہم سب لوگ سندھ کی طرف سفر کرتے چلے جا رہے ہیں اور اسی سفر کے دوران ہم نے " باجارہ " تعلقہ سیوھن میں منزل کی ہے ، اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہم " سید عبدالنبی شاہ " کی " اوطاق " یعنی مہمان خانہ میں داخل ہوئے ہیں- اس کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ میرے والد گرامی قدر ایک اونچی جگہ پر ایک کثیر جماعت کو اپنی امامت میں نماز ظہر پڑھا رہے ہیں میں بھی جلدی سے تجدید وضو کرنے کے بعد اس جماعت میں پہنچا ہوں اور اپنے دل میں کہہ رہا ہوں کہ اس وقت تقریبا دن کا ایک بجا ہے - کیا یہ ایک بجے کا وقت نماز ظہر کا وقت ہے یا نہیں ؟ نماز سے فراغت کے بعد حضرت والد صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لانے والے ہیں اور میں

مونس المخلصین . ص 125-127

اس شہر میں فلانی جگہ جا رہا ہوں ، اب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے
کیسے ملاقات کروں ؟ میں نے جواب میں عرض کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام
کے تشریف لاتے ہی یہ خادم فوری طور پر آپ کو اطلاع پہنچائے گا - فرمایا کہ
" بہت خوب " اور خوش ہوئے - اور رخصت ہو گئے - اس کے تقریباً ایک
ساعت کے بعد ہی خود کو جماعت کے ساتھ مسجد میں بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں
اچانک لوگوں میں شور برپا ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دروازے تک
پہنچ چکے ہیں - یہ فقیر دست بوسی کی امید میں نہایت تیزی سے مسجد سے
باہر نکلا اور آپ کی طرف بڑھا - کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام
سفید رنگ بلند قامت نہایت سفید نورانی کپڑے زیب بدن کئے ہوئے ہیں آپ
کی ریش مبارک سیاہ و دراز ہے اور سر کے بال ہر دو طرف سے ریش
مبارک سے ملے ہوئے ہیں - ایسا احساس ہوتا ہے کہ جیسے آپ میرے والد
صاحب قبلہؒ سے ملاقات کی خاطر تشریف لائے ہیں اور آپ اونٹ پر سوار ہوکر
تشریف لائے ہیں اسی دوران میں نے اپنے فرزند عبدالستار جان کو وہاں
موجود پایا - میں نے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی
کہ وہ اپنا دست مبارک دراز فرمائیں تاکہ میں دست بوسی کی سعادت حاصل
کروں - حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کمال مہربانی سے اپنے دونوں دست
مبارک میری سمت بڑھائے اور میں نے نہایت محبت اور تعظیم کے ساتھ آپ کے
دست مبارک کو بوسہ دیا - اسی دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام جس اونٹ
پر سوار ہوکر تشریف لائے تھے ، وہ اٹھ کر کھڑا ہوا اور روانہ ہونے لگا
میں نے پا پیادہ اس اونٹ کی نکیل پکڑ کر ، بطور ساربان آگے آگے چلنا شروع
کیا اور خلق اللہ کا ایک ہجوم کثیر میرے پیچھے پیچھے چل پڑا - اور ہم
میرے والد صاحبؒ کی ملاقات کی غرض سے شہر میں داخل ہوئے- میں نے ایک
شخص سے دریافت کیا کہ میرے والد محترمؒ کس مکان میں تشریف فرما ہیں

تا کہ ان کو بلا کر لایا جا سکے اور حضرت نبی اللہ علیہ السلام کو تکلیف نہ ہو

اس شخص نے جواب دیا کہ " مجھے خبر نہیں " آخر میں نے خود اپنی فہم کے مطابق ایک ایسے مکان کی طرف اپنے والد صاحبؒ کے موجود ہونے کا اندازہ لگایا ، جہاں پر خلقت کا انبوہ کثیر تھا ، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس مکان میں تشریف لے چلنے کی درخواست کی - آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ خواب صرف اسی جگہ تک دیکھا تھا کہ میں بیدار ہو گیا ، اس لئے میں کہہ نہیں سکتا کہ میرے والد صاحبؒ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہو سکی یا نہیں -

" حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کا پانچواں خواب "

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ خواب شب جمعہ کو بتاریخ دس ماہ ربیع الاول 1356 وقت سحر دیکھا کہ گویا کہ میں رفیقان ہم مشرب کی ایک جماعت کے ہمراہ سندھ کے سفر میں ہوں ، اس سفر کے دوران ہم ایک گاؤں میں پہنچے ہیں اور اس گاؤں کے لوگوں نے اہل سندھ کی عادت کے موافق ہم سب کی دعوت کی ہے ، اس قریہ میں داخل ہوتے ہوئے ہم کیا دیکھتے ہیں کہ کسی غریب و مسکین شخص کا جنازہ نماز جنازہ کے لئے تیار ہے - محسوس ایسا ہوتا ہے کہ گویا یہ اسی گاؤں کے رہنے والے کسی شخص کا جنازہ ہے - گاؤں کے لوگ اس جنازہ پر حاضر ہیں اور مجھ سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کرتے ہیں میں بھی نماز جنازہ پڑھانے کو مستعد و تیار ہوتا ہے - لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت میں نے نماز جنازہ پڑھائی یا نہیں - اسی دوران ایک کاغذ میرے ہاتھ میں دیا گیا ہے جس میں چند اشعار بحروف تہجی الگ الگ لکھے ہوئے ہیں- میں نے ان اشعار کو ملا کر پڑھا ، میں یہ نہیں بتا سکتا کہ وہ کون سی زبان تھی ، سندھی ، اردو یا افغانی ، ہاں اس قدر ضرور

یاد ہے کہ بہر حال وہ عربی زبان نہ تھی - ان اشعار کا موضوع وعظ و نصیحت تھا - اسی دوران کسی نے مجھ سے کہا کہ یہ نظم دراصل خلیفۂ دوئم امیرالمومنین ، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللّٰہ عنہ کی تصنیف ہے - اور یہ بات کہنے والا خود بھی فاروقی النسل نظر آتا ہے - میں ان اشعار کو پڑھنے میں مشغول ہوا ہی تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ بذات خود تشریف لے آئے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ گویا آپؓ میرے ان اشعار کے پڑھنے سے نہایت خوشنود ہوئے ہیں - اور تبسم فرماتے ہیں آپ کا حلیہ مبارک جو کہ مجھے یاد رہ گیا ہے ، گندم گوں رنگت۔ قوی الجثہ درمیانہ قامت ، بشرے سے ہیبت ظاہر ہوتی تھی ، لیکن باوجود اس ہیبت کے آپ نہایت متواضع اور خندہ پیشانی سے پیش آ رہے تھے - باقی جو کچھ میں نے دیکھا وہ اب یاد نہیں ہے -

" حضرت آغا صاحبؒ کا چھٹا خـواب " ع ا

حضرت آغا صاحبؒ قبلہ فرماتے ہیں کہ یہ خواب میں نے سولہ رمضان شریف 1317 ھ کی شب میں دیکھا - کیا دیکھتا ہوں کہ محمد نجّار یعنی بڑھئی شکھو والا ، اپنے چھوٹے بھائی یوسف کے ساتھ اپنے کام یعنی نجاری میں مصروف ہے ، جب کہ دنیاوی زندگی میں محمد نجاز کا تقریباً ایک ماہ قبل انتقال ہو چکا تھا - اب میں نے اس خواب میں دیکھا کہ نہایت ضعیف و نحیف ہو رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اس سال بہت افراد واقف کاروں میں سے فوت ہوئے - میں نے اس سے دریافت کیا کہ " تم بھی تو اس سال وفات پا گئے تھے ، اب تم زندہ کیسے نظر آ رہے ہو ؟ اور اس دنیا میں کس طرح موجود ہو ؟ اس نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے دوبارہ زندہ کردیا اور دنیا میں دوبارہ بھیج دیا - " پھر میں نے اس سے دریافت کیا کہ " تم سے پہلا سوال نماز کے بارے میں ہوا ، یا روزہ کے بارے میں "؟ اس نے

جواب دیا کہ " نماز کے بارے میں ، پھر میں نے دریافت کیا کہ اور اسلام کے بارے میں "؟ - اس نے جواب دیا کہ ہاں اس کو تو سب سے پہلے پوچھا گیا تھا ، جس پر میں نے (محمد نجّار نے) جواب دیا کہ " لَاۤ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ " - اس کے علاوہ بھی کافی سوالات کئے ، جن کے میں نے وہ جوابات دئیے جو کہ میں نے آپ کے والد گرامی قدر حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جان سرہندیؒ یعنی اپنے مرشد سے سنے تھے یا انہوں نے خود مجھے تعلیم کئے تھے - پس اس سائل نے جو کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ کی طرف سے میری قبر میں ایک حلیم الطبع انسان کی شکل میں بھیجا گیا تھا مجھ سے مزید دریافت کیا کہ " کیا ان جوابات کے علاوہ بھی میں کوئی مزید حجت رکھتا ہوں یا نہیں "؟ میں نے جواب دیا کہ " نہیں " - پس یہ سن کر اس فرشتے نے جو کہ انسانی شکل میں تھا - مجھے چھوڑ دیا اور مجھ سے زیادہ مناقشہ نہ کیا "-

حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اسی خواب میں محمد نجّار نے مزید کافی باتیں عالم آخرت کی مجھے بتائیں جو کہ اس وقت مجھے یاد نہیں ہیں میں نے خواب میں ہی محمد نجّار کے بھائی یوسف سے پوچھا کہ تم نے اس کو کس طرح قبر میں زندہ دفن کر دیا تھا ؟- اس نے جواب دیا کہ میں اس کی قبر پر گیا اور قبر کو کھودا- دیکھا کہ یہ (محمد نجّار) قبر کے ایک کونے میں نحیف و نزار بہ حال شکستہ بیٹھا تھا - چناچہ میں اس کو ساتھ لے آیا- اور اب یہ آپ کے سامنے ہے - اس بات کا جائزہ لینے کے بعد کہ حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کو " مبشرات منامی " میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ، حضرت موسیٰ علیہ السلام ، حضرت امیرالمومنین ، عمرفاروق اعظم اور حضرت پیران پیر دستگیر شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ جیسی پاکیزہ ارواح اور مقدس ترین نفوس کی زیارات نصیب ہوئیں ، اس بات میں کوئی

شک و شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ حضرت آغا صاحبؒ ایک نہایت پاکیزہ نفس اور برگزیدہ شخصیت تھے ، کیونکہ یہ " مبشرات منامی " ایسے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک ہی کی طلب ، خواہش اور امید پر اکثریت کی عمریں ختم ہوجاتی ہیں اور پھر بھی اس قسم کی زیارات نصیب نہیں ہوتیں ، کیونکہ یہ وہ منزل ہے جہاں عقل انسانی دنگ اور عاجز ہے ، بناوٹ یا ذاتی سعی اور کوشش یہاں پر کوئی اہمیت و مرتبہ نہیں رکھتی اور جب تک من جانب اللہ مقدر اور اشارہ نہ ہو ، یہ چیز حاصل نہیں ہوتی ، بہ قول شاعر

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشند خدائے بخشند ،

مزکورہ بالا " مبشرات منامی " کی اہمیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب ہمارے لئے یہ لازم اور انتہائی ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کی روحانی اہمیت جاننے اور سمجھنے کے لئے ان کی ترویج دین اسلام اور " تبلیغ فی خلق اللہ " کا مزید گہرائی اور گیرائی کے ساتھ جائزہ لیں - اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے اس مقالہ کا اگلا عنوان ذیل میں تفصیلی طور پر ذکر کیا ہے -

" حضرت آغا صاحبؒ ، مواعظ حسنہ و ہدایت برائے طالبین " ع/

اس حکایت کے راوی حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کے فرزند حضرت خواجہ حافظ محمد ہاشم جان سرہندیؒ ہیں - وہ فرماتے ہیں کہ " ایک مرتبہ میں لاہور میں میاں فضل کریم صاحب کے دولت خانہ پر قیام پزیر ہوا ، جو کہ حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کے معتقد تھے - اسی دوران " ٹنڈو سائیں داد " سے حضرت آغا صاحبؒ کی ناسازئ طبع کا " ٹیلی گرام " پہنچا - اس اطلاع کے آنے پر صاحب خانہ و میزبان یعنی میاں فضل کریم صاحب نے حضرت خواجہ محمد ہاشم جان صاحبؒ سے نہایت رنج و افسوس کا اظہار

سوانح المجلس جلیل اللہ جان آغا
196-193 ص

کیا اور اسی سلسلے میں یہ بھی بتایا کہ ان کے حضرت خواجہ محمد حسن جان صاحبؒ کے معتقد ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ وہ حضرت خواجہ محمد حسن جان صاحبؒ کے دوران قیام کوئٹہ ، اپنے ایک دوست کے ہمراہ ان سے ملنے گئے - اس وقت حالت یہ تھی کہ میاں فضل کریم صاحب ، جو کہ خود بھی صاحب علم تھے اور کافی بزرگوں سے مل چکے تھے اور اب تک کسی بزرگ کی نظر یا ملاقات نے ان کے دل پر کوئی اثر یا نقش ثبت نہ کیا تھا - اس صورتحال کی وجہ سے ان کو کچھ مایوسی اور بد دلی پیدا ہو گئی تھی -

میاں فضل کریم کے بہ قول " جب ہم دونوں صاحبان حضرت آغا صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت آغا صاحبؒ نے رسمی باتوں کے بعد میرے دوست سے میرے بارے میں بھی دریافت فرمایا ، میرے دوست نے میرا تعارف کروادیا کچھ دیر کے بعد جب ہم واپس آنے لگے تو میں نے حضرت صاحبؒ کی دست بوسی نہ کی ، بلکہ صرف سیدھے سادھے طریقے پر مصافحہ کیا ، اس وقت حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے میرا مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے نہایت لطف ونرمی کے ساتھ فرمایا کہ " بابا خدا تعالیٰ نے نماز کو اپنے بندوں پر فرض قرار دیا ہے ، چاہئے کہ نماز ضرور پڑھیں اور اس کو قضا نہ ہونے دیں " میاں فضل کریم فرماتے ہیں کہ اتنی گفتگو کے بعد ہم دونوں نے سلام کیا اور واپس روانہ ہوگئے ، لیکن حضرت صاحبؒ کے یہ کلمات میرے دل پر نقش ہوگئے اور مجھ پر اس قدر اثر ہوا کہ میں نے اپنی قیام گاہ پر پہنچتے ہی اپنی زوجہ سے کہا کہ مجھے پاک و صاف کپڑوں کا ایک جوڑا نکال دو تاکہ نماز ادا کر سکوں - بس وہ دن گیا اور آج کا دن آیا کہ میں نے نماز پابندی سے اختیار کی ، ڈاڑھی رکھی اور دیگر وضع بھی شرعی اور اسلام طریق پر اپنا لی ہے - اور اسی روز سے میں حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ سرہندی کا معتقد ہوں -

اسی طرح ایک دوسرا واقعہ ہے ، جس کے راوی " قاضی عبدالکریم مہیسر والے " ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ " خان بہادر حاجی غلام محمد اسران " حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کے مرید ہونے سے قبل اہل تشیع میں سے ایک مقتدر فرد خان بہادر امیر علی خان لاہوری کے ہم نوالہ و ہم پیالہ اور نہایت ہی قریبی دوست تھے - جب خان بہادر حاجی غلام محمد اسران حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کے مرید ہوئے ، تو انہوں نے مزکورہ بالا اہل تشیع خان بہادر امیر علی خان لاہوری کی صحبت سے پرہیز کرنا اور اجتناب برتنا شروع کیا ۔ اتفاقاً ان اہل تشیع موصوف کے ہم صحبت یاروں نے جو کہ خود بھی فرقہ اہل تشیع سے تھے ، طنزاً خان بہادر حاجی غلام محمد اسران سے دریافت کیا کہ " آپ نے فاروقیوں[نمبر 1] کا مرید ہوکر کیا فیض پایا ؟ اور کیا کرامت دیکھی -؟ خان بہادر حاجی غلام محمد اسران نے ان کو جواب دیا کہ " میں نے دو فیض و کرامات حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کا مرید ہوکر حاصل کئے ، اول تو یہ کہ اہل تشیع کے عقائد فاسدہ سے آزاد ہوکر گروہ اہل سنت والجماعت میں داخل ہوا اور دوئم یہ کہ پہلے میں نماز پر قائم نہ تھا ، اور آپ اہل تشیع حضرات کی صحبت میں رہتے ہوئے کبھی نماز پڑھتا تھا ، کبھی نہ پڑھتا تھا - اب مرید ہونے کے بعد یہ حال ہے کہ نماز پنجگانہ قضا نہیں ہوتی "- یہ جواب مسکت و معقول سن کر وہ حضرات اہل تشیع خجل ہوکر خاموش ہو گئے -

اس سلسلے کے تیسرے واقعہ کے راوی " ڈاکٹر حاجی شمس الدین " ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ " 1322ھ کے سفر حج کے دوران میں " بمبئی " کی بندرگاہ سے حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کا ہم سفر ہوا ، اور ہم سب جہاز میں

---

1 - حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی کا سلسلہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم تک پہنچتا ہے - (تبصرہ نگار)

سوار ہوکر " جدہ " کی سمت روانہ ہوئے - خدا جانے کیا وجہ تھی کہ حضرت آغا صاحبؒ کا خادم " حاجی عبداللہ مکرانی " خواہ مخواہ ہم سے نزع وبرخاش رکھتا تھا اور الجھتا رہتا تھا - ایک روز ہمارے اور اس خادم کے درمیان خوب تلخی ہوئی اور نوبت ایک دوسرے کے لئے بدکلامی اور سب و شتم تک پہنچی - بات اتنی بڑھی کہ حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کی سماعت تک جا پہنچی اور حضرت آغا صاحبؒ نے ہم دونوں کو اپنے سامنے طلب فرمایا - میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یقیناً حضرت صاحبؒ قبلہ ہم دونوں میں سے ایک کو ملامت کریں گے یا پھر ہمارے درمیان مصالحت کرانے کی کوشش کرینگے ، لیکن میں یہ بھی سوچتا تھا کہ ان دونوں چیزوں سے بھی میرے دل کی کدورت و رنجش دور نہ ہوگی - بہرحال جب ہم حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کے حضور میں حاضر ہوئے تو حضرت آغا صاحبؒ نے نہایت نرمی و لطف کے ساتھ اپنے خادم عبداللہ مکرانی سے فرمایا کہ " بابا میں تم کو اپنے کاموں کی دیکھ بھال اور خدمت گاری کے لئے ساتھ لایا تھا مگر نہ تو تم میرے دوسرے رفیقوں میں سے ہو اور نہ ہی تمہارا سلوک ان کے ساتھ قابل تعریف ہے - یہ فرما کر حضرت آغا صاحبؒ نے کچھ رقم اپنے ہاتھ میں رکھی اور عبداللہ مکرانی کو دیتے ہوئے فرمایا کہ " یہ میں تم کو تمہارا سفر خرچ برائے سفر حج دیتا ہوں ، تم ہم سے الگ رہو ، الگ سفر کرو اور میرے دوستوں کو پریشان نہ کرو " یہ سن کر وہ خادم نہایت نادم اور شرمندہ ہوا اور مجھے خود بھی خجالت محسوس ہوئی اور میں نے سوچا کہ حضرت آغا صاحبؒ قبلہ بجائے اس کے کہ اپنے خادم کی طرف داری کرتے یا مجھے کچھ کہتے ، اپنے خادم کو اپنی خدمت سے برطرف کرتے ہیں ، چاہے اس کے نتیجے میں خود حضرت صاحبؒ قبلہ ہی کو تکلیف و پریشانی کیوں نہ اٹھانی پڑے - اور یہ سب کچھ حضرت صاحبؒ قبلہ میری خاطر کرتے ہیں - حضرت صاحبؒ قبلہ کے اس تادیب حسنہ نے میرے اور

اس خادم کے دلوں پر اتنا زبردست اثر کیا کہ اس کے بعد ہم دونوں ایک دوسرے سے بالکل متصادم نہ ہوئے ، بلکہ ایک دوسرے کے نہایت مہربان دوست بن گئے -

حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کی تعلیم و تادیب حسنہ کا یہ پہلو ملاحظہ کرنے کے بعد ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ حضرت صاحبؒ نے اپنے مرشد گرامی قدر اور والد صاحب کے حضور میں نیاز مندی اور اخلاص کا کیسا اعلیٰ مظاہرہ فرمایا اور کس طرح خود کو ایک نہایت فرماں بردار مرید ، سعادت مند فرزند اور ایک نوازے ہوئے شخص کے روپ میں پیش کیا -

صاحب مونس المخلصین یعنی حضرت عبداللہؓ شاہ ، عرف حضرت شاہ آغاؒ جو کہ حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کے فرزند ہیں - اپنی مزکورہ بالا کتاب میں حضرت آغا صاحبؒ کے ایام بیماری کے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے دوران بیماری تین مرتبہ حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جانؒ ، اپنے مرشد اور والد گرامی قدر کا تذکرہ فرمایا اور ہر مرتبہ حضرت آغا صاحبؒ اپنے والد گرامی قدر کو یاد کرکے اس قدر گریاں کناں ہوئے ، گویا کہ آج ہی حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جان سرہندیؒ کا وصال ہوا ہے -

ان مزکورہ بالا تینوں مواقعوں کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے -

باراول = " ایک مرتبہ حضرت آغا صاحبؒ کے برادر خورد دوران بیماری حضرت آغا صاحبؒ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئے - جب کچھ دیر کے بعد انہوں نے بعد از عیادت ، ارادہ روانگی ظاہر کیا تو حضرت قبلہ آغا صاحبؒ نے فرمایا کہ " جلدی کیوں کرتے ہو-؟ یہ گرمی کا وقت ہے اور اب اس وقت ریل گاڑی

---

1 - مونس المخلصین = از حضرت شاہ آغاؒ - صفحہ نمبر 208

بھی جا چکی ہوگی ، صبح کو ٹھنڈے وقت چلے جانا " اس بات پر حضرت آغا صاحبؒ کے برادر خورد نے جواب دیا کہ " یا حضرتؒ آج میرا ارادہ درگاہ شریف پر حاضری دینے کا ہے اور اسی سلسلے میں ، میں نے " ٹنڈو محمد خان " سے اونٹ برائے سواری طلب کئے ہیں - اور اگلے روز میں درگاہ شریف سے روانہ ہوکر اپنے مکان پر جانا چاہتا ہوں " صاحب مونس المخلصین فرماتے ہیں کہ " اس وقت یہ عاجز بھی موجود تھا " - حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ " وہ بیس روپے جو کسی نیاز مند مخلص نے نذر کئے ہیں ، لے آؤ تاکہ درگاہ شریف کے مجاور " فقیر جمعہ " کو بطور خیرات بھیجوں " - حضرت آغا صاحبؒ نے مزکورہ رقم طلب کروانے کے بعد اپنے برادر کو دی اور فرمایا کہ یہ رقم درگاہ شریف کے مجاور کو دے دی جائے - اس کے بعد حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے اپنے بھائی سے دست بستہ عرض کیا کہ " جب آپ درگاہ شریف پر جائیں تو حضرت قبلہ والد گرامیؒ ، حضرت آغا عبدالرحمان جان صاحبؒ کی خدمت میں میری طرف سے سلام و دعا کے لئے عرض کردیں - " اتنا فرمانے کے بعد شدت جذبات سے حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کی حالت بگڑ گئی اور آپ اپنے بستر پر بہ چشم نم استراحت فرما ہوگئے -

باردوم = صاحب مونس المخلصین ، حضرت شاہ آغاؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے مجموعہ وظائف اور قلمی نسخہ دلائل الخیرات کا مجھے عنایت فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ " بابا اس مجموعہ میں والد گرامی قدرؒ کا ایک مکتوب بھی موجود ہے - جس میں انہوں نے اپنے والد صاحب قبلہؒ کے سانحۂ ارتحال کی خبر ، سندھ میں رہائش پزیر اپنے مریدین و مخلصین کو دی تھی - چاہئے کہ آپ اس کو بھی دیکھیں اور پڑھیں " -

---

1 - مزار حضرت آغا عبدالرحمان جان سرہندیؒ - المعروف بہ " درگاہ شریف " ہے -

اتنا فرمانے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ نے وہ مکتوب نکالا اور اس کو پڑھنا شروع کیا ، لیکن رقت گریہ کے سبب اس کو پورا نہ پڑھ سکے - مزید برآں فرمایا کہ " حضرت قبلہ والد صاحبؒ نے جو بھی مکاتیب و مراسل مجھے لکھے تھے وہ سب میں نے احتیاط سے جمع کرکے رکھے ہوئے ہیں " - یہ فرما کر ان تمام خطوط کا پلندہ مجھے عنایت فرمایا - مزید فرمایا کہ ان خطوط میں حضرت والد صاحب قبلہؒ نے مجھ ناچیز پر نہایت لطف و شفقت فرمائی ہے - اور یہاں تک کہ مجھے خطوط میں " عمرثانی " کہہ کر مخاطب کیا ہے - یعنی " ارجمندی برخوردار حسن جانؒ عمرثانی " - یہ فرمانے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے فرمایا کہ " میں بذات خود ، حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جان صاحبؒ کی جوتیوں اور خاک پا[1] کے برابر بھی نہیں ہوں - یہ محض ان کی محبت اور عنایت ہے کہ مجھے " عمر ثانی " کہتے ہیں " - یہ فرما کر حضرت آغا صاحبؒ شدت گریہ سے مغلوب ہو گئے اور اپنی جگہ پر لیٹ گئے -

بار سوم - ایک مرتبہ جب وقت سحر حضرت آغا صاحبؒ قبلہ جائے ضرورت پر تشریف لے جانے کے لئے اٹھے تو آپ کی " نکسیر " جاری ہوگئی اور اس قدر شدت کے ساتھ کہ حضرت قبلہ آغا صاحبؒ کا تمام لباس اور وہ جگہ جہاں آپ تشریف فرما تھے سب خون میں بھر گئی - حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کے ضعف اور جریان خون کی شدت کو دیکھتے ہوئے ، تمام اہل خانہ خوف زدہ ہو گئے- خیر خدا خدا کرکے تقریباً ایک ساعت کے بعد خون بند ہو گیا اور حضرت آغا صاحبؒ اپنے بستر پر دوبارہ آرام فرمانے لیٹ گئے - صاحب مونس المخلصین فرماتے ہیں کہ " صبح کے وقت جب میں حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا ، تو کسی نے مجھے بتایا کہ ایسا ایسا ہوا - اور نیز کسی نے یہ بھی

---

1 - مونس المخلصین = صفحہ نمبر 209

کہا کہ نکسیر خیر کی علامت ہے - یہ واقعہ سن کر میں حضرت آغا صاحبؒ کی
خدمت میں احوال پوسی کے لئے حاضر ہوا ، اور لوگوں کا یہ قول بھی گوش
گزار کیا کہ نکسیر خیر کی علامت ہے - حضرت قبلہ آغا صاحبؒ نے فرمایا کہ
" یہ تو مجھے خبر نہیں کہ نکسیر خیر کی علامت ہے یا شر کی ، مگر اتنا ضرور
ہے کہ جریان خون کافی ہوا ہے - " میں نے محسوس کیا کہ خود حضرت
آغا صاحبؒ نے جریان خون کی شدت کو خطرناک محسوس کیا ہے - اس سوچ
کے مطابق میں حضرت آغا صاحبؒ کے پاس سے اٹھا اور تھوڑی دیر کے بعد
دوبارہ حضرت آغا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی تسلی و دلداری
کے لئے عرض کیا کہ " حضرتؒ آپؒ تو اخراج خون سے نہ گھبراتے ہیں اور نہ
پرواہ کرتے ہیں ، لیکن اس زمانے میں دوران سفر حجاز بدوؤں نے آپ
پر حملہ کیا تھا اور آپ کا کافی خون نکلا تھا ، اس کے باوجود "حضرت کلاں"
یعنی حضرت خواجہ عبدالرحمان جان صاحبؒ نے ، جو اس وقت آپ کے ہمراہ
تھے ، آپ کے فصد کھولی تھی اور حجامت بنوائی تھی- اس وقت لوگ حیران
تھے کہ حضرت قبلہ خواجہ عبدالرحمان جان صاحبؒ یہ کیا کرتے ہیں کہ باوجود
اس قدر اخراج خون کے ، آپ کے فصد کھلواتے ہیں اور مزید اخراج خون
کا سبب پیدا کرتے ہیں ، حضرتؒ یہ واقعہ آپ کو یاد ہے یا نہیں "؟-

حضرت قبلہ آغا صاحبؒ نے یہ بات سن کو جواب میں بہ زبان افغانی فرمایا
کہ " ہاں یہ واقعہ مجھے یاد ہے اور یہ مجھ پر میرے والد گرامی قدر و مرشد
حضرت خواجہ عبدالرحمان جان صاحبؒ کی مہربانی تھی- " حضرت خواجہ
عبدالرحمان جان صاحبؒ کا نام نامی زبان مبارک پر آتے ہی حضرت آغا صاحبؒ
پر رقت طاری ہو گئی اور خاموش ہو گئے -

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

" حضرت آغا صاحبؒ کی خاتم و مہر کا بیان " ع/۱

حضرت قبلہ آغا محمد حسن جان سرہندی صاحبؒ کا معمول تھا کہ وہ عام و رسمی خطوط پر فقط اپنے دستخط ثبت فرماتے تھے اور ان خطوط پر اپنا نام " محمد حسن جانؒ عفی عنہ " لکھا کرتے تھے - کبھی کبھی اس نام سے پہلے لفظ " فقیر " کا بھی اضافہ فرمایا کرتے تھے - ان عام خطوط کے بارے میں بھی حضرت صاحبؒ اس بات کا نہایت احتیاط کے ساتھ التزام فرماتے تھے کہ آپ کے نام کا پہلا لفظ یعنی " محمد " ضرور بالضرور لکھا جائے - اس سلسلے میں یہاں تک ہوتا تھا کہ اگر کبھی کسی مرید یا عقیدت مند نے دیگر القاب و آداب کے ساتھ آپ کو صرف " حضرت حسن جانؒ " یا " خواجہ حسن جانؒ " لکھا ہوتا تھا تو اس پر ناراض ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ " میرے نام کا سرتاج " محمدؐ " ہے ، مجھے آپ نے اس سے کیوں محروم کر دیا " -

حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کی خاتم کا نگینہ " عقیق سیاہ " کا تھا جو کہ گول مائل بہ بیضوی شکل میں تھا اور اس کا حلقہ چاندی کا بنا ہوا تھا -

حضرت آغا صاحبؒ کی مہر ہمیشہ ان کی جیب کے اندر " بٹوے " میں رہتی تھی جس کو وہ ضروری کاغذات پر بذات خود لگایا کرتے تھے - یہ مہر حضرت آغا صاحبؒ ان خطوط پر بھی لگایا کرتے تھے جو کہ مریدین و مخلصین اور دیگر نیاز مندوں کو بطور سفارش کسی جائز کام کے لئے دیا کرتے تھے -

ع/۱ - مونس المخلصین - عبداللہ جان آغا - ص 218-

" کیفیت بیماری و احوال مرض الموت۔ حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ "

حضرت آغا محمد حسن جان صاحب سرہندیؒ کی بیماری کی ابتداء درد گردہ سے شروع ہوئی - اس درد کا علاج شروع میں حضرت شاہ آغاؒ نے اس کو ریاحی اور بادی کا درد سمجھتے ہوئے کیا - چار پانچ روز کے بعد درد کی شدت تو کچھ کم ہو گئی - لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ حضرت آغا صاحبؒ کو " حبس البول " یعنی پیشاب نہ آنے کی شکایت پیدا ہوئی - اس پر حیدرآباد سے " ڈاکٹر عبدالعزیز پاٹ والے " کو بلایا گیا - اور ان کے معائنہ اور مشورے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ کو " ایکس رے " معائنہ کے لئے حیدرآباد بذریعہ کار لے جایا گیا ، تاکہ پیشاب نہ آنے کا سبب معلوم ہو سکے۔

آخر کار یہ معلوم ہوا کہ مرض کا اصل سبب " ضعف گردہ " ہے - جس کی وجہ سے گردے اپنا اصل کام یعنی " پیدائش اور اخراج بول " انجام نہیں دے رہے ہیں - اس سبب کو سامنے رکھتے ہوئے علاج شروع ہوا لیکن کچھ دن گزرنے کے بعد بھی مرض میں کوئی افاقہ محسوس نہیں - بلکہ حضرت آغا صاحبؒ کو مزید تکالیف ، مثلاً بواسیر کے مسّوں کا ابھر آنا - اور کثرت پیچش وغیرہ بھی لاحق ہو گئیں -[1]

اس صورتحال کے پیش نظر حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کے اہل خانہ اور صاحبزادگان کے مشورے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ اجمیر شریف سے " حکیم نظام الدین صاحب " کو فوری طور پر بلوایا جائے اور ان سے علاج کروایا جائے اس فیصلے کے تحت " ٹیلی گرام " کے ذریعہ حکیم موصوف کو اجمیر شریف میں اطلاع دی گئی ، جس پر وہ فوراً شنڈو سائیں داد تشریف لے آئے اور حضرت آغا صاحبؒ کے تفصیلی معائنہ کے بعد ان کا علاج شروع کردیا - اور دن میں دو مرتبہ یعنی صبح اور شام کو حضرت آغا صاحبؒ کا معائنہ بھی کرنا شروع کیا۔

---

1 - مونس المخلصین - از حضرت شاہ آغاؒ - صفحہ نمبر 224

اس زمانے میں حضرت آغا صاحبؒ اپنی رہائش گاہ کے بالا خانہ پر تشریف رکھتے تھے وہاں پر مریدین اور مخلصین اور دیگر احوال پرسی کے خواہش مندوں کی آمد کی وجہ سے مستورات کو بار بار پردہ کرنے کی تکلیف ہوتی تھی - مزید یہ کہ گرمی کا موسم تھا اور لوگوں کے اژدہام کی وجہ سے جگہ تنگ اور مزید گرم محسوس ہوتی تھی - ان سب وجوہات کی بنا پر حضرت صاحب کے صاحبزادے خواجہ عبدالستار جانؒ اپنی درخواست اور حضرت آغا صاحبؒ کی رضامندی سے حضرت آغا صاحبؒ کو اپنی رہائش گاہ پر لے گئے جہاں مزکورہ بالا تکالیف کا ازالہ ہو گیا اور حضرت آغا صاحبؒ کا علاج وہاں پر حکیم نظام الدین کرتے رہے - اسی عرصہ میں حضرت آغا صاحبؒ کو بخار و حرارت کی بھی شکایت پیدا ہو گئی ، جو کہ آخر دم تک قائم رہی -

حکیم نظام الدین نے بیس روز تک شبانہ روز محنت اور بہ جان و دل کوشش کے باوجود جب حضرت آغا صاحبؒ کی حالت میں کوئی بہتری نہ پائی ، تو انہوں نے حضرت آغا صاحبؒ سے واپس جانے کی اجازت طلب کی اور واپس اجمیر شریف تشریف لے گئے - حضرت آغا صاحبؒ نے انہیں اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا -

حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے حکیم نظام الدین اجمیری صاحب کے رخصت ہونے کے بعدکوئی باقاعدہ علاج نہ کروایا ، اور مزید یہ کہ انہوں نے اپنی غذا بھی بالکل بند کردی - اور صرف پانی پر ہی اکتفا کرنا شروع کیا - اس سلسلے میں صاحب مونس المخلصین لکھتے ہیں کہ " سب دوائیں بند کروادیں تھیں علاوہ اس " ہومیوپیتھک " دوا کے جو کبھی کبھی میرے برادرعبدالستار جان کسی حیلے بہانے سے پلا دیا کرتے تھے ، کیونکہ وہ دوا بے رنگ اور بے بو ہوتی تھی - "

حضرت آغا صاحبؒ کے غذا بند کرنے کے بارے میں بھی وہ فرماتے ہیں

که " اکثر دیکھا گیا ہے کہ دوران بیماری ، بیمار افراد کی بھوک ختم ہوکر رہ جاتی ہے ، لیکن اس قدر نہیں ، جیسا کہ حضرت آغا صاحبؒ نے اپنی زندگی کے آخری تین ہفتے غذا سے مکمل اجتناب کیا۔" نمبر1

آخرکار وہ وقت آ ہی گیا جب کہ حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے داعیٔ اجل کی پکار پر لبیک کہا ۔ بہ قول حضرت عبداللہ شاہ عرف شاہ آغاؒ ، مصنف مونس المخلصین ، " دو شنبہ بتاریخ 2 رجب المرجب 1365ھ کو ظہر اور عصر کے کے درمیان تقریباً پانچ بجے آغا محمد حسن جان سرہندیؒ نے وصال فرمایا ۔ وقت وصال کی کیفیت بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ شاہ عرف شاہؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت آغا صاحبؒ کی حالت انتہائی نازک ہوگئی تھی تو اس وقت میں اور میری ہمشیرہ المعروف بہ " حضرت بی بی " حضرت آغا صاحبؒ کے پاس حاضر تھے ۔ حضرت صاحبؒ اپنے بستر پر تکیوں سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے میں نے درخواست کی کہ " یا حضرت کیا میں آپ کو بستر پر لٹا دوں " حضرت صاحبؒ کی رضامندی پا کر میں نے آپ کو بستر پر لٹا دیا " ابھی ذرا سا ہی وقت گزرا تھا کہ میری ہمشیرہ نے گھبراہٹ کے ساتھ مجھے پکار کر کہا کہ " بھائی ذرا آکر دیکھیں کہ حضرت صاحبؒ کا کیا حال ہوگیا ہے "؟ حضرت عبداللہ شاہؒ فرماتے ہیں کہ " میں نے دیکھا تو جان لیا کہ حضرت آغا صاحبؒ پر نزع کا عالم طاری ہے " میں نے سورہ یٰسین پڑھنی شروع کی ۔ ابھی میں نے نصف بھی نہ پڑھی تھی کہ حضرت آغا صاحبؒ نے اپنی جان ، جان آفریں کے سپرد کر دی ۔ " اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن "

حضرت آغا صاحبؒ کی نماز جنازہ اگلے روز اشتراق کے وقت ان کی بنوائی ہوئی مسجد ، ٹنڈو سائیں داد میں ادا کی گئی ۔ اور انہیں ان کے والد کے مزار کے پہلو میں احاطۂ درگاہ شریف میں سپرد خاک کیا گیا ۔

1 ۔ مونس المخلصین ۔ صفحہ نمبر 225

" حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کے دوران بیماری، اقوال و افعال " ع/

1 - حضرت صاحبؒ قبلہ نے اپنی بصیرت سے غالباً یہ اندازہ کر لیا تھا کہ ان کی بیماری آخر کار ان کے وصال پر ختم ہو گی - اسی لئے بیماری کے آغاز میں چوتھے روز جب درد گردہ میں کچھ تخفیف ہوئی تو حضرت آغا صاحبؒ اپنی رہائشی چھوٹی حویلی سے اہل خانہ کی رہائش گاہ بڑی حویلی میں تشریف لائے اور وہاں بالا خانہ پر تشریف فرما ہوکر اپنی تمام اولاد کو طلب فرمایا اور ان کو نہایت قیمتی پند و نصائح سے نوازا اور آپس میں متحد ہوکر اتفاق و پیار کے ساتھ زندگی گزارنے کی ہدایت و تلقین فرمائی -

اس کے بعد حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے اپنے صندوق میں سے ایک بڑی رقم نکالی - اور اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ شاہؒ کو ، جو نہ صرف اس واقعے کے راوی ہیں ، بلکہ اس وقت وہاں پر موجود بھی تھے ، نزدیک بلا کر فرمایا کہ " یہ رقم میرے پاس جمع شدہ ہے - تم لڑکوں کو میں پہلے ہی زمینیں دے چکا ہوں - یہ کل رقم بیس ہزار روپیہ ہے - تم اس میں سے پندرہ ہزار روپیہ الگ کرکے دس مستورات یعنی میری ساتوں بیٹیوں ، ایک بہن اور دو ازدواج میں فی کس پندرہ سو کے حساب سے تقسیم کردو-" حضرت عبداللہ شاہؒ نے جب اس حکم کی تعمیل حسب ارشاد کر دی تو مزید پانچ ہزار روپیہ ان کو دیتے ہوئے فرمایا کہ " یہ رقم میرے وصال پر میرے لئے خیر و خیرات کے لئے رکھ لو " اس کے علاوہ مزید دو سو روپیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ " یہ رقم صدقہ و خیرات کے لئے رکھ لو " ان سارے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد حضرت صاحبؒ نے اس تھیلے کو ، جس میں یہ ساری رقم تھی ، اونچا کرکے زمین پر پٹخ دیا اور فرمایا کہ " اچھا ہوا ، کہ اس چیز سے بھی فارغ ہو گیا "- یہ فرما کر حضرت آغا صاحبؒ اپنے بستر پر آرام فرمانے لیٹ گئے -

2 - دیگر یہ کہ حضرت آغا صاحبؒ نے تمام عرصہ مرض الموت کے دوران قضائے حاجت کے لئے " کموٹ " کا استعمال پسند نہ فرمایا بلکہ اپنے پلنگ کے نزدیک ھی پردہ بنا کر اینٹوں کے چوکے بنوائے اور ان کو کام میں لائے -

3 - حضرت آغا صاحبؒ نے شدید بیمار ھونے کے باوجود جہاں تک طاقت و ھمت نے ساتھ دیا ، خوش طبعی کو ھاتھ سے نہ جانے دیا - اس سلسلے میں حضرت آغا صاحبؒ کے فرزند ارجمند حضرت عبداللہ شاہؒ ایک واقعہ بیان کرتے ھیں کہ " جب حکیم نظام الدین اجمیری ، حضرت آغا صاحبؒ کے علاج کے لئے اجمیر شریف سے آئے ، تو کیونکہ ان حکیم صاحب کی آغا صاحبؒ کی خدمت میں یہ پہلی حاضری تھی ، اس لئے حکیم صاحب نے پہلے حضرت آغا صاحبؒ کی دست بوسی کی اور پانچ روپیہ بہ طور نذر پیش کئے - جب حکیم صاحب مزاج پرسی کے بعد باھر تشریف لے گئے ، تو گھر کی مستورات تشریف لے آئیں - اور حضرت عبداللہ شاہ آغاؒ کی والدہ نے اپنے شوھر یعنی حضرت آغا صاحبؒ کی مزاج پرسی کے بعد دریافت فرمایا کہ " حکیم صاحب نے آپ کا معائنہ کیا ، انھوں نے کیا کہا ھے "؟ - حضرت آغا صاحبؒ نے اپنی ان زوجہ کو نہایت خوش طبعی کے ساتھ جواب دیا کہ " حکیم صاحب نیک انسان ھیں ، ادھر ادھر کی باتیں کرتے رھے اور پانچ روپے بہ طور نذر بھی پیش کئے ھیں "- حضرت عبداللہ شاہؒ فرماتے ھیں کہ " جب میری والدہ نے جھنجھلا کر فرمایا کہ " آپ ان پانچ روپیوں پر بڑے خوش ھیں " حضرت آغا صاحبؒ نے جواباً فرمایا کہ " کیوں خوش نہ ھوں - اگر آپ کو کوئی شخص کوئی چیز دے تو کیا آپ خوش نہ ھوں گی -"

4 - ایک اور واقعہ حضرت عبداللہ شاہؒ اپنے والد گرامی قدر یعنی حضرت آغا محمد حسن جان سرھندیؒ کا ، دوران بیماری کا بیان کرتے ھوئے لکھتے ھیں کہ " ایک روز صبح کے وقت میں حضرت آغا صاحبؒ کی چارپائی پر بیٹھا

ھوا ، آپ کے پیروں کی مالش اور دبانے میں مصروف تھا - کہ حضرت آغا صاحبؒ نے گزشتہ شب میں بیماری کا شدید ھونا بیان فرمایا - میں نے عرض کیا کہ " یا حضرت یہ وقت آپ کے مراقبہ اور ذکر کرنے کا ھے - آپ اس میں مصروف ھو جائیں ، تا کہ دیگر تمام تفکرات دور ھو جائیں اور دل کو راحت پہنچے " حضرت آغا صاحبؒ قبلہ غالباً یہ سمجھے کہ ان سے مراقبہ اور ذکر کرنے کے لئے کہا جا رہا ھے ، اس لئے انہوں نے فرمایا کہ " بابا مجھ میں بیٹھنے کی طاقت نہیں ھے "- حضرت عبداللہ شاہؒ نے حضرت آغا صاحبؒ سے عرض کیا کہ " یا حضرتؒ میں نے آپ سے بیٹھنے اور مراقبہ کرنے کی درخواست نہیں کی ھے ، بلکہ آپ جس حالت میں استراحت فرما ھیں ، اسی حالت میں اپنے دل کی طرف متوجہ اور مشغول ھو جائیں -" حضرت آغا صاحبؒ نے فرمایا کہ " ھاں ایسا کر لوں گا -"

" قطعات تاریخ وفات ؛ بروفات حضرت آغا صاحبؒ "

ذیل میں حضرت آغا محمد حسن جان سرھندیؒ کے مریدوں ، مخلصوں اور عقیدت مندوں کے وہ قطعات پیش کئے جاتے ھیں ، جو انہوں نے حضرت آغا صاحبؒ کی وفات پر کہے اور ان قطعات سے حضرت آغا صاحبؒ کا سال وفات یعنی 1365 ھ ظاھر کیا ھے -

1 - قطعۂ تاریخ وفات از حضرت رشید احمد صاحب مجددی رامپوری " ۱ "

عارفِ کامل اٹھا دنیا سے کیسا ھائے ھائے
طالبانِ دیں کا غم سے دل ھوا جاتا ھے شق

جس کے اک ادنا اشارے سے ھوا کرتے تھے حل
مسئلے علمِ طریقت کے ادق سے بھی ادق

ھو رھی ھے اھلِ عرفاں میں یہ باھم گفتگو
ھو گیا گم اب کتابِ معرفت سے اک ورق

مولنی احکیمن . ص . 231

فکر ہے تاریخ رحلت کی تو کہہ دو اے رشید

مرشدِ کامل امیر مسلک معنی قطب حق

1365 ھ

2 ۔ قطعہ تاریخ وفات ، از جناب محمد ابراہیم مجددی کابلی ، تخلص خلیل

حضرت نامی سند شیخ محمد حسن

فرد مجدد نسب ، زبدۂ اہل زمن

جامع علم و عمل مرجع وابستگان

سال ورود ش بود وصف این انجمن

آں صدف جان پاک ، واں گہر تابناک

حیف کہ شد زیر خاک آہ کہ ما انداز سخن

سال وفاتش ز غیب ، یافت خلیل این سروش

مصدرِ علو مقام کرد بہ جنت وطن

1365 ھ

3 ۔ قطعہ تاریخ وفات از جناب صاحبزادہ محمد سلیم جان مجددی ۔ ع / 1

سید ما قبلۂ ما مرجع و ماوائی خلق

خاصۂ حق نائب حضرت محمد مصطفیٰ[41]

یوم اثنین بود و تاریخ دوم ماہ رجب

درزمین آسودہ گنج فیض وعرفان وہدا

روح پاکش چوں تمنائے وصال حق نمود

از حریم قدس اہل عرش را آمد ندا

بابِ رحمت وا کنید اِھلاً وَسہلاً مَرحَباً

تنقر لہ آورید این دوست ما را نزد ما

1365 ھ

خانقاہ عالیہ مجددیہ سیدا ، شیخ عبدالعزیز / ضمناً ص ۔ 64

4 ـ قطعه تاریخ وفات ومرثیه از زبدته العلماء مولوی حافظ محمد ابراهیم صاحب ـ

عا

آه از رحلتِ ولئ جهان

قطب عالی مقام و غوث زمان

عالم و حافظِ کلام اللّٰه

رهبرِ خلق حضرتِ یزدان

مقتداء و مجددِ ملت

پیشوائے سبیل راهِ روان

غازی و هم مهاجر و خوش خلق

هم کریم و سخی و ذو احسان

در شریعت نظیر نعمان[نمبر1] بود

در طریقت چوں عارف خرقان[2]

در عرب و عجم مریدانش

هم به پنجاب و سندھ و هندستان

تاجِ آل امامِ ربانی[3]

فانئ ذات ایزدِ سبحان

کرد رحلت بروزِ دو شنبه

بعد ادائے نمازِ ظهر عیان

بود روز دوم ز ماه رجب

که نمود انتقال آں ذیشان

(جاری هے)

---

1 ـ حضرت امام اعظم ـ ابو حنیفه ، حضرت نعمان بن ثابت رحمته اللّٰه علیه

2 ـ حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی رحمته اللّٰه علیه

3 ـ حضرت شیخ احمد سرهندی ، مجدد الف ثانی رحمته اللّٰه علیه

چوں تفحص نمودم از تاریخ
پاسخم دل چنیں بگفت رواں
تا ظما حین نزع جان پاک
کلمۂ پاک داشت ورد زبان
1365ھ

****

۱؎ - مونس المخلصین - عبداللہ جان آغا - ص 231

ع/۱

"تذکرہ مناکحت و ازواج ، حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ"

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ نے تین عقد فرمائے تھے جن کے بارے میں تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے -

حضرت آغا صاحبؒ کا عقد اول

حضرت آغا صاحبؒ کا پہلا نکاح آغاز جوانی میں جناب عبدالرحیم صاحب کی محترم و معزز صاحبزادی سے ہوا - ان زوجہ محترمہ سے حضرت آغا صاحبؒ کے ہاں پانچ صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں تولد ہوئیں اس اولاد میں سے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں اوائل میں ہی وفات پا گئیں - بقیہ تین صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں بقید حیات رہیں تھا

حضرت آغا صاحبؒ کا عقد دوم

حضرت آغا صاحبؒ کا دوسرا نکاح بہ عمر تقریباً ساٹھ سال جناب محمد فاروق صاحب کی عفت مآب صاحبزادی سے کراچی میں ہوا - ان زوجہ کے بطن سے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں بد قسمتی سے جب حضرت آغا صاحبؒ 1935ء مئی میں کوئٹہ تشریف لے گئے اور وہاں پر وہ قیامت خیز زلزلہ آیا جس نے سارے شہر کو برباد اور غارت کر کے رکھ دیا تو اسی خوفناک زلزلہ میں حضرت آغا صاحبؒ کی یہ زوجہ محترمہ اور انہی زوجہ کی اولاد میں سے تین صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے جن میں سے ایک کی عمر تقریباً پانچ سال اور دوسرے شیر خوار تھے ، مزکورہ بالا زلزلے میں مکانات کے گرنے سے دب کر ہلاک ہو گئے - ان زوجہ محترمہ کے صرف ایک صاحبزادے مسمی محمد حنیف اس زلزلۂ قیامت کا شکار ہونے سے محفوظ رہے کیونکہ وہ حضرت آغا صاحبؒ کے ساتھ کوئٹہ نہیں جا سکے تھے اور وہ اس وقت اپنی خالہ کے ہاں کراچی میں مقیم تھے -

مرکز الملخصین ۔ عبداللہ جان آغا ۔
ص ۔ 232 — 244

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

حضرت آغا صاحبؒ کا عقد سوم

حضرت آغا صاحبؒ کا تیسرا نکاح مسمات "عائشہ بی بی" سے ہوا جو کہ کوئٹہ شہر کے نزدیکی علاقے "کلی گل محمد" کے خاندان سادات سے تھیں - ان کے والد صاحب کا اسم گرامی "علی جان آغا" تھا - اس نکاح کا پس منظر یہ ہے کہ جب کوئٹہ کے زلزلے میں حضرت آغا صاحبؒ کی ایک زوجہ محترمہ، دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں وفات پا گئیں تو اس وقت حضرت عائشہ بی بی کے برادران "سید موسیٰ جان آغا" اور "سید صاحب جان آغا" نے حضرت آغا صاحب کی تالیف قلب اور ان کے غم میں عملی شرکت کا اظہار کرنے کے لئے حضرت آغا صاحبؒ کو اپنی ہمشیرہ "عائشہ بی بی" کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا - اس وقت حضرت آغا صاحبؒ کی عمر شریف تقریبا پچھتر (75) سال کی ہو چکی تھی - حضرت آغا صاحبؒ نے نکاح کے اس پیغام کے جواب میں فرمایا کہ "اب میری عمر نکاح کرنے کے قابل نہیں رہی اور نہ ہی میں مال و دولت رکھتا ہوں کہ جس کے ورثے میں ملنے کی امید کی جائے، کیونکہ میں اپنی کل املاک و جائیداد اپنے صاحبزادوں میں تقسیم کر چکا ہوں" -

مزکورہ بالا جواب پا کر "عائشہ بی بی" کے برادران نے جواب دیا کہ "اس نکاح سے ہمارہ کچھ اور مطلب و مقصد نہیں ہے بلکہ ہم تو صرف آپ کی دلجوئی کے لئے اس نکاح کا پیغام دے رہے ہیں" -

یہ جواب سن کر حضرت آغا صاحبؒ نے اس نکاح پر اپنی رضامندی ظاہر کردی اور 1936ء میں یہ نکاح کوئٹہ میں ہوا - حضرت آغا صاحبؒ کی ان زوجہ سے کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی -

" تذکرہ اولاد امجاد حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ "

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کے ان شیرخوار و کم عمر صاحبزادگان کے علاوہ جو کوئٹہ میں مئی 1935ء میں زلزلے کا شکار ہو کر وفات پا گئے - آپ کی باقیماندہ اولاد نرینہ کی تفصیل درج ذیل ہے -

1 - حضرت عبداللہ جان عرف " شاہ آغاؒ "

حضرت عبداللہ جان عرف شاہ آغاؒ اپنی تصنیف مونس المخلصین کے صفحہ نمبر دوسوچھتیس (236) پر خود اپنے بارے میں بیان فرماتے ہیں کہ " میری پیدائش " ٹکھر " کے گاؤں میں ، ماہ جمادی الاول کی آٹھ تاریخ کو 1305 ھجری میں ہوئی - چونکہ میں " حضرت کلاں " یعنی حضرت آغا عبدالرحمٰن جان سرہندی کے خاندان کی پوتیوں اور نواسیوں کے پیدا ہونے کے بعد پہلا فرزند نرینہ پیدا ہوا تھا اس لئے میری پیدائش پر نہایت خوشی و شکر خدا وندی کا اظہار کیا گیا جب میں کچھ بڑا ہوا تو حضرت جد بزرگوار یعنی حضرت عبدالرحمان جان سرہندیؒ اور میری دادی نے مجھ سے نہایت محبت اور شفقت کا اظہار فرمایا ، یہاں تک کہ جد بزرگوار مجھے اپنے ساتھ ، اپنی چارپائی پر سلاتے تھے - اور میرے سوتے وقت اور سونے سے اٹھنے کے بعد مجھ پر ادعیۂ ماثورہ دم کرتے تھے -"

حضرت عبداللہ جان عرف شاہ آغاؒ " نے قرآن پاک کی ابتدائی تعلیم و فارسی زبان اپنے والد گرامی قدر حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ سے حاصل کی - اس کے علاوہ انہوں نے قرآن پاک کی کچھ تعلیم حضرت " حافظ محمد اسماعیل " سے اور فارسی کے کچھ اسباق " شیخ نور محمد ٹکھرائی " سے بھی پڑھے -

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ بذات خود بھی حضرت عبداللہ شاہؒ کی تعلیم و تربیت پر گہری نگاہ رکھتے تھے اور اس بارے میں خود بھی

نہایت فعال رہتے تھے ۔ اس سلسلے میں حضرت عبداللہ شاہؒ اپنے ذاتی ، دو واقعات بیان فرماتے ہیں[1] کہ " ایک مرتبہ میں نے فارسی کی کتاب " بوستان[2] " میں سے حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ کو اپنا سبق پڑھ کر سنایا ، جو کہ حضرت آغا صاحبؒ نے مجھے پہلے دیا تھا ، مجھے سبق پوری طرح یاد نہ ہو سکا تھا ۔ حضرت آغا صاحبؒ کو یہ دیکھ کر غصہ آیا ۔ اور میں نے جو ایک افغانی کلاہ سر پر اوڑھے ہوئی تھی ۔ اس کو پکڑ کر زور سے کھنچا ۔" اس سلوک سے غالبا حضرت آغا صاحبؒ کی مراد اپنے صاحبزادے حضرت شاہ آغاؒ کو تنبیہہ کرنا تھی ۔

دوسری مرتبہ بہ قول حضرت عبداللہ شاہ عرف شاہ آغاؒ " میں ایک مرتبہ چھوٹی عمر میں بچوں کے ساتھ کھیل میں اس طرح اور اس قدر مگن ہو گیا کہ مغرب کی نماز بھی ادا نہ کر سکا ۔ اسی دوران حضرت آغا صاحبؒ مسجد سے برآمد ہوئے ، جب انہوں نے میری یہ غفلت ملاحظہ کی ، تو بہ طور نصیحت مجھے مضبوطی کے ساتھ ہاتھ سے پکڑ لیا اور میری گردن کی پشت پر دو تین طمانچے رسید کئے ۔"

حضرت عبداللہ شاہؒ مزید فرماتے ہیں کہ حضرت آغا صاحبؒ نے میری ہر طرح کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ۔ یہاں تک کہ میری تحریر کو خوش خط بنانے کے لئے مجھ سے وہ لوح یعنی تختی بھی لکھوایا کرتے تھے ، جس پر حروف کندہ کئے گئے تھے اور مجھے حکم تھا کہ عین انہی حروف پر لکھوں اور بالکل ویسا ہی لکھوں ، جیسا کہ تختی پر نقش ہے ، تاکہ تحریر پختہ اور خوش نما ہو جائے ۔ "

---

1 ۔ مونس المخلصین ۔ صفحہ نمبر 237 ۔ از حضرت عبداللہ جان عرف شاہ آغاؒ ۔

2 ۔ حضرت شیخ سعدیؒ کی مشہور و معروف تصنیف

اس طرح مجھ پر یہ لازم تھا کہ فارسی اشعار کی کتاب " عطائی نامہ " جو کہ بہ لحاظ حروف تہجی " الف " سے " یے " تک منظوم اور غزلوں سے بھرا ہوا ہے ، اس کو پوری طرح یاد رکھوں تاکہ " بیت بازی " کے مقابلے میں اپنے کسی ہم جماعت یا ہم سن سے مات نہ کھاؤں ۔"

اسی طرح جب حضرت عبداللہ شاہ آغا کی عمر دس سال کی ہوئی تو اس وقت وہ فارسی کی تعلیم سے فراغت حاصل کر چکے تھے ۔ اس کے بعد ان کی عربی کی تعلیم شروع کی گئی ۔ جس کے ابتدائی اسباق ان کو ان کے عالم و فاضل دادا حضرت عبدالرحمان جان صاحب نے دئیے ۔ اسی اثنا میں حضرت عبدالرحمان جانؒ نے سفر حج اختیار کیا ۔ اور ان کے صاحبزادے حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ اس سفر کے بندوبست میں انتہائی مصروف ہوگئے ۔ اس لئے نہ تو حضرت عبدالرحمان جان اور نہ ہی ان کے صاحبزادے حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ کے پاس اس دوران اتنا وقت اور فرصت رہی کہ وہ حضرت عبداللہ جان آغاؒ کو بذات خود عربی کی تعلیم دے سکتے ۔ اس وجہ سے اس دوران مولوی محمد عبدالقیوم بختیار پوری کو حضرت عبداللہ جان آغاؒ کی تعلیم کے لئے مقرر کیا گیا ۔

اسی دوران حضرت عبدالرحمان جانؒ صاحب نے اپنے پوتے حضرت عبداللہ جان آغاؒ کو شرف مریدی سے نوازا ، اور داخل راہ سلوک و طریقت کیا ۔ مزید برآں سندھ کے اس وقت کے نہایت منتخب اور چیدہ چیدہ علماء کو حضرت عبداللہ جان آغاؒ کی تعلیم و تربیت کے لئے مقرر فرمایا ، جن میں " الحاج الحافظ مولوی لعل محمد متعلویؒ صاحب ، مخدوم حاجی حسن اللہ پاٹائیؒ اور مولوی خیر محمد مگسیؒ " جیسے ذی قدر اور ممتاز علماء کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں ۔ حضرت عبدالرحمان جانؒ اور حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ

1 ۔ مونس المخلصین ۔ صفحہ نمبر 238 ۔

کسی نے بھی حضرت عبداللہ جان آغاؒ کی تعلیم و تربیت کا اس قدر عمدہ و اعلیٰ انتظام اندرون خانہ ہی کردیا کہ ان کو طلب علم و حصول تعلیم کے لئے بیرون خانہ جانے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی -

مزکورہ بالا اساتذہ کرام و عالمان ذی احترام کے علاوہ حضرت عبداللہ جان آغاؒ کو حضرت عبدالرحمان جانؒ نے نہ صرف " تفسیر جلالین " اور مشکوٰۃ شریف کی تعلیم دی ، بلکہ ان کو " صحاح ستہ " کا از اول تا آخر دور بھی پورا کروایا - حضرت آغا عبدالرحمان جان صاحبؒ نے یہ سب کتب اور صحاح ستہ کا دور اپنی ذاتی نگرانی میں کروایا - کیونکہ حضرت صاحبؒ نے خود فن حدیث کی تعلیم عربستان سے حاصل کی تھی اور وہ سندھ کے علماء کے مقابلے میں اس فن شریف کی گہرائیوں ، گیرائیوں اور باریکیوں کو زیادہ بہتر اور عمدگی سے سمجھتے تھے -

جب حضرت عبداللہ جان آغاؒ کی عمر شریف پندرہ سال کی ہوئی تو ان کا عقد حضرت خواجہ محمد حسن جان صاحبؒ کی بھانجی بنت عبدالقدوس سے کردیا گیا - اور ان کی شادی کے بعد ان کو اپنی رہائشی حویلی کے پہلو میں نئی رہائش گاہ تعمیر کروا کر دے دی -

مزکورہ بالا اہلیہ سے حضرت عبداللہ جان آغاؒ کے ہاں پہلے ایک دختر اور پھر ایک صاحبزادے تولد ہوئے ، جن کا اسم گرامی خود حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ نے " غلام صدیق " تجویز کیا ، لیکن یہ صاحبزادے بقضائے الہٰی پانچ سال کی عمر میں وفات پا گئے -

حضرت عبداللہ جان آغاؒ اس سلسلے میں اپنی کتاب مونس المخلصین میں رقم طراز ہیں کہ " میرے فرزند کی اس وفات سے ، اور مزید چند اور اموات سے جو کہ ہمارے خاندان میں میرے صاحبزادے کی وفات کے بعد

---

1 - صحاح ستہ - احادیث شریفہ کی چھ مستند ترین کتب یعنی 1- صحیح بخاری 2- صحیح امام مسلم (3) ابن ماجہ (4) مسند ابوداود (5) ترمذی اور (6) نسائی

واقع ہوئیں ، میرا دل سخت افسردہ و ملول ہوا ، طبیعت انسانوں کی صحبت سے بیزار و پریشان ہونے لگی اور مزاج میں نہایت درجہ وحشت پیدا ہو گئی اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ نے میری تالیف قلب و طبیعت کی شگفتگی کی بحالی کے لئے مجھے میرے چند احباب کے ہمراہ مرغابی کے شکار کے لئے بھیج دیا تاکہ دل سے صدمے کا اثر کم ہو اور طبیعت سکون پذیر ہو جائے - کچھ دن میں اس شکار میں مصروف رہا اور دوران شکار میرے دل سے صدمے کا اثر اور طبیعت کی وحشت واقعی کم رہی شکار سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ نے مجھے بطور زیارت اور سیر و تفریح ہندوستان ، بالخصوص سرہند شریف بھیج دیا -

جب حضرت عبداللہ جان آغاؒ مزکورہ بالا شکار و سیر و زیارات کے بعد دوبارہ اپنی رہائش گاہ ٹنڈو سائیں داد تشریف لائے تو حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ نے ان کی دوسری شادی کے لئے حضرت ضیاء احمد ملیروالے سے ان کی صاحبزادی کے رشتہ کی درخواست کی اور ان کی منظوری حاصل ہونے کے بعد حضرت عبداللہ جان آغاؒ کی دوسری شادی وہاں کر دی گئی[1] -

حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ نے جب 1332ھ میں سفر حجاز اور شام و عراق اختیار کیا تو حضرت عبداللہ جان آغاؒ کو بھی اپنے ہمراہ ہونے کا شرف بخشا اور تمام زیارات سفر مزکورہ سے فیوض و برکات کے حصول کا موقع عنایت فرمایا -

حضرت عبداللہ جان آغاؒ مونس المخلصین میں اپنے بارے میں مزید رقم طراز ہیں کہ " نہایت خصوصی عنایت جو کہ حضرت قبلہ والد صاحب خواجہ محمد حسن جان صاحبؒ کی اس فقیر و عاجز کے حال زار پر تھی وہ یہ تھی

---

1 - مونس المخلصین - صفحہ نمبر 239

کہ حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے اس فقیر کے نام ایک خصوصی مکتوب لکھا تھا جس سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت خواجہ محمد حسن جان قبلہؒ نے اس فقیر کو مریدوں کو داخل سلسلہ کرنے کی اجازت و اجازت ارشاد مرحمت فرمائی ہے - اس مکتوب کے لکھنے کا پس منظر یہ ہے کہ 1359ھ میں حضرت آغا صاحب نے مجھے (حضرت عبداللہ جان آغاؒ کو) شمالی علاقہ جات میں رہائش پذیر اپنے مریدوں کی تلقین و اصلاح کے لئے بھیجنے کا فیصلہ کیا اور اس سلسلے میں مجھے تیار ہونے کا حکم فرمایا -

غالباً از راہ کسر نفسی ، حضرت عبداللہ جان آغاؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کام کی لیاقت خود میں نہ پائی اور میں نے اس سلسلے میں معذرت کا خط لکھ کر حضرت آغا صاحبؒ کی خدمت میں ارسال کیا -" میرے اس خط کے جواب میں حضرت آغا صاحبؒ نے زیر تذکرہ مکتوب مجھے ارسال فرمایا جس کا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے -

" برخوردار میں نے روانگی کے وقت آپ سے کہا تھا کہ آپ کے پاس جو شخص بھی طالب طریقت ہو کر آئے ، اس کو محروم نہیں کرنا چاہئے ایسے شخص کو تلقین و نصیحت ، شریعت شریف پر استقامت رکھنے کی کرنی چاہئے - آپ کو دوبارہ تحریر کیا جاتا ہے کہ اس ظلمت کے زمانے میں یہ " راہ مجددیہ " ہی وہ راہ نجات ہے کہ جس میں خصوصی طور پر ، اتباع سلف صالحین کی وجہ سے اصلیت کی خوشبو اور محبت کی مہک باقی ہے - اس فقیر کی عمر آخر کار آخیر تک آ پہنچی ہے - وہ امانت و اجازت عام جوکہ اس فقیر کو حضرت قبلہؒ[1] سے عطا ہوئی تھی ، الحمد للہ کے فقیر نے وہ بار امانت اس کے اہل[2] تک پہنچا دیا - خدا وند تعالیٰ آپ کو نیک توفیق

---

1 - حضرت قبلہؒ - حضرت آغا عبدالرحمان جان صاحبؒ -
2 - اہل - یہاں مراد حضرت عبداللہ جان آغا ہیں -

عنایت فرمائیں اور مخلصین کو آپ کی توجہ سے فیض یاب کرے - مزید یہ کہ وہ کاغذ یعنی رقعہ جو حضرت صوفی آغاؒ کے لئے ہے ، حضرت نور المشائخ شیر آغا کابلیؒ کی معرفت ڈاک کے ذریعہ بھیج دیا جائے اور اس پر مزید چار ٹکٹ لگا دئے جائیں - اس کے علاوہ ایک الگ خط ، اس فقیر کی طرف سے حضرت شیر آغاؒ کی خیریت معلوم کرنے کے لئے بھیجا جائے - اس کے علاوہ آپ اپنے حالات سفر اور اپنی اور اپنے رفیقوں کی خیریت سے مطلع کریں - برخوردار حاجت مندوں میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں - آپ کو چاہئے ہے کہ " خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاهلين" کے مضمون کے مطابق اپنا رویہ وعمل رکھیں - والسلام

28 محرم 1359ھ

روز جمعہ از درگاہ حضرت قبلہ

قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ

محمد حسن عفی عنہ

مزکورہ بالا مکتوب کے تذکرے کے بعد حضرت عبداللہ جان آغاؒ عرف حضرت " شاہ آغا " اپنے ذاتی حالات بیان فرماتے ہیں کہ

اس فقیر ، یعنی حضرت عبداللہ جان آغاؒ کے تین فرزند ہیں ، جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے -

1 - غلام علی جان - ان کی پیدائش " ٹنڈو سائیں داد " میں 21 ربیع الاول 1334ھ کو ہوئی - ان کے ساتھ ہی ایک توامہ صاحبزادی بھی تولد ہوئی تھیں جن کا نام " حلیمہ " رکھا گیا تھا - حلیمہ صاحبزادی ، کی وفات دو برس بعد ہی 22 محرم 1336ھ کو ہو گئی تھی -

غلام علی جان بچپن ہی سے سلیم الطبع واقع ہوئے تھے - انہوں

نے فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم " مولوی حاجی لعل محمدؒ " صاحب سے حاصل کی تھی -

2 - غلام نبی جان - ان صاحبزادے کی پیدائش " ملیر " میں 22 ربیع الاول 1342 ھ کو ہوئی - انہوں نے مروجہ کتب داسیہ اور علوم متداولہ کی تعلیم مدرسہ امینانی " سے حاصل کی ، جو کہ دادو شہر کے نزدیک واقع ہے -

3 - محمد سعید خان - ان کی پیدائش خاص عیدالفطر کے روز 1343 ھ کو " ٹنڈو سائیں داد " میں ہوئی - ان کا نام روز عید کی مناسبت سے ایک " س " کے اضافے کے ساتھ " سعید رکھا گیا -

حضرت عبداللہ جان آغاؒ عرف حضرت شاہ آغاؒ نے اپنی تصنیف یعنی " مونس المخلصین " کے اس مقام پر آکر اپنے ذاتی حالات کے بیان کے بعد اپنے خاندانی حالات بیان فرمائے - اپنے دوسرے بھائی " حاجی عبدالستار جان فرزند دوئم حضرت آغا محد حسن جان سرہندی کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں -

2 - برادرم حاجی عبدالستار جانؒ

ان کی پیدائش ماہ رجب میں 1311 ھ میں " سکھر " میں ہوئی - یہ نہایت عالی ہمت ، بلند حوصلہ اور ذہن رسا رکھتے ہیں - فضائل علمی و عبارت دانی اور معاملہ فہمی میں فاضلان زمانہ اور قابل مولویوں سے ہرگز کم نہیں - نہایت پر جوش و باہمت شخص ہیں - جب عربستان میں قحط واقع ہوا تو حضرت حاجی عبدالستار جان نے نہایت سرگرمی اور محنت کے ساتھ سندھ کے مختلف علاقوں سے گندم اور نقد رقم جمع کرکے حرمین شریفین کے فقراء و محتاج اور مساکین کے لئے خود حجاز مقدس لے جاکر یہ امداد تقسیم کی -

حضرت عبداللہ جان آغاؒ اپنے ان برادر حاجی عبدالستار جانؒ کی تعریف

میں مزید لکھتے ہیں کہ

اس سال جب حاجی عبدالستار جانؒ حرمین شریفین میں گندم اور نقد رقم کی امداد تقسیم کر کے واپس ٹنڈو سائیں داد تشریف لائے تو یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ ، ہمارے والد گرامی و مرشد ذیشان مرض الموت میں گرفتار اور بستر علالت پر استراحت فرما تھے۔ حضرت حاجی عبدالستار جانؒ نے اس صورتحال میں اپنے والد گرامی قدر یعنی حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندیؒ کی تیمارداری اور خدمت پر اس قدر محنت اور خلوص و محبت کے ساتھ کمر باندھی کہ بقول حضرت عبداللہ جان آغاؒ ،

" ہم دیگر افراد خاندان ، حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ کی بیماری کے دوران کبھی مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوتے تھے اور کبھی دوسرے ضروری کاموں کی دیکھ بھال کے لئے چلے جاتے تھے - لیکن برادرم عبدالستار جان دوسرے تمام کام فراموش کرکے روز و شب صرف حضرت والد صاحب قبلہ کی خدمت میں ہی برائے تیمار داری و خدمت گزاری حاضر رہتے تھے۔[1]

حضرت حاجی عبدالستار جانؒ صاحب نے چار عقد کئے - پہلا عقد حضرت آغا غلام دستگیر جان کی صاحبزادی سے ہوا - ان سے دو فرزند یعنی غلام فاروق جان اور غلام عثمان جان پیدا ہوئے - غلام فاروق جان ٹنڈو سائیں داد میں 25 جمادی الاول 1331ھ کو پیدا ہوئے اور غلام عثمان جان 4 رجب 1333ھ میں ٹنڈو سائیں داد ہی میں پیدا ہوئے -

حضرت حاجی عبدالستار جان صاحبؒ کا دوسرا نکاح ان کے چچا حضرت آغا محمد حسین جانؒ کی صاحبزادی سے ہوا ، ان زوجہ سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی - حضرت حاجی عبدالستار جان صاحبؒ کا تیسرا نکاح ان کے خالو

---

1 - مونس المخلصین - صفحہ 241

آغا عبدالحلیم جان کی صاحبزادی سے ھوا - ان سے ایک فرزند غلام صدیق 25 محرم 1346ھ کو پیدا ھوئے -

حضرت حاجی عبدالستار جان صاحبؒ کا چوتھا نکاح آغا غلام اسماعیل صاحب کی صاحبزادی سے ھوا جن سے چار صاحبزادیاں پیدا ھوئیں -

"حضرت حافظ ہاشم جان ، فرزند سوم ، حضرت آغا محمد حسن جانؒ "

ان کی پیدائش ماہ ذی قعد 1323ھ کو ٹنڈو سائید داد میں ھوئی - کیونکہ ان کی پیدائش حضرت آغا محمد حسن جانؒ کے ھاں ، پانچ صاحبزادیوں کی پیدائش کے بعد ھوئی تھی اور مزید یہ کہ وہ اپنی والدہ کی آخری اولاد تھے اس لئے حافظ محمد ہاشم جانؒ والدین کے نہایت منظور نظر اورنہایت پسندیدہ فرزند تھے - یہاں تک کہ حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ اپنے ان صاحبزادے کو سندھ کے مختلف شہروں کے سفر کے دوران اپنے ھمراہ لے جایا کرتے تھے اور دوران سفر بھی ان کی تعلیم و تربیت کا خصوصی خیال رکھتے تھے -

حضرت محمد ہاشم جانؒ کو پہلے فارسی کی تعلیم دی گئی اور بعد ازاں ان کو قرآن پاک حفظ کرنے کا حکم دیا گیا اور اس مقصد کے لئے" حافظ احمد صاد بو نیری قاری " کو ان کے لئے مقرر کیا گیا - حضرت ہاشم جانؒ کے قرآن پاک حفظ کر لینے کے موقع پر حضرت آغا محمد حسن جانؒ نے نہایت درجہ شکر الٰہی ادا کیا اور بہت بڑے پیمانے پر دعوت عام اور جشن کا اہتمام کیا -

جناب حافظ محمد ہاشم جان کو عربی زبان و علوم مروجّہ کی ابتدائی تعلیم ٹنڈو سائیں داد ھی میں دی گئی اور اس تعلیم کی تکمیل کے بعد ان کو اجمیر شریف میں " مولانا معین الدین " کے مدرسہ " مسعینیہ " میں مزید تعلیم کے حصول کے لئے داخل کروادیا گیا - اجمیر شریف میں کئی سال کے قیام کے دوران انہوں نے نہ صرف عربی کے علوم متداولہ کی ھی تعلیم مکمل کی بلکہ

مولانا معین الدین کے برادر " حکیم نظام الدین " سے فن طب اور علاج و معالجہ امراض کی بھی مکمل تعلیم حاصل کی اور بعد ازاں اس فن میں بھی اپنی ہمت اور استعداد سے مہارت تامہ بہم پہنچائی -

حصول تعلیم کے دوران ہی حضرت آغا محمد حسن جانؒ نے اپنے ان صاحبزادے ، حضرت ہاشم جانؒ کی صاحبزادی اپنی ہمشیرہ کی صاحبزادی سے کردی جو کہ حضرت " شیریں جان آغاؒ " کی صاحبزادی تھیں - ان زوجہ کے بطن سے حضرت ہاشم جان صاحبؒ کے ہاں دو صاحبزادے یعنی فضل اللہ اور محمد زبیر تولد ہوئے - ان میں سے محمد زبیر کم سنی ہی میں وفات پا گئے لیکن دوسرے اور بڑے صاحبزادے فضل اللہ جوان ہوئے اور ان کی شادی محمد اسماعیل جان کی صاحبزادی سے ہوئی - اس شادی کا سارا انتظام حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ نے اپنی ذاتی نگرانی میں فرمایا تھا - یہ وہ آخری شادی تھی جو کہ حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ نے اپنی سرپرستی میں انجام دلوائی - بعد ازاں حافظ محمد ہاشم جانؒ صاحب کے ایک اور صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا اسم گرامی محمد عابد رکھا گیا -

حضرت حافظ محمد ہاشم جان سرہندیؒ نے ایک نہایت بھرپور اور با عمل زندگی گزاری جس کا مقصود و محور مسلمانوں کی دینی اور سیاسی طور پر فلاح و بہبود تھا - اس لئے ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم حضرت حافظ محمد ہاشم جانؒ کی زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر بھی نظر ڈالیں اور ان کی خدمات اور ان کی شخصیت کو بھر پور انداز میں با ذوق قارئین کے استفادے اور ملاحظہ کے لئے پیش کریں - اس فکر کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم حضرت حافظ محمد ہاشم جان صاحبؒ کی دینی و سیاسی زندگی کی تفصیل ذیل میں پیش کرتے ہیں -

خلافت ۔ آپ نے اپنے جلیل القدر و ذی مرتبہ والد گرامی حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندیؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی اور ان ھی سے سلسلہ نقش بندیہ میں اجازت و خلافت حاصل کی ۔

تبلیغ دین ۔ آپ نے بغیر کسی لوث و طمع کے صرف فی سبیل اللہ تبلیغ و وعظ و اشاعت دین کا فریضہ بہ حسن و خوبی انتہائی جانفشانی اور توجہ کے ساتھ انجام دیا ۔ اس سلسلے میں آپ کسی دنیاوی خواہش و طمع کو سخت برا جانتے تھے ۔ آنحضرت فخر موجودات و سرور کائینات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے آپ کا عشق درجہ کمال کو پہنچا ھوا تھا ۔ اسی لئے دوران وعظ جب بھی کبھی حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی آپ کی زبان مبارک سے ادا ھوتا تھا تو آپ کا چھرہ سرخ ھو جاتا تھا اور مستی و جذب اور کیف و سرور کی ایک عجیب کیفیت آپ پر طاری ھو جاتی تھی ۔ آپ کی تقاریر و مواعظ کا موضوع سیرت و محبت مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ھوتا تھا ۔ جب کبھی سامعین آپ سے کسی اور بھی موضوع پر وعظ فرمانے کی درخواست کرتے ، تو آپ ان کو جواب دیا کرتے تھے کہ

من قصّہ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم

از ما بجز حکایت مہرو وفا مپرس

اور مزید فرماتے تھے کہ " میں تو اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا و صفت ھی بیان کروں گا ۔ ھاں اس کے بعد اگر وقت بچا اور گنجائش ھوئی تو سیاسی و ملی مسائل پر بھی گفتگو ھو جائے گی ۔

آبائی مریدوں کے علاوہ بھی آپ کے اپنے مریدین و معتقدین کی تعداد بھی ھزاروں تک پہنچتی ھے ۔ یہاں تک کہ پاکستانی افواج میں بھی آپ کے

---

1 ۔ اکابر تحریک پاکستان ۔ صفحہ نمبر 217

مریدوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ فوج کو ملک و ملت کا محافظ سمجھتے ہوئے یہ نہایت ضروری سمجھتے تھے کہ افواج پاکستان ، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے راہ ہدایت پر رہتے ہوئے نہایت درست معنوں میں اسلامی فوج ثابت ہوں - آپ کے محنت شاقہ اور مساعی جمیلہ کی بدولت ہزاروں لوگ با شرح و پرہیز گار مسلمان بن گئے- سیاسی و ملی خدمات - آپ نے تحریک خلافت میں اپنے استاد حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ کے ساتھ بھر پور حصہ لیا - برصغیر کے طول و عرض میں جلسوں سے خطاب کیا - اور صوبہ سندھ میں تحریک خلافت کو پروان چڑھایا - تحریک پاکستان شروع ہوئی تو آپ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ خود کو مسلم لیگ کے لئے وقف کر دیا - آپ پاکستان بننے کے بعد اسلامی دستور کی تدوین کی جدوجہد میں شریک رہے اور 1952ء میں علماء کرام کے اجلاس میں نمایاں حصہ لیا - جس نے حکومت کے چیلنج پر اسلامی دستور کے (22) بائیس نکات منظور کئے -

آپ جمیعت الا طباء کے کئی سال تک صدر رہے - جمیعت علماء حیدرآباد کے بھی صدر رہے - پاکستان میں جب سوشلزم کا فتنہ اٹھا تو آپ نے نہایت محنت و حوصلہ اور جانفشانی کے ساتھ اس کا رد اور اس کی سرکوبی کی- سندھ میں جب مفاد پرستوں نے اپنے سیاسی مقاصد اور ذاتی مفادات کے حصول کے لئے نئے اور پرانے سندھیوں میں غلط فہمیاں پیدا کرواکے ، نوبت فساد و خونریزی تک پہنچا دی تو آپ نے اس فتنہ و شورش کو دفع کرنے کے لئے دن رات ایک کرکے پورے سندھ کے طوفانی دورے کئے - بے شمار وفود سندھ کے مختلف حصوں میں روانہ کئے ، با اثر شخصیات اور علماء کرام کو خطوط لکھے ، بیانات دئے ، کتابچے شائع کئے اور اتحاد بین المسلمین کے لئے نہایت پر اثر اور انتھک محنت کی جو کہ نہایت کامیاب رہی - نئے اور پرانے سندھیوں

کے مابین پیدا ہونے والی غلط فہمیاں دور ہو گئیں -

آپ اپنی عمر کے آخری چھ سات سال جمیعت مجدد یہ سندھ کے صدر رہے اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی اولاد کو اپنے آبائی طریقہ پر استقامت اختیار کرنے کی تلقین کرتے رہے - آپ نے صوبہ سندھ کے اسلام پسند اور دیندار طبقے کے لئے ، اس کی تنظیم اور بیداری کی خاطر اپنی ذات اور اپنے تمام وسائل مخصوص کر دئیے تھے اور اسی سلسلے میں آپ نے اپنے ذاتی خرچے سے لاکھوں روپیے کی کتب چھپوا کر تقسیم کیں -

تحریری کام - اگرچہ حافظ محمد ہاشم جانؒ ملکی اور دینی خدمات کی انجام دہی میں ہمہ تن ، شب و روز مصروف رہنے کی وجہ سے تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے لیکن اس کے باوجود آپ ایک نہایت اعلی پائے کے مضمون نگار تھے - خصوصاً کتاب " عمدۃ المقامات " کا جو مقدمہ آپ نے فارسی زبان میں تحریر فرمایا ہے وہ فن تحریر میں آپ کے کمال کا منھہ بولتا ثبوت اور آپ کی بلاغت و قادر الکلامی کا زندہ نمونہ ہے - مزید براں آپ نے اپنے مرشد گرامی قدر اور والد محترم خواجہ محمد حسن جان سرہندیؒ کی عربی کی دو کتابوں یعنی " العقائد الصحیحہ " اور" طریق النجات " کا اردو ترجمہ کیا ہے - یہ دونوں تراجم بھی آپ کی سلاست بیان اور زبان پر نہایت درجہ حاوی ہونے کا بین ثبوت ہیں - اس کے علاوہ آپ نے خواجہ محمدمعصومؒ سرہندی کی مشہور و معروف کتاب " اذکار معصومیہ " کا بھی سندھی زبان میں ترجمہ کیا ہے - آپ زیادہ تر مکتوبات و پمفلٹ وغیرہ کی صورت میں اپنے خیالات کا اظہار نہایت موثر اور مختصر لیکن بلیغ انداز میں فرماتے تھے - آپ کے یہ تمام مکتوبات و پمفلٹ بھی بذات خود بھی ایک نہایت اچھا علمی ذخیرہ ہیں -

دیگر صفات حمیدہ - آپ نہایت حسین و جمیل شخصیت کے مالک اور حسن کا

ایک نہایت اعلیٰ موقع تھے - آپ کی گفتگو نہایت شستہ و شائستہ اور پر تاثیر ہوتی تھی - آپ وضعداری ، صاف گوئی اور دیگر اخلاقی خوبیوں کے حامل تھے - آپ کے کردار کا تقویٰ آپ کے مخاطبین و سامعین کو نہایت متاثر کرتا تھا آپ دوران کلام دہلی اور لکھنٔو کے محاورات اس قدر برجستہ اور نہایت سلاست و روانی کے ساتھ استعمال فرماتے تھے کہ آپ کا مخاطب آپ کی قومیت اور وطنیت کے بارے میں شک میں پڑ جاتا تھا - آپ کو فارسی ، عربی اور اردو کے مستند و معروف اساتذہ کے ہزاروں اشعار یاد تھے جن کو آپ دوران گفتگو بلا تکلف اور با موقع استعمال کرکے اپنی گفتگو کو نہایت موثر ، شیریں اور دلچسپ بنا دیا کرتے تھے - آپ کی دینی خدمات اور خلوص نیت کی وجہ سے نہایت کثیر تعداد میں مخلوق الہیٰ آپ سے متاثر ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ آپ کے عقیدت مندوں کا حلقہ نہایت وسیع اور تقریبا تمام طبقات میں پھیلا ہوا ہے - ہزاروں لوگ آپ کی روزانہ اور ہفتہ وار مجالس میں شریک ہوکر فیوض و برکات اور دین متین کا سیدھا راستہ اختیار کرتے تھے -

آپ اپنی عمر شریف کے چند آخری سالوں میں ٹنڈو سائیں داد سے کراچی کے علاقے " نارتھ ناظم آباد " میں منتقل ہوگئے تھے جہاں آپ ہر اتوار کو مجلس ذکر منعقد کراتے تھے - آپ کا دولت خانہ تمام عقیدت مندوں اور مریدین و مخلصین کے لئے عام طور پر اور کراچی کے ضرورت مند و اہل ذوق حضرات کے لئے خصوصی طور پر ایک نہایت عظیم الشان روحانی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا -

وفات حسرت آیات - آپ کی وفات 21 رمضان المبارک 1395ھ بمطابق ستمبر 1975ء کو بمقام " شاہو کلی " نزد کوئٹہ واقع ہوئی ، وہاں سے آپ کا جسد مبارک ٹنڈو سائیں داد لاکر آپ کو آپ کی آخری منزل کی طرف روانہ کیا گیا -[1]

1 - اکابر تحریک پاکستان - صفحہ نمبر 317 سے صفحہ نمبر 321 مختصراً

"محمد حنیف جان، فرزند چہارم، حضرت آغا محمد حسن جانؒ"

یہ حضرت آغا محمد حسن جان سرھندیؒ کے وہ فرزند ھیں کہ جو ان کی کراچی والی اھلیہ سے کراچی شہر میں 21 محرم 1352ھ کو پیدا ھوئے ان کے ساتھ ھی ان کے " توام " برادر عبدالطیف بھی پیدا ھوئے تھے- صاحبزادے عبدالطیف بعد ازاں اپنی والدہ اور دیگر افراد خانہ کے ھمراہ کوئٹہ کے زلزلے میں وفات پا گئے - اس واقعہ کا تذکرہ ھم اس کتاب کے پچھلے صفحات میں کر چکے ھیں -

حسب معمول و روایت محمد حنیف جان کو قرآن پاک اور فارسی کی ابتدائی کتب کی تعلیم خود حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ نے دی - اس کے بعد ان کو " ٹھٹھ " شہر میں مولوی حاجی محمد حسین صاحبؒ کی خدمت میں مزید تعلیم کی تحصیل کے لئے بھیج دیا گیا - جہاں سے انہوں نے اپنی باقی تعلیم مکمل کی - [1]

"تذکرۂ مریدان خصوصی ، حضرت آغا محمد حسن جان سرھندیؒ"

یوں تو حضرت آغا محمد حسن جان سرھندیؒ کی ذات گرامی رشد و ھدایت کا ایسا عظیم الشان مینارۂ نور تھی جس کی کرنوں نے ھزاروں افراد کو فیض یاب کیا اور ان کو ضلالت و گمراھی کے تباہ کن راستے سے بچا کر ھدایت و فلاح کے صراط مستقیم پر ڈال دیا ، یوں تو سندھ میں اور بیرون سندھ حضرت آغا صاحب کے بے شمار مریدین و عقیدت مند موجود ھیں لیکن یہاں پر ھم ان خوش بخت لوگوں کا تذکرہ کریں گے جن پر حضرت آغا صاحبؒ

1 - مونس المخلصین - صفحہ 244

کی خصوصی نظر عنایت تھی ان حضرات کو آغا صاحب کے فیوض و برکات سے خصوصی حصہ عنایت ہوا اور ان کی تقدیر نے دوسروں کے مقابلے میں ان کی کی زیادہ یاوری کی -

1 - سید حاجی عبداللہ شاہ واہڑائی -

خاندان سادات سے تعلق رکھتے تھے حضرت آغا صاحب قبلہ کے نہایت جانثار مرید تھے - زمینداری اور طبابت مشغلہ تھا - مریضوں سے اپنے لئے کچھ نہ لیتے تھے - لیکن اپنے مرشد یعنی حضرت آغا صاحبؒ کے لئے نذرانہ قبول کر لیتے تھے اور سال کے آخیر میں تمام جمع شدہ نذرانہ حضرت آغا صاحبؒ کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے - یہ حضرت آغا صاحبؒ کے سفر عراق و حجاز و شام میں بھی شریک رہے تھے -

2 - آخوند حاجی عطا محمد خان متطویؒ -

یہ حضرت آغا صاحبؒ کے خانوادے کے مرید تھے ، یہاں تک کہ ان کا پورا خاندان و آبا و اجداد حضرت آغا صاحب کے خانوادے کے مرید چلے آتے ہیں - صاحبان اقتدار وقت یعنی تالپران سندھ کے نہایت نزدیک و مقتدر تھے - اور قلمدان وزارت و سفارت ان ہی کے ہاتھ میں تھا - ان کا خاندان شعرگوئی و انشا پردازی میں نہایت ممتاز حیثیت کا مالک تھا -

3 - مولوی نظر محمد دیہاتیؒ -

یہ حضرت آغا صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت عبداللہ جان عرف حضرت " شاہ آغاؒ " کے ہم سبق و ہم عمر بھی تھے ان کا خصوصی مشغلہ شب و روز ترقی و ترویج مسلک اہل سنت و الجماعت و سلسلہ نقش بندیہ کے لئے کوشش کرنا تھا - حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کے حلقہ ارادات میں کافی مرید ان کی مساعی جمیلہ کی بدولت بھی داخل ہوئے - یہ

اپنے مرشد کے عشق میں فانی تھے ۔

4 ۔ حاجی محمد عبدالطیف بختیار پوریؒ ۔

یہ حضرت آغا صاحبؒ کے نہایت دیرینہ مرید تھے ۔ تقریباً چالیس سال کا عرصہ حضرت آغا صاحب کی خدمت گزاری میں گزارا ۔ یہ سفر و حضر میں حضرت آغا صاحبؒ کی خدمت بہ حسن و کمال بجا لاتے تھے ۔ یہ حضرت آغا صاحبؒ کے سفر حج 1332ھ میں حضرت آغا صاحبؒ کے ہمراہ تھے ۔ حضرت آغا صاحبؒ نے ان کو اپنی زمینوں کی دیکھ بھال اور سفر و حضر میں متفرق ضروری اشیاء کی خریداری کا کام سونپا ہوا تھا ۔

5 ۔ پیر شیر عالم صاحبؒ ۔

ان کا تعلق انبالہ ، مشرقی پنجاب کے مضافات کے پیروں کے خاندان سے تھا ۔ یہ موصوف حضرت آغا صاحبؒ کے آخری مریدوں میں سے تھے ۔ حضرت آغا صاحبؒ کی بیماری مرگ سے چند روز پیشتر یہ ٹنڈو سائیں داد حاضر ہوئے اور حضرت آغا صاحب سے مرید ہونے کی درخواست کی تھی حضرت آغا صاحبؒ نے اپنی بیماری کے پیش نظر پہلے تو ان کو مرید کرنے سے پہلو تہی کرنا چاہی ، لیکن ان کے بے حد اصرار پر اور صاحبزادگان کی سفارش پر ان کو مرید کیا تھا ۔

6 ۔ مولوی عبداللہ احمدانیؒ ۔

بلوچ قوم سے تعلق رکھتے تھے اور ٹنڈو غلام علی میں رہائش پزیر تھے ۔ یہ سندھ کے مشہور و معروف عالم اور حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کے استاد گرامی ، مولوی حاجی لعل محمد مٹیاریؒ والے کے شاگرد رشید اور خلیفہ تھے ۔ اس طرح یہ ہمارے ممدوح حضرت آغا صاحبؒ کے " پیر بھائی " تھے ۔ فتاویٰ لکھنے میں مہارت رکھے تھے ۔ گرد ونواح کے اکثر افراد آپ سے اپنے جھگڑے فیصل کرایا کرتے تھے ۔

یہ میر صاحبان کی ٹنڈو غلام علی والی مسجد کے پیش امام تھے اور میرصاحبان کی ملازمت میں تھے - لیکن انتہا درجہ کے حق پرست و صاف گو شخص تھے اس سلسلے میں ان کا ایک واقعہ پیش کرنا بے جا نہ ہوگا - جو کہ صاحب مونس المخلصین نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے -[1]

" ایک مرتبہ ایام عاشورہ میں میر محمد خان تالپر نے مجلس تعزیہ خوانی و مرثیہ منعقد کرائی - اس مجلس میں ذاکرین کچھ کلمات ناشائستہ غالبا حضرات خلفاؓ راشدین کے بارے میں زبان پر لائے - یہ منظر دیکھتے ہی مولوی عبداللہ صاحبؒ کی رگ حمیت پھڑک اٹھی جو کہ خود بھی اس مجلس میں موجود تھے - مولوی صاحبؒ ایک بڑی سی لکڑی ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے اور مجلس کے حاضرین پر بے تحاشہ برسانی شروع کردی ، ساتھ ہی نہایت زور دار نعرہ بھی لگایا کہ خبردار اے حرامزادو! آج یا تم مارے جاؤ گے یا میں - اس ھنگامے سے ساری مجلس درہم برہم ہو گئی اور تمام رافضی فرار ہوگئے - اور مولوی صاحبؒ تن تنہا تمام مجلس پر غالب آئے اور کسی شخص کی یہ مجال نہ ہو سکی کہ مولوی صاحبؒ کے سامنے کھڑا ہو سکے -

اسی طرح مولوی صاحبؒ کا ایک اور واقعہ مشہور ہے کہ ایک سال دریائے سندھ میں زبردست طغیانی آئی اور بے شمار گاؤں اور دیہات جو کہ دریا کے کنارے واقع تھے غرقاب ہو گئے - مولوی عبداللہ صاحبؒ نے ایسے وقت میں اپنے علاقے کے لوگوں کو جمع کرکے اپنے علاقے سے گزرنے والے دریائے سندھ کے حصے پر بند باندھ دیا اور یوں اپنے گاؤں والوں کو غرقابی سے بچا لیا - اسی زمانہ میں حیدرآباد سندھ میں حکومت فرنگیہ کے گورنر کا دربار لگا - وہاں مولوی صاحبؒ کو بھی مدعو کیا گیا اور ان کی مزکورہ بالا کوشش

---

1 - مونس المخلصین - صفحہ نمبر 248

اور خدمت کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں بھی تعریفی سند دی گئی - مولوی صاحبؒ یہ تعریفی سند لینے کے بعد اس محفل میں جہاں کہ گورنر اور دیگراعلیٰ ترین حکام وقت موجود تھے ، کھڑے ہوگئے اور گورنر سے کہا کہ " صاحب یہ کیسا انتظام ہے - پہلے وقتوں میں شاہان اسلام لوگوں کو خدمت گزاری کے اعتراف کے طور پر خلعت و جاگیر عطا فرمایا کرتے تھے - لیکن آپ نے تو صرف کاغذ کا ایک پرزہ عنایت فرمایا ہے - " گورنر کچھ حیران ہوا اور اپنے مصاحبوں سے دریافت کیا کہ " مولوی صاحبؒ کیا کہتے ہیں ؟" ان چاپلوس مصاحبوں نے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے گورنر سے کہا کہ " مولوی صاحبؒ آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور آپ کی حکومت اور اقبال کی مزید سرفرازی کے لئے دعا گو ہیں-" یہ بات سنتے ہی مولوی صاحبؒ پھر کھڑے ہوگئے اور باآواز بلند فرمایا کہ " نہیں صاحبؒ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں اس تعریفی سند کا کیا کروں ؟ آپ کو چاہئے کہ مجھے اس کی جگہ کوئی جاگیر یا خلعت یا منصب عطا کریں - تمام حاضرین مولوی صاحبؒ کی اس جرأت پر حیران رہ گئے - اور مولوی صاحبؒ کو آخر کار بہ زور بٹھا دیا. جب کہ مولوی صاحبؒ اپنے دل میں نہایت خوش تھے کہ " دل کی بات کہہ دی" مولوی صاحبؒ اپنے پیرو مرشد حضرت آغا صاحبؒ کے اخلاص و محبت میں فنا ہو چکے تھے - اکثر و بیشتر حضرت آغا صاحبؒ کی خدمت میں ٹنڈو سائیں داد اور گرمیوں میں کوئٹہ حاضر ہوا کرتے تھے - اور اپنے دل کو تقویت و سرور بخشتے تھے - مولوی صاحبؒ کا انتقال 1366ھ میں ہوا -

7 - حاجی محمد علی لغاری -

یہ حضرت عبدالرحمان جان سرہندی ، والد محترم حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی کے وقت سے ہی اس خانوادۂ عالیشان کے مرید و مخلص دیرینہ تھے - نہایت خوش طبع اور صاحب ظرافت

آپ ہی تھے - صاحب مونس المخلصین یعنی حضرت عبداللّٰہ جان آغا عرف حضرت شاہ آغا نے اپنی کتاب میں ان ظرافت پر مبنی ایک واقعہ نقل کیا ہے ، وہ فرماتے ہیں کہ[1]

ایک روز حاجی محمد علی لغاری نے آٹھ آنے کی ریزگاری حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی صاحبؒ کی خدمت میں بہ طور نذرانہ پیش کی اور ساتھ ہی ساتھ اس قدر قلیل نذرانہ کے پیش کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ " یا حضرت کیا کروں، میں نے " عالی سرکار" یعنی اپنی زوجہ سے کہا تھا کہ مجھے ایک من باجرہ دے دے ، تاکہ اس کو فروخت کرکے وہ رقم بطور نذرانہ اپنے پیرومرشد کی خدمت میں پیش کر سکوں - میری زوجہ نے انکار کر دیا - لاچار ہو کر میں نے جو کچھ بھی میرے پاس اس وقت موجود تھا ، آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا اور دل میں سوچ لیا کہ میرے مرشد یقیناً مجھ سے اس قلیل نذرانہ پر بھی راضی ہو جائیں گے - "

8 - حاجی محمد حسن ڈوکری والے -

یہ ضلع لاڑکانہ کے نواحی علاقے " ڈوکری " کے رہنے والے تھے - یہ حضرت آغا صاحبؒ کے منظور نظر مریدوں میں سے تھے - باوجود یہ کہ سرکاری ملازمت میں تھے لیکن اس کے باوجود اپنا بیشتر وقت ذکر و فکر میں گزارتے تھے - اور حضرت آغا صاحبؒ سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ تلقین برائے مراقبات قلبی و روحانی کے لئے حاصل کرنے کے خواہاں رہتے تھے - انہوں نے " لطائف خمسہ " کے عبور طے کرنے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ کی زیر نگرانی شغل " سلطان اشتغال " شروع کیا ہی تھا کہ حضرت آغا صاحبؒ کا وصال ہو گیا - انہوں نے حضرت آغا صاحبؒ کے وصال کے

---

1 - مونس المخلصین - صفحہ نمبر 250

بعد ، حضرت آغا صاحب کے خلف الرشید و خلیفہ حضرت عبداللہ جان آغا عرف حضرتِ شاہ آغا کو اپنی کیفیت و واردات قلبی کا حال اس طرح لکھا کہ

" حضرت آغا صاحبؒ[1] کے وصال کے بعد میرا وہ ذوق و شوق جاتا رہا ہے اور میرے اعمال میں کمی آگئی ہے ۔" حضرت عبداللہ شاہ آغا نے فرمایا کہ ہاں بے شک ایسا ہونا ہی تھا ، کہ جب حضرت آغا صاحبؒ کی ذات منوّر کا روشن چراغ مجلس سے دور ہوگیا تو ظاہر ہے کہ مجلس میں وہ روشنی و مزہ باقی نہ رہا ۔"

9 ۔ مولوی حاجی غلام علی گوپانگ ۔

یہ بدین کی مضافاتی علاقے کے رہنے والے تھے ۔ باوجود نہایت اعلیٰ و عمدہ ظاہری علم فضیلت کے ، راہ سلوک کے راہی اور کمالات باطنی حاصل کرنے کے نہایت مشتاق تھے ۔ پہلے یہ " لواری شریف" کے پیر " محمد سعید صاحبؒ " کے مرید تھے ۔ بعد ازاں حضرت آغا صاحبؒ کی خدمت میں رجوع کیا ۔ اور لطائف و مقامات سلوک میں مرتبۂ کمال کو پہنچے ۔ صاحب مونس المخلصین یعنی حضرت آغا عبداللہ جان عرف حضرت شاہ آغا ان کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ :۔[2]

" ایک روز میں نے ان سے دریافت کیا کہ " مولانا ، مشائخ نقش بندیہ نے ذکر کے مقامات پستانِ راست کے نیچے یا اس کے اوپر برائے لطیفہ روحی یا سری مقرر فرمائے ہیں ۔ مگر صورتحال یہ ہے کہ یہ مقامات فطری طور پر شعور و ادراک نہیں رکھتے برخلاف قلب کہ مقام حس و حرکت ہے ، اب سوال یہ ہے کہ طالب کو کیسے خبر ہو کہ میرا فلاں لطیفہ اپنی جگہ پر پختہ ہوگیا ہے یا اس میں ذکر جاری ہوگیا ہے ۔"

---

1 ۔ مونس المخلصین ۔ صفحہ نمبر 256

2 ۔ مونس المخلصین ۔ صفحہ نمبر 262

مولانا نے جواب میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنے ابرو گرفت میں لے کر فرمایا کہ " وقت مراقبہ میرے ان دونوں ابروؤں سے ذکر جاری ہوتا تھا - تم کس طرح کہتے ہو کہ اس قسم کی جگہیں حس و حرکت نہیں رکھتیں

صاحب مونس المخلصین فرماتے ہیں کہ " اگرچہ مولانا کا جواب عالم دیگر سے تھا ، لیکن میں نے خاموشی اختیار کر لی -" ان مولانا کا وصال 1368 میں ہوا -

10- مرحوم محمد ہاشم و مخدوم حاجی محمد و مخدوم عبدالغنی بوبکانی -

یہ تینوں بھائی خاندان حضرت مخدوم محمد جعفر بوبکانی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے - جوکہ اپنے وقت کے علامہ اور محدث زمانہ اور صاحب تصانیف کثیرہ بزرگ گزرے ہیں - یہ تینوں برادران نیاز مندان و مخلصان قدیمیؒ حضرت آغا محمد حسن جانؒ تھے - جو کہ بہ جان و بہ مال و دولت حضرت آغا صاحبؒ پر ہر وقت نثار ہونے کو تیار تھے - ان تینوں برادران کا خاندانی و وراثتی کام طبابت تھا جس میں یہ لوگ حاذقان وقت مشہور تھے - مزید برآں زمینداری بھی کافی تھی اور صاحب حشمت و جاہ اور بڑے اور معزز زمینداروں میں شمار ہوتے تھے افسوس کہ بدقسمتی سے یہ تینوں برادران پے دوپے وفات پا گئے اور آپ کوئی وارث نہ چھوڑ سکے سوائے مخدوم حاجی احمد علی ولد مخدوم حاجی محمد کے - یہ مخدوم حاجی احمد علی ایک با صلاحیت شخص تھے جو کہ آخر کار بمعہ اپنے عیال کے حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ کے پاس ٹنڈو سائیں داد ، مستقل رہائش کے لئے آگئے تھے - ان کو حضرت آغا صاحبؒ کی مسجد میں اذان دینے کی خدمت تفویض ہوئی تھی -

11 ـ آخوند زادہ ملاّ محمد ایوب کاکڑ، پشین والا ۔

یہ کوئٹہ کے نزدیک شہر پشین کے رہنے والے تھے ۔ انہوں نے حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ سے بیعت ہونے اور ان کے مرید ہونے کا قصہ صاحب " مونس المخلصین " یعنی حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ جان آغا المعروف بہ " عبداللہ شاہؒ " سے بہ قول حضرت عبداللہ شاہؒ اس طرح بیان کیا ہے کہ[1]

" میں دیگر مریدوں کی طرح آنکھیں بند کرکے حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ کا مرید نہیں ہوا تھا بلکہ ذاتی طور پر حضرت صاحب کے بارے میں تحقیق کرکے اور خواب میں حضرت آغا صاحبؒ کا روئے مبارک دیکھ کر اور بعد ازاں عالم بیداری میں ان کو شناخت کرنے کے بعد ان کا مرید ہوا تھا ۔"

اس واقعہ کی تفصیل وہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ علوم مروجہ و درسیہ کی تحصیل کے بعد مجھے راہ سلوک پر چلنے اور میدان طریقت میں جانفشانی اور قسمت آزمائی کرنے کا شوق پیدا ہوا ۔ اس سلسلے میں میں نے دور و نزدیک کے کئی پیران کرام و مشائخ عظام کی خدمت میں حاضری دی ، ان سے ملا ، ان کی گفتگو سنی مگر میرے دل کو قرار نہ آیا ۔ اسی دوران میری ملاقات میری ملاقات " آغا سید عبدالحلیم " صاحب سے ہوئی جو کہ پیشتر ہی حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ کے مرید تھے ، انہوں نے بھی اپنے پیرو مرشد یعنی حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ کی نہایت ثنا و صفت بیان کی مگر یہ سب سن کر بھی میں نے یہ ہی سوچا کہ ہر مرید اپنے پیرو مرشد کی تعریف نہایت اعلیٰ درجہ پر ضرور کرتا ہے ۔ میرے شب و روز اس تمنا و آرزو میں گزرتے رہے کہ مجھے کوئی پیر کامل اور صاحب حال مرشد نصیب ہو ۔

1 ـ مونس المخلصین ـ صفحہ نمبر 245

آخر کار میں نے اس مسئلے کے حل کے لئے استخارہ کرنا شروع کیا اور متواتر نو (9) شب میں نے استخارہ کیا - استخارہ کی نویں شب جب کہ میں سویا ہوا تھا ، میں نے خواب دیکھا کہ میں نہایت پیاسا ہوں اور گرمی اور پیاس نے میرا حال برا کیا ہوا ہے - اسی دوران میں خواب میں آغا سید عبدالحلیم کو دیکھتا ہوں اور ان سے پانی مانگتا ہوں - انہوں نے مجھے جواب دیا کہ سامنے پہاڑ کے اوپر جو مکان بنا ہوا ہے وہاں پر نہایت سرد پانی موجود ہے اور وہ شخص کہ مزکورہ بالا مکان کا مکین ہے پانی دیتا ہے - آؤ اس مکان پر چل کر ہم دونوں آب خنک سے سیراب ہو جائیں - ہم دونوں اس طرف چل پڑے - میں کیا دیکھتا ہوں کہ آغا عبدالحلیم راستے میں اپنی عمر کی وجہ سے تھکان محسوس کر رہے ہیں ، لیکن میں کیونکہ جوان آدمی ہوں ، اس لئے میں نے اپنے آپ کو جلد از جلد اس مکان کے مکین تک پہنچا دیا - کیا دیکھتا ہوں کہ صاحب مکان ایک مرد پروقار سفید ریش شخص ہے جو کہ مکان میں تشریف فرما ہیں اور ان کے سامنے ایک بڑا سماوار اور چائے پینے کے پیالے رکھے ہیں - اس سماوار سے سرخ رنگ کا پانی مثل شربت انار ، وہ شخص لوگوں کو تقسیم کر رہا ہے - میں نے بھی آگے بڑھ کر ایک پیالے کی درخواست کی - انہوں نے چائے خوری کا پیالہ شربت سے بھر کر مجھے دیا - میں نے وہ پیالہ پی کر دوسرا طلب کیا ، دوسرا بھی دے دیا - یہاں تک کہ میں نے پانچ پیالے شربت کے پیے - جب میں نے چھٹے پیالے کی درخواست کی تو فرمایا کہ " بس کافی ہیں " اب کافی ہیں - بعد ازاں میں اس مکان سے باہر آیا کیا دیکھتا ہوں کہ مکان سے باہر آتے ہی کتوں کا ایک غول میرے پیچھے لگ گیا ہے اور شور و غوغا کر رہا ہے - میں نے بڑی مشکل سے کتوں کے اس غول سے جان چھڑائی اور اپنی رہائش گاہ پر آ پہنچا - جب خواب یہاں تک پہنچا تو میری آنکھ کھل گئی اور میں بیدار ہو گیا -

اسی دن علی الصبح میں آغا سید عبدالحلیم کے پاس آیا اور ان سے دریافت کیا کہ " آپ کے مرشد گرامی کی شکل و صورت و حلیۂ مبارک کیسا ہے؟ انہوں نے حضرت آغا صاحبؒ کی شکل و شباہت بیان کرنا شروع کی - ان کا بیان سنتے ہی میں نے ان سے کہا کہ " اٹھو کہ ہم فوری طور پر اسٹیشن جا رہے ہیں تاکہ حضرت آغا صاحب کی خدمت با برکت میں حاضر ہو سکیں - ہم دونوں نے نماز فجر ساتھ ادا کی اور پھر فوراً اسٹیشن کی طرف روانہ ہوگئے اور نماز ظہر کے بعد حضرت آغا صاحب قبلہ کی موسم گرما کی قیام گاہ " شاہ بوکلی " پہنچ گئے -

حضرت آغا صاحبؒ قبلہ اس وقت اپنے بالا خانہ میں تشریف رکھتے تھے اور مطالعہ کتب میں مصروف تھے - کسی شخص نے ان کو جا کر خبر دی کہ فلاں اور فلاں حاضر ہوئے ہیں - حضرت صاحبؒ زیر مطالعہ کتاب اپنے ہاتھ میں لئے مقام زیر مطالعہ پر انگلی سے نشانی کئے ہوئے باہر تشریف لائے اور سلام و دعا کے بعد ہم لوگوں کے ساتھ ہی تشریف فرما ہوگئے - جیسے ہی میری نگاہ حضرت آغا صاحب کے روئے مبارک پر پڑی تو میں نے فوراً شناخت کر لیا کہ یہ تو وہی ذات گرامی ہیں جن کو میں نے کل رات خواب میں دیکھا تھا - یہ حقیقت سمجھ کر اور حضرت آغا صاحبؒ کو شناخت کرنے کے بعد میرا دل بے قرار ہو گیا - آغا سید عبدالحلیم نے میرا احوال عرض کیا کہ " یہ اخوند زادہ آپ کی خدمت مبارک میں مرید ہونے کے لئے حاضر ہوا ہے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر تلقین ذکر و توجہ باطنی کا خواستگار ہے -

حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ نے یہ احوال سن کر فرمایا کہ " بابا اس زمانہ میں مشائخ و پیران کرام کافی موجود ہیں ، جہاں تمہارا دل چاہے جا کر مرید ہو جاؤ میں تو خود بھی اس کام کے لائق نہیں ہوں - اس بات پر میں نے حضرت آغا صاحبؒ کو جواب دیا کہ " میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آپ

نے مجھے مرید نہیں کیا تو میں بھی تمام عمر کسی دوسری جگہ مرید نہیں ہونگا اور میری عمر برباد و بیکار جائے گی - حضرت آغا صاحبؒ نے فرمایا کہ " بہت خوب - تم پہلے استخارہ کرو اور پھر دیکھو کہ کیا ظاہر ہوتا ہے "؟ میں نے جسارت کرکے عرض کیا کہ " یا حضرت میں نے نو بار استخارہ کیا ہے اور پھر اس کے بعد اس جگہ پر حاضر ہوا ہوں "- حضرت آغا صاحبؒ نے یہ بات سن کر تھوڑا سا تامل کیا اور پھر فرمایا کہ " اچھی بات ہے صبح کے وقت فجر کی نماز کے بعد میرے پاس حاضر ہو جانا " - جب میں فجر کے بعد اگلے دن ، حاضر ہوا تو مجھ پر بہت شفقت و التفات فرمایا اور مجھے مرید ہونے کا شرف بخشا - اور تلقین برائے ذکر قلبی فرمائی اور ترتیب مراقبہ ارشاد فرمائی اور مزید میرے حال پر وہ عنایت فرمائی کہ اس وقت تک اس ذوق و شوق سے میرے دل میں ایک شعلہ سا روشن ہے - اور پھر ہر سال جب حضرت آغا صاحب کوئٹہ تشریف لاتے تھے تو مجھے دیگر لطائف کا سبق عنایت فرماتے تھے- اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ خواب میں پئے ہوئے شربت کے پانچ گلاسوں کی طرح حضرت آغا صاحبؒ نے مجھے وقتاً فوقتاً پانچ سبق تعلیم فرمائے - "

ع / 1

* حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کے ہم عصران واحباب خصوصی "

1 - فقیر حاجی علی محمد جروار -

حضرت آغا صاحبؒ نے ان کا ذکر اپنی کتاب " تذکرہ الصلحاءؒ " میں کیا ہے اور ان کو چشم دیدہ صالحین میں شمار کیا ہے باوجود عربی نا خواندہ ہونے کے ، حاجی فقیر علی محمد صاحب نے علماء وقت کی صحبتوں اور ذاتی مطالعہؒ سے نہایت عمدہ ، دقیق اور لازمی دینی معلومات بہم پہنچائی ہیں -

موافق المخلصین - عبداللہ جان آغا -
258 - 245 - ص

2 - فقیر حاجی محمد نصیر لغاری -

تعلقہ ٹنڈو الہیار کے گاؤں " چمبڑ " کے رہائشی اور حضرت خواجہ عبدالرحمان جانؒ کے مرید تھے - بظاہر نا خواندہ تھے - ان کا بیشتر وقت ذکر و مراقبہ میں گزرتا تھا - شب زندہ دار عابد تھے کشف قبور اور اجابت دعا کے لئے ان کی شہرت خاص و عام میں نہایت زیادہ تھی ، دور دراز کے علاقوں سے بھی ضرورتمند اشخاص مزکورہ بالا مشکلات کے حل کے لئے حاضر ہوتے تھے - خواجہ حسن جانؒ کی ان کو اپنے احوال کو پوشیدہ رکھنے اور کشف قبور وغیرہ سے دور رہنے کی تاکید تھی - لاچار ہوکر انھوں نے ضرورت مندوں سے یہ کہناشروع کیا کہ میں جو کچھ تمہارے سوالات کے جواب میں تمہیں بتاؤں ، اس کی خبر حضرت آغا صاحبؒ کو نہ ہو ضرورت مندوں کو حاجی محمد نصیر لغاری کی یہ ھدایت بہ پاس ادب و لحاظ اپنے مرشد گرامی قدر ، حضرت آغا محمد حسن جانؒ ، کے تھی - اس کے باوجود ان کا خدمت خلق کرنے کا جذبہ ان کو ضرورت مندوں کی مدد کرنے پر مجبور کرتا رہتا تھا -

3 - سید غلام شاہ حکیم -

ان کی رہائش ٹنڈو محمد خان میں تھی اور نہایت حاذق حکیم تھے - یہ حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ کے دیرینہ ھمدم و ھمراز تھے - ان کا معمول تھا کہ روزانہ پا پیادہ ٹنڈو محمد خان سے حضرت آغا محمد حسن جانؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے - ان کی آمد شام کے وقت ہوتی تھی اور حضرت آغا صاحبؒ کی خدمت میں حاضری دینے اور کچھ دیر حضرت آغا صاحبؒ کی صحبت با برکت سے حصول فیض کے بعد ، حضرت آغا صاحبؒ کی مسجد میں مراقبے میں مشغول ہو جاتے تھے - نماز عشاء تک ان کا یہ معمول رہتا تھا - بعد ادائیگیٔ نماز عشاء ، حضرت آغا صاحبؒ سے واپسی کی

اجازت حاصل کرکے اپنے گھر ٹنڈو محمد خان تشریف لے جاتے تھے - حضرت آغا محمد حسن جانؒ ان کو اس قدر کامل طبیب مانتے تھے کہ ھمیشہ بہ وقت ضرورت ان ھی سے علاج و معالجہ کرواتے تھے -

4 - قاضی عبدالکریم سہیسر

یہ قریہ " قاضی عارف " تعلقہ " سہیڑ " کے رھنے والے تھے - ان کا خاندان مدت مدید سے فضائل علمی اور دینی و دینوی کمالات کا امین تھا - یہاں تک کہ " قریہ قاضی عارف " بھی ان کے جدبزرگوار قاضی عارف کے نام پر ھی آباد تھا - جو کہ ایک نہایت باکمال اور صاحب حال و باکرامات بزرگ تھے -

قاضی عبدالکریم خود بھی نہایت صاحب علم و فضل اور خوش ذوق شخصیت کے مالک تھے - قاضی صاحب حضرت آغا صاحبؒ کے محب مخلص بلکہ عاشق صادق تھے - وہ سندھ میں سفر کے دوران حضرت آغا صاحبؒ کی خدمت میں ھمیشہ حاضر رھتے تھے - بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ حضرت آغا صاحبؒ کے مریدوں کو اس بات کی ترغیب دیتے رھتے تھے کہ وہ حضرت آغا صاحبؒ کی زیادہ سے زیادہ خدمت بجا لائیں اور ان کی ذات با برکات کو غنیمت سمجھیں - حضرت قاضی صاحبؒ کو حضرت آغا صاحبؒ کے روبرو اتنی زیادہ اھمیت حاصل تھی کہ اکثر و بیشتر مریدین و مخلصین اپنی درخواستیں اور مسائل حضرت قاضی صاحب کے توسط سے ھی حضرت آغا صاحبؒ کی خدمت میں پیش کرتے تھے - قاضی صاحب کا انتقال 1362ھ میں ھوا -

5 - حافظ حاجی اسمٰعیل نقرج -

یہ " پبن " نامی گاؤں ، تعلقہ " کھپرو " ضلع تھرپارکر کے رھنے والے تھے - نہایت مومن ، صادق الایمان ، حافظ قرآن سادہ لوح شخصیت کے مالک تھے - حضرت آغا صاحبؒ کی مصاحبت میں طویل عرصے

سے موجود تھے - ان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جب حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ نے " سکھر " میں قرآن مجید مکمل حفظ کیا تو آپ کے مرشد گرامی قدر والد محترم جناب خواجہ عبدالرحمان جان صاحبؒ نے حافظ محمد اسماعیل صاحب کو حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ سے " سماع قرآن " کے لئے مقرر فرمایا تھا - اس کے علاوہ مدت دراز تک حافظ محمد اسماعیل نقرج کا یہ معمول رہا کہ وہ رمضان المبارک کا پورا مہینہ ٹنڈو سائیں داد میں گزارتے تھے - اور کسی سال آپ امامت فرما کر تراویح میں قرآن پاک سنایا کرتے تھے اور حضرت آغا محمد حسن جانؒ سماعت فرماتے تھے - اور کسی سال یہ ہوتا تھا کہ حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ تراویح میں قرآن پاک سنایا کرتے تھے اور حافظ محمد اسماعیل صاحب سماعت فرماتے تھے - اس کے علاوہ بھی ورد و وظائف آپ کا معمول تھے - خصوصاً " دلائل الخیرات " ، قصیدہ بردہ شریف و قصیدہ غوثیہ کا ورد آپ کا معمول تھا - آپ ایک شب میں قرآن پاک کا ختم کر لیتے تھے یہ حضرت آغا صاحبؒ کے سفر حج 1322ھ میں ان کے رفیق تھے - یہ فارسی و عربی دان تھے - اور بہترین کاتب بھی تھے - انہوں نے حضرت صاحبؒ کی کافی کتابیں عربی رسم الخط میں کتابت کی ہیں -

ع/ 1

" مولانا و استاذ نا الحاج الحافظ مولوی لعل محمد متطوی "

یہ ذات گرامی علمائے راسخین و سلف صالحین کی مثال تھے - نہایت عالی قدر عالم دین و دانائے اسرار طریقت و معرفت تھے - جب حضرت خواجہ عبدالرحمان جانؒ افغانستان سے ہجرت فرما کر سندھ میں تشریف لائے تو اس وقت مولوی حاجی لعل محمد صاحب حضرت خواجہ آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کی تعلیم و تربیت کے لئے " سکھر " میں تشریف لائے تھے اور انہوں نے اس وقت نہ صرف حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کو بلکہ سادات سکھر کے صاحبزادگان کو بھی تعلیم و تربیت سے سنوارا تھا - بعد ازاں جب حضرت خواجہ عبدالرحمان جان صاحبؒ اپنے صاحبزادے حضرت آغا محمد حسن جانؒ سرہندی کے ہمراہ حجاز مقدس تشریف لے گئے تو حضرت مولوی لعل محمدؒ صاحب بھی ان کے ہمراہ تھے - ادائیگی فرض حج کے بعد جناب مولوی صاحب سندھ واپس تشریف لے آئے تھے ، جب کہ حضرت خواجہ آغا محمد حسن جان صاحبؒ نے حجاز میں پانچ سال قیام فرمایا تھا اور اس کے بعد واپس سندھ میں اپنی جائے رہائش " سکھر " تشریف لائے تھے - حضرت آغا صاحبؒ جب واپس تشریف لائے تو ان سے ٹنڈو غلام علی میں رہائش پزیر میر صاحبان نے درخواست کی کہ مولوی لعل محمد صاحبؒ کو ٹنڈو غلام علی کے مدرسہ دینی میں مقرر فرما دیں - اس مدرسے میں رونق افروز ہونے کے بعد جناب مولوی لعل محمد صاحبؒ نے اپنی شدید محنت و زبردست لیاقت اور حسن انتظام و تربیت سے مدرسے کو بہت بڑھا دیا اور سندھ کے اطراف و اکناف سے طالب علم مدرسے میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جمع ہونا شروع ہو گئے - اور مولوی صاحب کے چشمۂ فیوض و برکات و علوم دینی سے خوب سیراب ہوئے - یہ مدرسہ تقریباً بیس (20) سال تک اسی شان و شوکت سے رواں دواں رہا ، یہاں تک

سرائی الکلیمی - صفحہ . 259 - 260

کہ مدرسے کی بنیاد اور مرکزی سرپرست میر امام بخش خان فوت ھو گئے اور مدرسے کے کاروبار میں فرق آگیا ، بقول شاعر

آں قدح بہ شکست و آں ساقی نماند

جب یہ صورتحال پیدا ھوئی اور زمانہ دیگر ھوگیا تو حضرت خواجہ آغا محمد حسن جان سرھندیؒ نے مولوی لعل محمد صاحب کو اپنے بڑے صاحبزادے حضرت عبداللہ جان آغاؒ کی تعلیم و تربیت کے لئے ٹنڈو سائیں داد میں مقرر فرما دیا - مولوی صاحب نے ان صاحبزادے کو دوسال تک کتب درسیہ کی تعلیم دی ، بعد ازاں شہر " مٹیاری " میں اپنی رھائش گاہ پر تشریف لے گئے جہاں وہ تا دم آخر رھے اور اپنی عمر درس و تدریس و تحریر افتاء مسائل میں گزار دی - مولوی صاحب نے حضرت عبداللہ جان آغا کے صاحبزادے " آغا غلام علی جان " کو بھی اپنی جائے سکونت ، مٹیاری میں ، آخر عمر میں تعلیم دی - مولوی صاحب کے لئے یہ نہایت ھی بڑے اعزاز کی بات اور منفرد فخر ھے کہ وہ نہ صرف حضرت آغا محمد حسن جان سرھندیؒ کے استاد رھے ، بلکہ آغا صاحبؒ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ جان آغا کے استاد رھے اور حضرت آغا محمد حسن جان سرھندیؒ کے پوتے حضرت غلام علی جان کے بھی استاد رھے - یعنی حضرت مولوی صاحب حضرت آغا محمد حسن جان سرھندیؒ کی تین نسلوں کے استاد رھے - حضرت مولوی لعل محمد صاحبؒ کا انتقال 10 ذی الحج ، یوم عید الضحیٰ 1353ھ میں مٹیاری شہر میں ھوا -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تبصرہ بر کتاب " انیس المریدین " مصنف حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ

کتاب " انیس المریدین" جس کے مصنف حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ ہیں۔ (212) دوسو بارہ صفحات پر مشتمل ہے ۔ کتاب فارسی زبان میں لکھی گئی ہے جس کو سندھی زبان میں مولانا محمد اسحاق محمد صالح انصاری ، لیکچرار فارسی ، گورنمنٹ ڈگری کالج نوشہرو فیروز سندھ نے ترجمہ کیا ہے ۔ یہ کتاب 1983ء بمطابق 1403ھ میں خواجہ محمد حسن جان اکیڈمی حیدرآباد سندھ نے طبع کرواکے شائع کی ہے ۔

کتاب کا موضوع حضرت آغا محمد حسن جانؒ کے والد گرامی حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جانؒ کی سوانح حیات اور ان کی دینی اور علمی زندگی ، معمولات اور دینی کاموں میں ان کے حصہ لینے کا جائزہ لینا ہے ۔

حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ نے اس کتاب میں اپنے والد گرامی کو بہ لحاظ انتہائے ادب " حضرت صاحبؒ " کے لفظ سے ذکر کیا ہے ۔ مزید خوبی اس کتاب کی یہ بھی ہے کہ حضرت آغا صاحبؒ نے اس کتاب میں اپنے سلسلہ " نقش بندیہ " کو اس کی ابتدا سے شروع کرکے نہایت سلیس اور عام فہم انداز میں پیش کیا ہے ۔ مزید برآں اس سلسلے میں بزرگوں کے اقوال زریں اور ان کے ملفوظات کو بھی زینت کتاب بنایا ہے ۔

ان سب باتوں کے علاوہ حضرت آغا صاحبؒ نے طالبین پر مزید مہربانی یہ فرمائی ہے کہ اس کتاب یعنی " انیس المریدین" کو واقعی مریدین اور معتقدین کے لئے " انیس" بناتے ہوئے اپنے والد صاحب گرامی قدر کے وہ اوراد و وظائف اور دعائیں بھی اس کتاب میں شامل کی ہیں کہ جو ان کے معمولات تھے

نیز مریدوں سے بیعت لینے کا طریقہ بھی تحریر فرمایا ہے اور ان سب کے
کے علاوہ وہ تعویذات بھی رقم فرمائے ہیں جو کہ مختلف حالات کے تحت ان
ان کے والد محترم ضرورتمندوں کو دیتے تھے -
حضرت آغا صاحب نے اس کتاب " انیس المریدین " کو ایک مقدمہ - چار فصول
اور ایک خاتمہ پر مشتمل رکھا ہے جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے -

مقدمہ - مقدمہ میں حضرت آغا صاحبؒ کے والد قبلہؒ کے نسب شریف کا بیان
اور سلسلہ نقش بندیہ کے بزرگوں کے اسمائے شریف بیان کئے گئے
ہیں -

فصل اول - اس فصل میں حضرت آغا صاحبؒ کے والد صاحبؒ کے عقائد اور
پسندیدہ فضائل کا بیان ہے -

فصل دوئم - اس فصل میں "حضرت صاحبؒ" یعنی حضرت آغا صاحبؒ کے والد
گرامی کی علمی اور دینی قابلیت کا جائزہ لیا گیا ہے -

فصل سوئم - اس میں " حضرت صاحبؒ" کی معمول دعاؤں - تعویذات اور "ختم
بزرگان نقش بندیہ" کا جائزہ لیا گیا ہے -

فصل چہارم - اس میں حضرت صاحبؒ کے ملفوظات ، کرامات وغیرہ کا جائزہ
لیا گیا ہے - مزید یہ کہ وقت کے عالموں نے جو کچھ " حضرت صاحب
کی شان میں مدح کی ہے اس کا بھی جائزہ لیا گیا ہے - بقول
حضرت آغا صاحب دراصل یہ ہی فصل اس مذکورہ کتاب کی تصنیف
کا باعث ہے -

خاتمہ - اس میں " حضرت صاحبؒ " کے احوال بوقت وصال بیان کئے گئے
ہیں اور مزید یہ کہ وہ اشعار اور مرثیے شامل کئے گئے ہیں کہ
جو وقت کے علماء نے ان کے وصال پر کہے -

نمبر 1 - ہم اپنے تبصرہ میں حضرت آغا صاحبؒ کے والد صاحب کو " حضرت صاحبؒ " کے
لفظ سے ذکر کریں گے واضح رہے -

کتاب مذکور یعنی " انیس المریدین" پر تبصرہ کرنے کے لئے یہ بہتر اورزیادہ معتبر و خوشگوار معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی ہر فصل پر جداگانہ تبصرہ کیا جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر معلومات طالبین و قارئین تک پہنچیں -

تبصرہ بر فصل اول

اس فصل میں حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ نے اپنے والد گرامی حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جان المعروف بہ " حضرت صاحبؒ " کے مسلک کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ؏[1]

" حضرت صاحبؒ " کا مسلک پیروی و اتباع حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھا اور اس سے بال برابر ہٹنے کو بھی گناہ عظیم تصور فرماتے تھے فروعیہ مسائل میں " ماتریدی " ؏[2] مسلک کے پیرو تھے اور فقہ کے فروعی مسائل میں حضرت امام اعظم امام نعمان بن ثابت، ابو حنیفہؒ کے پیرو تھے - لیکن تمام آئمہ فقہ کو برحق جانتے اور مانتے تھے اور فرماتے تھے کہ احادیث شریف کو یہ حضرات مجتہدین بہتر جانتے اور سمجھتے ہیں اور ان احادیث سے استنباط احکام و مسائل ان ہی حضرات کا کام ہے اور ان ہی کو زیب دیتا ہے - حضرت صاحبؒ کا مسلک مکمل طور پر اہل سنت و الجماعت کا راستہ تھا اور وہ آئمہ اربعہ اور دیگر بزرگان دین کی بھی نہایت درجہ تعظیم کرتے تھے - اور اختلاف صحابہ کو اجتہاد سمجھتے تھے اور ان کے اختلاف کو بھی ان حضرات کے لئے اجر کا زریعہ تسلیم کرتے تھے - حضرت صاحبؒ کسی مسلمان پر طعن کرنا یا لعنت بھیجنا جائز نہیں سمجھتے تھے یہاں تک کہ " یزید " پر بھی جو کہ واقعہ کربلا کا باعث بنا اور اس سلسلے میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ ہو سکتا ہے کہ یزید تائب ہو کر مرا ہو اور اگر معاملہ اسکے برعکس ہو تو یزید کے لئے اس کی اپنی برائی ہی کافی ہے اس پر مزید لعنت بھیجنے سے کیا فائدہ ؟

1 انیس المریدین - ص 41
2 ایضاً

ع / ا

" حضرت صاحبؒ قبلہ" اولیاء کرام کی کرامات کو برحق جانتے تھے اور اگر دوران " سکر" کسی ولی کامل کی زبان سے کوئی کلمہ عجیب نکل گیا ہو تو ان کو عالم جذب میں ہونے کی وجہ سے معذور گردانتے تھے حضرت قبلہ صاحبؒ مزاوات اولیاء کرام کی زیارات کے لئے دور دور تشریف لے جا یا کرتے تھے۔ اور یہاں تک آپ حضرت معین الدین چشتیؒ کی زیارت کے لئے حضرت آغا صاحبؒ کے ساتھ 1290ھ میں اجمیر شریف تشریف لے گئے ۔ آپ اولیاء کرام کے " عرس" بھی منعقد کرواتے تھے ۔

اس کے برخلاف حضرت صاحبؒ قبلہ بقول حضرت آغا صاحبؒ صحبت نا جنس خصوصاً مختلف فرقوں مثلا وہابی ، شیعہ معتزلہ وغیرہ کی صحبتوں سے پرہیز کی سخت تاکید فرماتے تھے اور اس طرح کے میل جول کو " زہرقاتل" فرماتے تھے اور اسی طرح بے دین اور گمراہ لوگوں کی صحبت سے شدیدپرہیز کی ہدایت فرماتے تھے ۔ حضرت صاحبؒ قبلہ نادرو قیمتی کتب کے جمع کرنے میں انتہائی کوشش فرماتے تھے اور ان کا اصول تھا کہ اگر کوئی نادر کتاب نظر آجائے تو اس کو کسی بھی قیمت پر اور کسی بھی حال میں نہ چھوڑا جائے آپ کے کتب خانے میں حدیث ، فقہ ، حرفِ نحو ، منطق ، علم الکلام علم معانی ، ریاضی ، علم ہئیت ، اخلاق ، سیرو سلوک ، تاریخ وغیرہ پر بے شمار کتب اور تفاسیر موجود تھیں ۔

حضرت صاحبؒ قبلہ قدیم شعراء مثلا حافظ شیخ سعدیؒ اور مولانا جامیؒ رحمتہ اللہ علیہم و غیرہم کو کامل شعرا اور عارف سمجھتے تھے اور شیخ حافظ شیرازیؒ کو " لسان الغیب " مانتے تھے اور ان کے دیوان کو بالخصوص پسند فرماتے تھے ۔

حضرت صاحبؒ اسلام کے دارومدار اور آخرت کی کامیابی کا انحصار درستگی اور پاکیزگیٔ نیت کو جانتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا

ا - ایس ایم ریحان ، ص - 96

ہے کہ " اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات " (بے شک اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔)
اسی ضمن میں حضرت صاحبؒ ظاہری اعمال و تقوی کو بہت زیادہ معتبر نہ جانتے تھے اور اگر کسی شخص کو کیسا ہی بڑا گنہگار ما سوا شرک کے دیکھتے تھے تو بمطابق عقیدہ اہل سنت والجماعت اس کی بخشش کی امید رکھتے تھے۔

حضرت صاحبؒ قبلہ ، کافروں کا تحفہ قبول کر لیتے تھے اور کافروں کو سلام کا جواب ہاتھ کے اشارہ سے دینا جائز سمجھتے تھے۔

" معمولات و وظائف حضرت صاحبؒ "

حضرت صاحبؒ قبلہ قرأت کلام پاک کا نہایت پابندی سے وظیفہ رکھتے تھے۔ خصوصاً رمضان المبارک میں اور بحری سفر کے دوران۔ مزید براں حضرت صاحبؒ " دلائل خیرات " کا ایک نسخہ اپنے پاس رکھتے تھے جو کہ حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھویؒ" کا دستخط شدہ تھا۔ حضرت صاحبؒ اس نسخہ کے مطالعہ پر ہمیشگی رکھتے تھے۔ " حصن الحصین" قصیدہ بردہ شریف" کا بھی معمول اور مطالعہ رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ قصیدہ " بانت سعاد " کو روزانہ پڑھتے تھے اور اس کی نہایت تعریف فرماتے تھے۔ حضرت صاحبؒ قبلہ نے عربی زبان میں اس قصیدہ بانت سعاد کی شرح بھی لکھنی شروع کی تھی جو کہ بوجوہ پوری نہ ہو سکی۔

---

1 ۔ " دلائل الخیرات" دعاوں اور اوراد کی مشہور و بابرکت کتاب تصنیف امام عبداللہ محمد بن سلیمان الجزویؒ۔

2 ۔ حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھویؒ ۔ ٹھٹھہ صوبہ سندھ کے مشہور و معروف صوفی بزرگ

3 ۔ احادیث صحیحہ اور دعاوں کی کتاب " حصن الحصین" تصنیف علامہ محمد بن محمد الجزویؒ 833ھ

4 ۔ قصیدہ بردہ شریف ۔ مشہور و معروف قصیدہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ مصنف حضرت شیخ امام محمد شرف الدینؒ

5 ۔ قصیدہ بانت السعاد ۔ مشہور قصیدہ فی الشان حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شاعر حضرت کعب بن زہیر بن ربی سلمہؓ۔

علاوہ ازیں جب حضرت صاحبؒ قبلہ نے 1303ھ میں مدینہ شریف میں قیام فرمایا تو روضہ مبارک آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مشہور وظیفہ "شفاء الامراض" جو کہ حضرت خواجہ بیرنگ قدس سرہ کی تصنیف ہے کا اس قدر ورد کیا کہ روزانہ اس وظیفہ کا ختم پڑھتے تھے۔ حضرت صاحبؒ تصوف میں انتہا کا کمال اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے تھے اور اس ضمن میں حضرت شیخ سعدیؒ کا یہ شعر ورد زبان رکھتے تھے۔

"محال است سعدی کہ راہ صفا

شد حاصل سوائے در مصطفیٰؐ"

حضرت صاحب قبلہؒ نے دوران قیام مدینہ شریف تحصیل علم حدیث اور بعدہ اجازت روایت حدیث شیخ احمد دھلانؒ سے حاصل کی۔ مزید یہ کہ حضرت صاحبؒ کو اجازت روایت حدیث شیخ احمد سعید دھلویؒ کے برادر شیخ عبدالغنی مجددی دھلویؒ ساکن مدینہ شریف اور مزید اجازت حضرت شیخ عبداللہ السراجؒ مفتی حنفیہ فی المدینہ سے بھی حاصل کی۔ حضرت قبلہ صاحبؒ نے مذکورہ بالا تمام علماء سے دوران قیام مدینہ منورہ حدیث پڑھی اور اجازت حاصل کی۔

حضرت صاحبؒ قبلہ نہایت خلیق، سخی، رقیق القلب اور ضرورتمندوں کی حاجت روائی کے لئے ہروقت تیار رہنے والے شخص تھے کبھی سائل کا سوال رد کرنا اچھا نہ جانتے تھے۔ صلہ رحمی ان کی عادت تھی اور اخلاق کا یہ عالم تھا کہ اپنی محفل میں موجود ہر شخص سے بہ نفس نفیس مزاج پرسی فرماتے تھے۔

"دوسری فصل۔ تبصرہ"

اس فصل میں حضرت آغا محمد حسن جانؒ اپنے والد گرامی المعروف "حضرت صاحبؒ" کی علمیت کو اور ان کے عالمانہ انداز کو زیر بحث لاتے ہوئے

فرماتے ہیں کہ حضرت صاحبؒ کی عادت شریفہ تھی کہ خواہ مخواہ صرف ظاہری نمود و نمائش کے لئے اپنی علمیت کو ظاہر نہ فرماتے تھے بلکہ کسی بھی مسئلہ کا اولاً صرف زبانی جواب دے دیا کرتے تھے یا پھر کسی دیندار اور ثقہ عالم کی نشاندہی سائل کو کر دیتے تھے - لیکن اگر سائل خود حضرت صاحبؒ سے جواب کا طالب اور مصر ہوتا تھا اور حضرت صاحبؒ قبلہ کو بھی اندازہ ہوتا تھا کہ سائل کا مقصد صرف تحقیق مسئلہ اور تسلی بخش جواب حاصل کرنا ہے تو پھر ایسے مسئلوں میں حضرت صاحبؒ قبلہ تحریری جواب دینے سے گریز اور دیر نہ فرماتے تھے - اس سلسلے میں حضرت آغا صاحبؒ نے نمونتاً ایک مسئلہ اور اس کا جواب بھی قارئین اور مخلصین کے ملاحظہ کے لئے پیش کیا ہے کہ بزبان حضرت آغا صاحبؒ ع۱

" حضرت صاحبؒ قبلہ سے وقت کے اکابر علماء میں سے ایک نے سوال کیا کہ " لا تعین ". تعین میں کیا معنی رکھتا ہے ؟ اور اہل تصوف کے نزدیک لا تعین کا وصف کیا ہے ؟ "

حضرت صاحب قبلہؒ نے جواباً لکھا کہ معلوم ہونا چاہئے کہ " لاتعیّن " سے مراد ذات پاک رب العزت ہے کیونکہ صرف وہ ہی ایسی ہستی ہے جو کہ بغیر کسی شک و شبہ کے غیر متعین اور غیرمشخّص ہے اور وہی ذات پاک ازل سے ابد تک بلکہ اس سے قبل اور بعد بھی قائم و دائم ہے - واضح ہو کہ صوفی حضرات بزرگان ان تجلّیات کو جو کہ روز ازل سے ذات الٰہی سے جاری و ساری ہیں تعیّنات سے تعبیر کرتے ہیں اور کچھ بزرگ ان ہی تجلیات کو تنزّلات بھی کہتے ہیں - مزید یہ معلوم ہو کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ لاتعین بذات خود تعین اول ہے یا تعین ثانی - بلکہ اتنا جان لینا چاہئے کہ تعین اول " لا تعین " میں ظاہر ہوکر بطریق انعکاس انوار تجلی ظاہرکرتا ہے -

ایس ایم ایدین - سی - 68

" تذکرہ اذکار سلسلۂ نقش بندیہ " ع

حضرت صاحب قبلہؒ کی روحانی و علمی قابلیت کا یہ بھی ایک بین ثبوت ہے اور نا قابل تردید حقیقت بھی، کہ آپ اہل استطاعت سالک کو سلسلۂ نقش بندیہ کے اذکار و طریقہ شغل اس طرح تعلیم کرتے ہیں کہ

سالک کو سب سے پہلے چار ضروری چیزیں جو کہ راہ طریقت کی بنیاد ہیں حاصل ہونا ضروری ہیں یعنی اول متابعت شریعت پاک حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور عقائد اہل سنت و الجماعت کی تقلید - دوئم رزق حلال - سوئم ذکر کثیر اور چہارم اجازت مرشد -

بعدہٗ حضرت صاحبؒ تعلیم طریقہ ذکر فرماتے ہیں کہ "لطیفہ اول قلب ہے جس کا مقام پستان چپ کے نیچے ہے - اس لطیفہ کے نور سفید ہے اور یہ حضرت آدم علیہ السلام کے قدموں کے نیچے ہے - اس راستے سے راہ سلوک طے کرنے والے آدمی کو " آدمی المشرب " کہتے ہیں - اس طریقے کے سالک کو چاہئے کہ انکھیں بند کرے - زبان کو تالو سے لگالے اور دل میں لفظ " اللہ " کا تصور کرکے دل ہی دل میں " اللہ " کا لفظ ذکر کرے- ذکراً کثیراً اس شکل کی انتہا اور صلۂ فنائے قلبی اور دوستان خدا میں شمولیت ہے -

لطیفہ دوئم یعنی لطیفہ روح

یہ لطیفہ پستان راست کے نیچے واقع ہے اس کا نور زرد اور سیدنا حضرت ابراھیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نیچے واقع ہے اس طریقے سے سالک کو راہ سلوک میں" ابراھیمی مشرب" کہتے ہیں - اس ذکر پر مداوت سے ذاکر مرتبہ فنائے روحی تک پہنچتا ہے -

لطیفہ سوئم یعنی لطیفہ سری

یہ لطیفہ پستان راست کے اوپر دو انگلیوں کے فاصلے پر موجود ہے اس کا نور سرخ اور حضرت کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم

73-72 · ایس ایم ریڈی پی

ہے اس میں ذاکر کو " فنائے سری " حاصل ہوتی ہے -

لطیفہ چہارم یعنی لطیفہ خفی

یہ پستان چپ کے اوپر تقریبا دوانگلیوں کے فاصلے پر واقع ہے اس کا نور سیاہ اور حضرت روح اللہ ، عیسیٰ علیہ السلام کے زیرقدم واقع ہے ہر سالک کو جو اس مقام پر پہنچتا ہے " عیسوی المشرب " کہتے ہیں - اس ذکر کے نتیجے میں ذاکر کو " فنائے خفی " حاصل ہوتی ہے -

لطیفہ پنجم یعنی لطیفہ اخفیٰ

یہ سینے کے درمیان میں واقع ہے اس کا نور سبز اور یہ افضل الخلائق ، خیرالبشر - خلاصہ کائینات ، سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کے تحت واقع ہے جس سالک کو اس راہ سے بارگاہ خداوندی میں باریابی نصیب ہوتی ہے اس کو " محمدی المشرب " کہتے ہیں -

" حضرت صاحبؒ " قبلہ یہاں تک بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جب یہ مزکورہ بالا پانچوں لطائف حاصل ہو جائیں تو پھر سارا بدن ذاکر ہو جاتا ہے اور اس ذکر کو " سلطان الذکر " کہتے ہیں - اس کے ذکر نفی و اثبات یعنی " لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ " ہوتا ہے اور اس کے بعد سالک کو " مراقبے " کی تعلیم دیجاتی ہے -

مزکورہ بالا لطائف کے ذکر کے بعد حضرت قبلہ آغا محمد حسن جان صاحبؒ نے کچھ علمی سوالات جو کہ وقت کے فاضلوں نے ان کے والد گرامی حضرت آغا عبدالرحمٰن المعروف بہ " حضرت قبلہ صاحبؒ " کے سامنے جوابات کے کے لئے پیش کئے تھے ، تحریر فرمائے ہیں اور درحقیقت ان سوالات اور ان کے شافی جوابات سے حضرت صاحب قبلہؒ کی وسعت علمی اور دینی مسائل میں ان کی عمیق نظری کا اندازہ ہوتا ہے - مزکورہ سوالات اور ان کے جوابات ذیل

میں درج کیے جاتے ہیں ۔ ع/

سوال نمبر1 عورتوں کے پردے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرض ہے یا نہیں ؟

جواب حضرت صاحب قبلہؒ جوان عورتوں کا پردہ کرنا فرض ہے اور حکم مطلق ہے بموجب آیت شریفہ (سورۃ نور۔ رکوع نمبر4) ولا یبدین زینتھن الایہ

سوال نمبر2 شادی بیاہ کے مواقعوں پر عورتوں اور مردوں کے گانے بجانے کے بارے میں کیا حکم ہے ؟

جواب حضرت صاحب قبلہؒ عورتوں کے گانے کی آواز مردوں کو سنائی نہ دینی چاہئے ہاں اگرعورتیں آپس میں اس قدر دھیمی آواز میں گائیں کہ مردوں کو سنائی نہ دے تو کچھ حرج نہیں ۔ لیکن ساز و سرور کا استعمال تو بجائے خود حرام ہے ۔ چاہے اس کو عورتیں استعمال کریں یا مرد ۔

سوال نمبر3 مولود شریف کی محافل کا انعقاد اور مسجدوں میں مولود شریف کی محافل جائز ہیں یا نہیں ۔

الجواب محافل مولود شریف کچھ طریقوں میں جائز ہے اور کچھ میں نہیں اس کا دارومدار نیتوں پر ہے اگر حاضرین کی نیت اس قسم کی محافل میں صرف اشعار سن کر نفس کو خوش کرنا ہے تو ناجائز ہے اور اس طریقے سے منع کیا گیا ہے اور مساجد میں تو اس طریقہ پر یہ مجالس منعقد کرنا بالخصوص قباحت ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

مزکورہ بالا سوالات اور ان کے جوابات کے ساتھ ہیں اس کتاب یعنی انیس المریدین کی دوسری فصل اختتام پزیر ہوتی ہے ۔

" تیسری فصل ۔ کتاب انیس المریدین "

لہ اس فصل میں حضرت خواجہ عبدالرحمن جان صاحبؒ یعنی اپنے والد قبلہ المعروف بہ " جضرت صاحبؒ " کی وہ دعائیں اور وہ اوراد و وظائف بیان

انیس المریدین ص ۔ 84۔85

فرمائے ہیں کہ جو کہ حضرت صاحبؒ " قبلہ کے معمولات میں سے تھے - درحقیقت یہ تیسری فصل اس کتاب کی ایک نہایت اہم فصل ہے اور کتاب کے اس حصے کو بیان کرتی ہے جو کہ قبلہ حضرت صاحبؒ کی صوفیانہ اور روحانی زندگی کو نہایت خوبی و وضاحت کے ساتھ اجاگر کرتا ہے خصوصاً اگر ہم بہ نظر غائراس بات کا جائزہ لیں کہ دن و رات کے کس قدر بڑے حصے پر حضرت صاحبؒ کے معمولات و اوراد دینی مشتمل ہوتے تھے تو ہم یقیناً اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ فی الحقیقت حضرت صاحب قبلہؒ اپنی جگہ ایک عالم بے بدل اور روحانیت کے بلند پرواز شہباز تھے -

اب ہم مزکورہ بالا تمہید کی روشنی میں اگر " حضرت صاحبؒ " کے روز مرہ معمولات اور مشغولیات کا جائزہ لیں تو ہمارے سامنے ایک نہایت پاکیزہ اور نہایت با ضابطہ طریق زندگی آتا ہے - مثلاً حضرت صاحب قبلہؒ فرض نمازوں کے بعد مختلف مسنون و ماثورہ دعاؤں کو پڑھتے تھے اور یہ ان کا ایک باقاعدہ اور متواتر و مسلسل عمل تھا البتہ سفر کے دوران ان دعاؤں میں سے کچھ کو اختیار فرماتے تھے غالبا تنگیٔ وقت اور سفر کے تقاضے کے موجب - اس کے علاوہ مختلف مواقع پر مثلاً زیارات قبور کے وقت - سفر شروع کرتے وقت اور کسی سے خوش ہوکر حضرت صاحب قبلہؒ ان ہی دعاؤں کو اختیار فرماتے تھے جو کہ مسنون یا بزرگان دین سے ثابت اور وابستہ ہیں - درحقیقت حضرت صاحب قبلہؒ عالم روحانیت میں اس مقام پر تھے جہاں پر کہ خلاف سنت ان سے کوئی کام واقع ہو جانا خود ان کے دل کی بے چینی اور بے لطفی کا سبب بنتا تھا - اور وہ اس بات کی نہایت نگاہ داشت رکھتے تھے کہ دانستہ یا نادانستہ ان سے کوئی غیر مشروع یا خلاف سنت امر یا فعل صادر نہ ہو -

" تلقین مریدین "

حضرت صاحب قبلہؒ کی انتہائی روشن و پاکیزہ دینی زندگی کی ایک جھلکی اس تلقین میں بھی نظر آتی ہے جب کہ حضرت صاحبؒ کسی شخص کو مرید بناتے وقت فرماتے تھے یہ تلقین صاحبان ذوق اور طالبین کے لئے ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔ ۱/ع

" اے شخص تو جو کہ ہمارے سلسلے میں داخل ہو رہا ہے اس بات کا پابند رہے گا کہ نماز پنج وقتہ پر نہایت پابند رہے گا اور تیری انتہائی کوشش ہو گی کہ ہر نماز اپنے مقررہ وقت پر ادا کرے۔ اگر کسی سبب سے تیری نماز قضا ہو جائے تو تجھ پر لازم ہوگا کہ جلد از جلد انتہائی شرمساری کے ساتھ اس نماز کی قضا ادا کرے۔ مزید یہ کہ تو روزہ۔ زکواۃ اور حج بشروط استطاعت جلد از جلد ادا کرے گا۔ اس کے علاوہ تجھ پر لازم ہے کہ تو علمائے دین سادات کرام اور اہل بیت کی نہایت درجہ تعظیم کرے گا کیونکہ علمائے دین کی عزت کرنا حق خداوندی ہے اور سادات کرام کی عزت کرنا حق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ ان باتوں کے ساتھ ساتھ تیرے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ صحبت ناجنس مثلاً فاسق ، بدعتی ، رافضی اور وہابی وغیرہم سے اجتناب کرے کیونکہ ایسی صحبت سالک کے لئے زہر قاتل کے مثل ہے۔

مزید برآں تجھے اس بات کی نہایت درجہ کوشش کرنا چاہئے کہ " حقوق والدین" اپنی ہمت اور فرمانبرداری کی انتہائی حد تک بجا لائے اور اس پر رب کریم کا احسان مانے اور شکر ادا کرے۔ مزید برآں اگر تجھ پر کسی کا کوئی حق ہے تو یا تو اس کو ادا کردے یا اس سے معاف کروالے۔ تیرے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ صبح کی نماز کے بعد اسی جگہ بیٹھ کر مراقبہ کرے

انیس العارفین۔ ص 117

اس تلقین کے بعد حضرت صاحب قبلہؒ مرید کو اس کے حسب حال اور ہمت و استطاعت کے مطابق تعلیم فرماتے تھے یہاں تک کہ وہ رفتہ رفتہ وقت کے ساتھ ساتھ پتھر سے ہیرا بن جاتا تھا ۔

" بیان تعویزات "

حضرت صاحب قبلہ مختلف ضرورتمندوں کو حل مشکلات اور دفیعہ بلیات کے لئے مختلف آیات کلام ربانی پر مشتمل تعویزات عطا فرماتے تھے۔ لیکن جو کچھ بھی ان تعویزات پر لکھا اور نقش کیا جاتا تھا وہ سب کا سب قرآن کریم سے لیا جاتا تھا ۔ مثلاً حضرت صاحب قبلہؒ -

جنّاتِ کے اثر کے دفعیہ کیلئے - سورتہ بقرہ کی تین آئیتیں یعنی پہلی پھر اس کے بعد آیت الکرسی اور اٰمَنَ الرَّسُوْلُ آخری آیت بقرہ تک اور اس کے ساتھ " معوذتین " لکھ کر دیا کرتے تھے ۔

اسی طرح ہرقسم کی تپ کے لئے حضرت صاحب قبلہؒ تعویز میں مندرجہ ذیل آیت کلام اللہ لکھا کرتے تھے ۔

قُلْنَا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّ کُلِّ عِرْقٍ نِعَّارٍ وَّ مِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ -

" ختم خواجگان "

حضرت صاحب قبلہؒ نزول برکت کے لئے ختم خواجگان سفروحضر میں اپنا مستقل معمول رکھتے تھے - جوکہ مندرجہ ذیل طریق پر کیا جاتا تھا ۔

نماز عصر کے بعد حاضرین حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے تھے پھر وہ تھیلی لائی جاتی تھی جس میں ختم شریف پڑھنے کے مقرر کردہ ایکسو اکیس (121) کنکر رکھے ہوتے تھے - ان ایکسو اکیس (121) کنکروں میں سے اکیس کنکر جدا

اینس المریدین صفحہ 120 - 121

کرکے باقی ایک سو کنکر حاضرین میں تقسیم کر دئے جاتے تھے ۔

اس کے بعد سورۃ فاتحہ سات مرتبہ اور درود شریف ایک سو مرتبہ پڑھا جاتا تھا ۔ پھر ان ایک سو کنکریوں میں سے مزید اکیس کنکریاں جدا کر دی جاتی تھیں اور باقی اناسی (89) کنکریوں پر اناسی (89) مرتبہ سورہ الم نشرح پڑھی جاتی تھی پھر دوبارہ ان اناسی (89) کنکریوں میں اکیس کنکریاں ملا کر ان پر ایک ہزار مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھی جاتی تھی ۔ پھر ہاتھ اوپر اٹھا کر سات مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد ایک سو مرتبہ درود شریف پڑھا جاتا تھا پھر پانچ سو (500) مرتبہ "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ" اس طرح پڑھا جاتا تھا کہ ہر سو مرتبہ پورا ہونے کے بعد اس میں "الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ" کا اضافہ کیا جاتا تھا ۔ پھر دوبارہ ایک سو مرتبہ درود شریف پڑھ کر پانچ سو مرتبہ "حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ" پڑھا جاتا تھا اور اس میں ہر ایک سو مرتبہ پڑھنے کے بعد "نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ" کا اضافہ کیا جاتا تھا ۔ پھر دوبارہ ایک سو مرتبہ درود شریف پڑھنے کے بعد پانچ سو مرتبہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" پڑھا جاتا تھا ۔ پھر دوبارہ ایک سو مرتبہ درود شریف پڑھنے کے بعد پانچ سو دفعہ "یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ" پڑھا جاتا تھا اور اس کو ہر ایک سو دفعہ پڑھنے کے بعد اس میں "بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ" کا اضافہ کیا جاتا تھا ۔ اس کے بعد پانچ سو مرتبہ "وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ" پڑھا جاتا تھا ۔ پھر دوبارہ ایک سو مرتبہ درود شریف پڑھ کر "یَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ" ایک سو مرتبہ "یَا کَافِیَ الْمُہِمَّاتِ" ایک سو مرتبہ "یَا کَاشِفَ الْمُشْکِلَاتِ" ایک سو مرتبہ "یَا دَافِعَ الْبَلِیَّاتِ" ایک سو مرتبہ "یَا مُجِیْبَ الدَّعْوَاتِ" ایک سو مرتبہ "یَا شَافِیَ الْاَمْرَاضِ" ایک سو مرتبہ اور "یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ" سو دفعہ پڑھا جاتا تھا پھر اس کے بعد دعا مانگی جاتی تھی اگر کبھی ختم خواجگان جمع کے دن واقع ہوتا تو تھیلی میں سے

پہلے نکالی ہوئی اکیس (21) کنکریاں باقی ماندہ کنکریوں میں ملا کر تین سو تریسٹھ (363) مرتبہ " درود تنجینا " پڑھا جاتا تھا - لیکن یہ ساتوں اسمائے حسنی الٰہی شروع کرنے سے پہلے پڑھا جاتا تھا یعنی " يَا قَاضِىَ الْحَاجَات " سے پہلے یا پھر آخری لفظ " يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْن " شروع کرنے سے پہلے پڑھا جاتا تھا -

ان سب اوراد کو پورا کرنے کے بعد حضرت صاحب قبلہؒ ان ختموں کا ثواب ہاتھ اوپر اٹھا کر اس طرح بھیجتے تھے کہ

" یا اللہ تو ان مبارک ختموں کا ثواب قبول فرما اور بواسطہ روح پر فتوح حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل بیت اطہار واصحاب کرام اور نیک ہستیوں اور ان کے تابعین کے پہلے ختم کا ثواب حضرت خواجگان نقش بندیہ خصوصا حضرت ابو بکر صدیقؓ سے شروع کرکے میرے والد و مرشدؒ کی ارواح کو پہنچا - دوسرے ختم کا ثواب حضرت امام ربانیؒ ، محبوب سبحانی فرد یزدانی حضرت شیخ احمد سرہندی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کو پہنچا - تیسرے ختم کا ثواب حضرت غوث الثقلینؒ ، نجیب الطرفین ، سید الجن و الانس ، سیدنا و مولانا و مرشدنا ، شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کو پہنچا چوتھے ختم کا ثواب حضرت خواجہ خواجگان حضرت امام محمد معصوم قدس اللہ تعالیٰ سرہ کو پہنچا - پانچویں ختم کا ثواب حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہ کی روح کو پہنچا - چھٹے ختم کا ثواب حضرت خواجہ مشکلکشا جناب حضرت خواجہ محمد نقش بند کی روح پر فتوح کو پہنچا اور ساتویں ختم کا ثواب بروح خاص الخاص جناب حضرت افضل الموجودات حضرت شفیع الخلائق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچا -

اس ایصال ثواب ختم خواجگان کے بعد " حضرت صاحبؒ قبلہ عموماً " مندرجہ ذیل دعا بہ درگاہ قاضی الحاجات مانگتے تھے -

" یا اللہ میں ان تمام پاک روحوں کو تیری بارگاہ و دربار میں شفاعت کے لئے لاتا ہوں،اور ان ہی مقدس و پاکیزہ ارواح کا وسیلہ پکڑتا ہوں کہ تو میری تمام دینی اور دینوی مشکلات حل فرما ۔ آمین ۔ اس کے بعد دعا مانگ کر حضرت صاحب قبلہ دعا کے آخر میں درود شریف پڑھ کر دونوں دست مبارک اپنے چہرہ پر پھیر لیتے تھے ۔

" چوتھی فصل "

زیر تبصرہ کتاب یعنی" انیس المریدین " کی چوتھی فصل ہی درحقیقت اس کتاب کی اساس اور جواز تصنیف ہے کیونکہ اس فصل میں " حضرت صاحب قبلہؒ کی وہ کامیابیاں اور حصول منزل بیان کیا گیا ہے جو کہ عالم روحانیت میں کشف و کرامات کے عنوان سے معنون ہے اور یہ درحقیقت صلہ ہے پروردگار عالم کے دربار سے اس کے راستوں پر چلنے والوں کی سعی و کاوش اور لگن بے نہایت کا ۔ یہ درحقیقت ایک سند ہے دربار خداوندی سے کسی کی تڑپ کے سچا ہونے کی اور اس کے مقبول رب العالمین ہونے کی ۔ حقیقت یہ ہے کہ کشف و کرامات منزل نہیں بلکہ ایک ایسا منارہ نور ہیں جو کہ ایک سالک طریقت کو نہ صرف منزل کی طرف بڑھتے چلے جانے کا حوصلہ عطا کرتی ہیں بلکہ اس کے عزم کو مہمیز اور پختگی کو سوز بھی عطا کرتی ہیں یہاں تک کہ جب یہ راہ سلوک کا واجب الاحترام سالک اپنے آپ سے گزر جاتا ہے ، خودی کو بھول جاتا ہے تو خدا کو پا لیتا ہے ۔

اس چوتھی فصل کو جب ہم بہ نظر غائر دیکھتے ہیں تو ہم کو حضرت صاحب قبلہؒ ایک نوازے ہوئے شخص ۔ برگزیدہ عالم اور خدا کے عشق میں ڈوبے ہوئے سالک نظر آتے ہیں ۔ وہ ظرف کا ایک ایسا پیالہ نظر آتے ہیں جس میں لاکھوں سمندر گم ہو جائیں اور پیالہ چھلکنے نہ پائے ۔ خود کو

چھپانے اور گم نام رکھنے کے باوجود اس بزرگ ہستی کی کچھ جھلکیاں اہل بصیرت کے سامنے آہی گئی ہیں جو کہ طالبین راہ سلوک کے ذوق نظر اور حوصلہ افزائی کے لئے ذیل میں رقم کی جاتی ہے - واضح رہے کہ بقول مصنف کتاب ھذا یعنی حضرت آغا محمد حسن جانؒ - یہ وہ واقعات ہیں جو کہ خود ان کی آنکھوں کے سامنے پیش آئے یا پھر ان کے درمیان نہایت معتبر و محترم اشخاص ہیں - جن سے غلط بیانی کی توقع غلط و عبث ہے -

1 - بیان حضرت صاحب قبلہ ع

1296 میں جب کہ انگریزوں نے ملک افغانستان پر قبضہ کیا تو کابل شہر کے گرد و نواح کے ایک علاقے " مسیوند " کے نزدیک بھی جنگ کی آگ بھڑک اٹھی - حضرت صاحب قبلہ بھی بہ نفس نفیس اس جہاد میں شریک ہوئے دوران ہنگامہ جہاد کافروں کی ایک بندوق کی گولی حضرت صاحب قبلہؒ کے رخسار مبارک پر آکر لگی -

حضرت صاحب قبلہؒ کے اپنے فرمان کے مطابق مزکورہ بالا گولی ان کے رخسار پر لگنے کے بعد بغیر کسی نقصان پہنچانے کے زمین پر گر پڑی اور نہایت گردوغبار پیدا ہوا - دوسری طرف حضرت صاحب قبلہؒ کو بجائے کوئی زخم و گزند آنے کے اپنے رخسار پر صرف تھوڑی سی جلن اور سوزش محسوس ہوئی اور وہ بھی چند دن کے بعد رفع ہوگئی -

2 - راوی حاجی صدیق قندھاری

بقول حضرت حاجی صدیق صاحبؒ 1305ھ میں کسی دشمن نے حاکم وقت کو حضرت حاجی صدیق صاحبؒ کے خلاف اس قدر بھڑکایا کہ حاکم نے حاجی صاحب کا تمام گھر لوٹ لینے کا حکم دیا - بموجب حکم تمام گھر لوٹ لیا گیا لیکن صرف وہ چارپائی باقی رہی جس پر " حضرت صاحب قبلہؒ " حاجی صاحب کے گھر آکر آرام فرماتے تھے -

ایم اے عربی - ص - 142-145

3 - راوی مرحوم ولی محمد بھرگڑی

1295ھ میں حضرت صاحب قبلہؒ سفر حرمین شریفین سے واپس تشریف لائے - اس فقیر نے حضرت صاحب قبلہؒ کی دعوت کی - دعوت سے فراغت کے بعد اس عاجز نے عرض کیا کہ " یا حضرتؒ میری عمر آخر ہوئی اور فکر یہ ہے کہ کوئی اولاد نرینہ نہیں جس کے سبب با احوال پریشاں ہوں - آپ خداوند کریم کے دوبار میں اس عاجز کے لئے دعا فرمائیں "

حضرت صاحب قبلہؒ نے مجھے تنہائی میں طلب کیا اور فرمایا " تم دوسری شادی کرو - خداوند کریم تم کو اولاد نرینہ سے نوازے گا " میں نے حضرت صاحب قبلہؒ کے حکم کے بموجب دوسری شادی کی اور خداوند کریم نے مجھے پہلی اور دوسری دونوں بیویوں سے دو دو فرزندان عطا فرمائے -

اسی طرح حضرت صاحب قبلہؒ کے تصرفات میں سے یہ بھی کرامت دیکھنے میں آئی کہ ایک مرتبہ حضرت صاحب قبلہؒ حرمین شریفین کے سفر سے واپسی کے دوران جب قندھار سے ہوتے ہوئے جب افغانستان میں داخل ہوئے تو راہ زنوں کا ایک ٹولہ جس کا تعلق "اچکزئی" قوم سے تھا حضرت صاحب قبلہؒ کی جماعت پر حملہ آور ہوا - حضرت صاحب قبلہؒ کے رفیقوں اور خادمین نے بھی ان سے مقابلے کی تیاری شروع کی - لڑائی سے قبل حضرت صاحبؒ قبلہ نے نہایت نرمی اور فضیلت کے ساتھ ڈاکوؤں کے اس ٹولے کو اس ناشائستہ اور قبیح حرکت سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی ، لیکن ان ناہجار لوگوں نے اس ہدایت پر کان نہ دھرا - اتمام حجت کے بعد حضرت صاحب قبلہؒ نے فرمایا " حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْل " اور یہ فرما کر خود ایک نزدیک واقع ٹیلے پر جاکر تشریف فرما ہوگئے ادھر لٹیرے اپنی لوٹ مار میں مشغول ہوئے - ناگہاں لٹیروں کے اس ٹولے کا سردار جو کہ اس لوٹ مار میں سرگرمی سے شریک تھا اور اسی سلسلے میں قافلے میں ادھر سے ادھر پھر رہا تھا ، یکایک منہہ کے بل

اس طرح زمین پر گرا کہ اس کے دانت اور چہرہ لہولہان ہوگئے۔ اس واقعے کو غیبی تنبیہہ سمجھ کر وہ سردار حضرت صاحب قبلہؒ کے حضور حاضر ہوا اور اپنے جور و ستم کی معافی طلب کی اور تمام قافلے کو بمعہ تمام تر اسباب قافلہ بخیر چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا ۔

اسی طرح ایک اور واقعہ مشتمل بہ کرامت حضرت صاحب قبلہؒ ذیل میں درج ہے کہ

1981-82 میں حضرت صاحب قبلہ قندھار کے حاکم مسمّی "سردار محمد امین" کی زیادتیوں اور نا موافقت کے سبب مرکزی قندھار سے ہجرت کرکے قندھار کے مشرق میں زمین کا ایک قطعہ خرید کر اس میں رہائش پزیر ہوگئے اسی نواح میں " سپاہی" نام کے ایک شخص نے حضرت صاحبؒ کے محلے کی ایک عورت سے نکاح کیا - مزکورہ شخص حاکم کی ملازمین میں سے تھا - اس مزکورہ شخص نے نکاح کے بعد اس عورت پر نہایت ظلم و ستم کیا - یہاں تک کہ جب برداشت کی حد ختم ہوگئی تو اس عورت کے عزیزوں نے حضرت صاحبؒ قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس جورو ستم کی شکایت کی - حضرت صاحب قبلہؒ نے اس " سپاہی" کو بلا کر سمجھایا اور بیوی کے ساتھ نیک سلوک کی ہدایت فرمائی لیکن وہ بدنصیب نہ مانا اور حضرت صاحبؒ کی خدمت میں بھی بدزبانی کی - حضرت صاحبؒ کو آخر کار برداشت کی تاب نہ رہی اور غصے میں اس بدبخت سے کہا " چلا جا خود کو گم کر" اس واقعے کے چند دن بعد ہی مزکورہ بالا شخص کے ہاتھوں ایک مسلمان کا خون نا حق ہوا اور گرفتاری کے خوف سے وہ شخص فرار ہوگیا اور آج تک مفقود الخبر ہے -

اسی طرح " غلام محمد خان" صاحبؒ سے روایت ہے کہ نوجوانوں میں ایک مرتبہ ، میرے بزرگوں نے مجھے حضرت صاحب قبلہؒ کی خدمت میں نزرانہ دے کر حصول دعا کے لئے بھیجا - نوجوانی کی خواہش کے موجب میں نے

اپنے ساتھی سے جو کہ میرے ہمراہ کیا گیا تھا درخواست کی کہ نزرانہ کی رقم میں سے تین روپیہ نکال کو خرچ کرلوں اور باقی نزرانہ حضرت صاحب قبلہؒ کی خدمت میں پیش کردوں - لیکن میرے ساتھی نے مجھے اس خیانت سے باز رکھا آخر کار تمام رقم ہم دونوں نے حضرت صاحب قبلہؒ کی خدمت میں مجلس پہنچادی اور دعا کے لئے درخواست کی - میری حیرت کی حد نہ رہی جب میں نے یہ دیکھا کہ حضرت صاحب قبلہؒ نے نہ صرف دعا فرمائی بلکہ نزرانہ کی اس رقم میں سے مجھے بغیر مانگے تین روپے بھی عنایت فرمائے -

" حضرت صاحب قبلہؒ کا حلیئہ مبارک " ع ۱

اس کتاب مزکور یعنی " انیس المریدین " کی چوتھی فصل کے آخر میں حضرت صاحب قبلہ کا حلیئہ مبارک اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ

حضرت صاحب قبلہؒ درمیانہ قد ، دبلے بدن ، معتدل اعضاء ، شخص تھے - آپ کی ذات نہایت خوش مزاج ، حوصلہ مند ، فصیح البیان ، دانشمند حلیم الطبع اور سرخ و سفید رنگت کی حامل تھی - آپ نہایت گہری سیاہ چشم رکھتے تھے اور آخیر عمر میں ضعف بینائی کے سبب سے باریک عبارات و حروف کے مطالعے کے لئے عینک استعمال فرماتے تھے آپ کی بینی مبارک نہایت روشن نورانی اور بلند تھی - آپ کشادہ دہن اور نہایت آب دار دندان کے مالک تھے جو کہ آخیر عمر تک نہایت مضبوط اور روشن تھے آپ کی ریش مبارک سفید تھی جس کو آپ سنت کے اتباع میں کترواتے رہتے تھے - آپ نے ساری عمر صرف ایک مرتبہ یعنی 1299ھ میں خضاب استعمال فرمایا تھا اور اسکے بعد کبھی بھی تا عمر آپ نے خضاب استعمال نہیں فرمایا - آپ مہندی کے خضاب کو مباح سمجھتے تھے آپ کا سینہ مبارک کشادہ اور بالوں سے بھرا ہوا تھا -

ا۔ انیس المریدین - صفحہ 181

آپ " قَلِیلُ التَّکَلُّمْ " اور " کَثِیرُ التَّفَکُّرْ" شخصیت تھے - آپ کی ذات " حمول الشدائد " یعنی سختی برداشت کرنے والی اور " صَبُوْرٌعَلَی الْمَصَائِبْ " یعنی مصیبتوں پر صبر کرنے والی تھی -

" خاتمه بالخیر "

اس کتاب یعنی " انیس المریدین " کے خاتمے میں حضرت صاحب قبلہؒ کے وصال کا بیان اور ان تواریخ اور مرثیوں کا تذکرہ ہے جوکہ وقت کے عالموں اور فاضلوں نے اس صدمۂ عظیم کے وقت کہیں تھیں -

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ نے اس عنوان کے تحت نہایت تفصیل سے اپنے والد گرامی قدرؒ کا وہ صبرو استقلال بیان فرمایا ہے جو کہ دوران مرض وصال حضرت صاحب قبلہؒ نے ظاہر فرمایا نیز یہ کہ وہ محبت الٰہی اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ تڑپ بھی ظاہر فرمائی ہے جو کہ آخیر عمر میں بھی باوجود انتہائے ضعف پیری و بیماری حضرت صاحب قبلہؒ میں موجود تھی جیسا کہ آئندہ چل کر ثابت ہوگا -

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ بیان فرماتے ہیں کہ دوران مرض وصال ، باوجود انتہائے ضعف وپیری ، حضرت صاحب قبلہؒ حج بیت اللہ کرنے کے نہایت مشتاق تھے اور دن رات اسی فکر میں مصروف تھے یہاں تک کہ کراچی کی بندرگاہ سے ان کے ایک مخلص مرید نے 29 جمادی الاول 1315ھ کو ایک عریضہ روانہ کیا جس میں درج تھا کہ چار ، پانچ روز کے اندر بحری جہاز سفر حرمین شریفین کے لئے روانہ ہوگا - حضرت صاحب قبلہؒ نے اس خوشخبری کے سنتے ہی اسباب سفر درست کرنے کا حکم دیا اور اپنے صاحبزادوں اور سادات کرام کی ایک جماعت اور مریدین و مخلصین کے ساتھ کشتی پر سوار ہوکر تین جمادی الآخر کو " ٹکر " شہر سے " کوٹری " کی بندرگاہ کی طرف روانہ

ہوئے جہاں پر وبائی طاعون پھیلے ہونے کے سبب اور حاکم شہر کی طرف سے منع کئے جانے پر دو دن " گدو بندر" میں رکے - آخر کار ساری جماعت کے ہمراہ پانچ جمادی الآخر کو کراچی کے لئے روانہ ہوئے - دوسرے دن کراچی میں حضرت صاحب کے حکم فرمانے پر جہاز کمپنی کے کارندے کو بلوایا گیا اور اسکے اور اپنے دیگر ہمراہان کے حوالے رقم کی گئی تاکہ جہاز کے " ٹکٹ " اور زاد راہ کا انتظام کریں۔ زاد سفر کے مہیا ہو جانے کے بعد خبر ملی کہ ابھی جہاز کے روانہ ہونے میں مزید چند دن کی تاخیر ہے اس صورتحال پر حضرت صاحب قبلہ ، صاحبزادوں اور مریدین کی درخواست پر خادمین اور سامان سفر کو کراچی میں چھوڑ کر خود اکیلے واپس " ٹکر " تشریف لے آئے۔

حضرت صاحب قبلہؒ نے چند روز کے بعد اپنے صاحبزادے اور ہمارے آغا محمد حسن جان سرہندی کو جو کہ اس کتاب " انیس المریدین " کے مصنف بھی ہیں دوبارہ کراچی بھیجا - حضرت صاحب کو حضرت آغا صاحبؒ نے جہاز کی روانگی کا دن معلوم کرکے بزریعہ خط اطلاع دی - حضرت صاحب قبلہؒ نے جواباً لکھا کہ جہاز کا یقینی روز روانگی معلوم کرکے اطلاع دیں - ساتھ ہی ساتھ حضرت صاحب قبلہؒ نے ایک عجیب و غریب جملہ بھی اس جوابی خط پر اپنے دست مبارک سے لکھ کر اپنے صاحبزادے کو کراچی میں بھیجا جو کہ یہ ہے

ہرچند سعی کردیم ، نگزاشتند[1] " فَلَا اَدرِیُ اِلیٰ خَیُرِاَم اِلیٰ خَیُر " یعنی ہر چند میں نے کوشش کی لیکن مجھے نہ چھوڑا گیا - پھر میں نہیں جانتا کہ مجھے بھلائی دے کر چھوڑتے ہیں یا نقصان دے کر -

---

1 - یہ جملہ عجیب اپنے اندر ہزار پنہاں معنی رکھتا ہے- جس میں سب سے زیادہ واضح یہ نظر آتا ہے کہ قبل از وصال ، دیگر اولیائے کرام کی طرح حضرت صاحب قبلہ کو بھی اشارۃً یا صراحتاً بتا دیا گیا تھا کہ اب ان کا پیمانہ عمر لبریز ہوا چاہتا ہے اور یہ ہے کہ اب ان کو عنقریب اپنے محبوب کی طرف لوٹ جانا ہے -

اسں مؤکورہ بالا خط میں حضرت صاحب قبلہؒ نے اپنے لائق و فائق صاحبزادے حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کو مزید یہ ھدایت فرمائی کہ اب آپ سامان اور ھمراھیان سمیت واپس آ جائیں ۔

جب حضرت آغا صاحبؒ بموجب حکم واپس "شکھر" پہنچے تو سامان کو کھولنے کا حکم نہ فرمایا ۔ بعد ازاں چند دن کے بعد جب رمضان شریف شروع ھوئے تو حضرت صاحب قبلہؒ نے حضوت آغا محمد حسن جانؒ کو " ناری" کے سفر کا حکم دیا اور فرمایا کہ واپس یہاں پہنچ کر " ختم شریف" بھی کروائیں ۔ حضرت آغا صاحبؒ " ناری " کے سفر سے جب واپس تشریف لائے تو " شکھر" پہنچ کر 15 رمضان کو ختم شریف کروایا ۔

حضرت صاحب قبلہؒ رمضان کی 21 تاریخ کو باوجود کمال ضعف کے اعتکاف میں بیٹھے اور نہایت سخت ریاضتوں اور شب بیداریوں سے اعتکاف مکمل فرمایا ۔ حضرت صاحب اپنے قدیمی طریقے کے مطابق عیدالفطر کی نماز پڑھنے عید گاہ ھمیشہ پیدل تشریف لے جاتے تھے لیکن اسں آخری مرتبہ بہ مجبوری ضعف گھوڑے پر سوار ھوکر تشریف لے گئے کچھ دن مزید گزرنے پر حضرت صاحب قبلہؒ کی کمزوری بڑھتی ھی چلی گئی ، حاذقان وقت اور نامی طبیبوں مثلا سعادت مآب سید میاں اللہ بخشں شاہ اور ان کے برادر میاں غلام شاہ اور مخدوم میاں نصیر الدین اور میر غلام نبی شاہ اور شیخ احمد وغیرھم نے علاج کرنے میں اپنی انتہائی قابلیت صرف کردی اور جان توڑ کوشش کی مگر کچھ افاقہ نہ ھوا ۔

حضرت صاحب قبلہؒ ان سب مؤکورہ بالا حضرات کی کاوشوں اور محنتوں کو بہ نظر محبت ملاحظہ فرمایا کرتے تھے ، لیکن ساتھ ھی ساتھ یہ بھی فرماتے تھے کہ آپ سب حضرات کی خاطر میں یہ سب علاج کروا رھا ھوں ورنہ مجھے اسں مرض سے شفایابی کی امید نہیں ھے ۔ نیز جب بھی اھل خانہ

دوستوں، مریدین و مخلصین یا ملازمین خانہ میں سے کوئی شخص حضرت صاحب قبلہؒ کی صحت یابی کی دعا کرتا تو آپ اس سے فرماتے تھے کہ بجائے صحت یابی کے ایمان پر خاتمہ کی دعا کریں۔

" وہ پاکیزہ دعائیں اور کلمات جو حضرت صاحب قبلہؒ نے دوران مرض فرمائے " حضرت صاحب قبلہؒ نے وصال سے چند روز قبل دریافت فرمایا کہ آج کیا دن ہے ؟ عرض کیا گیا کہ آج بدھ کا دن ہے - حضرت صاحب قبلہؒ نے فرمایا کہ بہتر ہو کہ روز " جمعہ " جلد آئے کہ اب مجھ میں طاقت باقی نہیں رہی - حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت حضرت صاحب قبلہؒ یعنی صاحب مؤکور ، اپنے والد صاحبؒ گرامی قدر کی ہاتھ اور پیروں کی مالش میں مصروف تھا اور حضرت صاحب قبلہؒ مندرجہ ذیل رباعی کو بار بار پڑھتے تھے -

روز قیامت ہر کسے در دست گیرد نامۂ

من نیز حاضر می شوم تفسیر قرآں در بغل ء[2]

قدسی ندانم چوں شود سودائے بازارجزاء

او نقد آمرزش بکف من جنس عصیاں دربغل

ترجمہ - روز قیامت سب لوگ اپنا اپنا نامہ اعمال ہاتھ میں لئے کھڑے ہوں گے میں بھی حاضر ہوں گا لیکن میرے بغل میں نامہ اعمال کے بجائے " تفسیر قرآں ہوگی - قدسی میں نہیں جانتا کہ بازار میں سودا کس طرح ہوگا - لیکن اتنا ضرور ہے کہ پروردگار بخشندہ کے حضور میں اپنی بغل میں صرف اور صرف گناہوں کا پشتارہ لئے کھڑا ہوں گا -

2 - اصل شعر میں درست لفظ تفسیر قرآں کی بجائے " تصویر جاناں " ہے حضرت صاحب قبلہؒ نے اسکو تفسیر قرآں کردیا تھا -

دوران مرض وصال ایک روز " قاضی میاں ابوالحسن " حاضر ہوئے- مزاج پرسی کی پھر درخواست کی کہ حضرت ماہ ذیقعدہ کی 13 یا غالبا 14 تاریخ کو میرے فرزند " غلام محمد " کی شادی ہے آپ کو تشریف لانے کی دعوت دینے آیا ہوں - حضرت صاحب قبلہؒ نے فرمایا کہ " بشوط زندگی میں آؤں گا " مگرقاضی صاحب آپ سے یہ کہنا ہے کہ آپ ہمارے غسل میت کے وقت حاضر رہیں اوریہ کام مسنون طریقے پر پووا کروائیں کیونکہ یہاں کے غسال کم علمی کے سبب مسنون طریقہ غسل میت سے واقف نہیں ہیں - حضرت صاحب قبلہؒ کی اس گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو غالباً اشارتہً یا صراحتاً بتا دیا گیا تھا کہ ان کا یہ مرض ، مرض الموت ثابت ہوگا - ذیل میں وہ دعا درج ہے جو حضرت صاحب قبلہؒ بار بار کیا کرتے تھے اور یہ دعا بھی ہمارے اس خیال کی قوی تائید کرتی ہے -

حضرت صاحبؒ دعا کرتے تھے کہ " یا الٰہی اگر مجھے حرمین شریفین کی خاک پاک نصیب نہ ہوئی اور نہ ہی مجھے میرے دادا اور والد صاحب کے پیروں میں جگہ ملی ، تو اے اللہ مجھے "جمعہ" کا روز تو نصیب فرما -

مزید یہ کہ اسی دوران ان کو آب زم زم پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو نوش کرتے وقت دعا فرمائی کہ

الٰہی اس " آب زم زم " کو میں اپنے گناہوں سے چھٹکارے اور ایمان کی سلامتی کی خاطر پیتا ہوں ، تو قبول فرما -

حضرت صاحب قبلہؒ نے فرمایا کہ مجھے موت سے کوئی خوف وغم نہیں بلکہ میں اس قدر خوش ہوں ، جیسا کہ کوئی سیر چمن کے لئے جاتے وقت خوش ہوتا ہے مجھے اللہ تعالیٰ سے ملنے کا نہایت اشتیاق ہے -

---

1 - واضح رہے کہ یہ حوصلہ اورہمت اسی شخص میں پیدا ہوسکتی ہے جوکہ دنیا سے نفور اورقلب سلیم کا مالک ہو- بقول علامہ اقبال- نشان مرد مومن باتو گویم
چوں مرگ آید ، تبسم برلب اوست

اپنے کفن دفن کے بارے میں وصیت فرمائی کہ " میری قبر کو پکی اینٹوں اور چونے وغیرہ سے بند نہ کیا جائے ، کیونکہ اس طرح مردہ اذان کی آواز سننے سے محروم رہتا ہے مزید یہ کہ کوئی میری قبر کو بوسہ نہ دے اور قبر کے اوپر کوئی گنبد یا قبہ نہ بنایا جائے تاکہ قبر بارش سے جو کہ رحمت الٰہی ہے، محروم نہ رہے۔"

اسی دوران حضرت صاحب قبلہؒ نے اپنے صاحبزادے اور ہمارے آغا صاحبؒ یعنی آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کو تنہائی میں طلب فرمایا اور کچھ خفیہ ارشادات بقول حضرت آغا صاحب کے ، ان کو تلقین فرمائے ۔ ساتھ ہی ساتھ ان اہل زمانہ سے بھی آگاہ فرمایا جو کہ بظاہر دوست اور بباطن بدخواہ ہیں۔ لیکن ان چیزوں اور باتوں کے ظاہر کرنے کی اجازت نہ دی ۔ اس بات کے علاوہ حضرت آغا صاحب کو نہایت دلپذیر نصیحت فرمائی کہ بقول حافظ شیرازیؒ یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہے کہ

آرائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است[1]
با دوستاں مروت ، با دشمناں مدارا

حضرت صاحب قبلہؒ نے وصال سے ایک یوم قبل یعنی جمعرات پہلی ذیقد کے روز سے تمام علاج بند کروادیا ، صرف موتیوں کا کشتہ اور چند ایسی چیزیں رہنے دیں جو کہ دل کی تقویت کا باعث ہوں ۔ اس روز آپ نے کمال ضعف کے سبب تیمم اختیار کیا اور ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں تقریباً بے خبری کے عالم میں ادا فرمائیں ۔ عشاء کے وقت حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ یعنی اپنے صاحبزادے سے جو کہ مستقل حاضر خدمت تھے دریافت فرمایا کہ کیا میں نے

ترجمہ ۔ دونوں جہانوں کی آسائش کا راز صرف یہ دو لفظ ہیں کہ
" دوستوں سے مروت اور دشمنوں سے صلح "

عشاء کی نماز ادا کر لی ہے ؟ انہوں نے جواب دیا کہ " جی ہاں پڑھ لی
ہے - اگلے روز جمعہ کو چاشت کے وقت میں سب حاضر تھے کہ حضرت صاحب قبلہ
کی نظر " تفسیر جلالین " کے ایک نسخے پر پڑی جو کہ الماری میں سامنے ہی
رکھا ہوا تھا اور ہمیشہ نہ صرف آپ کے وظیفے میں رہتا تھا بلکہ آپ نے اس
پر حاشیئے بھی لکھے تھے اور اپنے دستخط بھی جگہ بہ جگہ ثبت فرمائے تھے-
حضرت آغا صاحبؒ نے فوراً وہ نسخہ الماری سے نکال کر حضرت صاحب قبلہؒ کے
سینۂ بے کینہ پر رکھدیا - حضرت صاحب قبلہؒ نے اپنا دست مبارک اس تفسیرجلالین
کے نسخے پر رکھدیا اور اس سے آپ کی بیقراری میں کچھ کمی ہوئی -

اس وقت سب صاحبزادگان اور دوسرے حاضرین نے تلاوت قرآن پاک
شروع کی اور حضرت صاحب قبلہؒ کمال استقلال کے ساتھ امر الٰہی کے منتظر رہے
یہاں تک کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد چاشت ہی کے وقت 2 ذیقد بروز جمعہ
1315ھ کو آپ کا طائر روح ، سرگرم پرواز ہوا اور آپ نے حضرت معبود
لا یزال ولا یموت کے وصال کا جام نوش فرمایا - بے شک ،

" اَلْمَوْتُ جِسَرٌ یُوَصِّلِ الْحَبِیْبِ اِلیٰ الْحَبِیْب "

(الحدیث)

" قطعات تاریخ وفات "

ذیل میں تارخ وفات کے ان قطعات میں سے چند پیش کئے جاتے ہیں
جو کہ حضرت صاحب کے ہمعصر عالموں اور فاضلوں نے حضرت صاحب قبلہؒ کی
وفات پر کہے -

ترجمہ ـ بے شک موت ایک پل ہے جو کہ دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے -
(الحدیث)

1 - جناب سید اسد اللہ شاہ فدا - سکھر شہر ع/

مصدر رمز الحقائق و فرد علم و بے بدل 1315

قطب اقطاب شہ و اعدل مکمل مقتدا

2 - حافظ یوسف سکھرائی

دل یوسف چو سال رحلتش را جست ہاتف گفت

سراج اولیاء و قطب سرتاج ہمہ عالم

1315

3 - میاں رفیع الدین صاحب سرہندی

گفت ہاتف سال وصل آں ولی

با رفیع الدیں بگو اقدس نظر

1315

4 - جناب میاں فضل حق صاحب سرہندی

بگفتا فضلیا در وسط مصرع ہفت را افزا

بشد از دہر دنیا سوئے حق واصل بخورسندی

1315

***** خاتمہ بالخیر *****

" العقائد الصحیحہ "

کتاب " العقائد الصحیحہ " کی اصل عبارت عربی زبان میں ہے جس کا اردو ترجمہ مارچ 1984ء میں حیدرآباد سے حضرت خواجہ حسن جان اکیڈمی نے شائع کیا ہے - کتاب کے اوپر بطور مترجم کسی کا نام نہیں دیا گیا ہے - یہ ترجمہ (99) ننانوے صفحات پر مشتمل ہے جب کہ اصل متن عربی والی کتاب 82 صفحات پر مشتمل ہے - جو کہ سب سے پہلے حکیم معراج الدین أحمد نقش بندی کے زیر نگرانی " الفقیہ " پریس امرتسر سے 1320ھ میں شائع ہوئی حکیم معراج الدین صاحب اخبار " الفقیہ " امرتسر کے مدیر تھے بعد ازاں اسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن 1978ء میں استنبول ترکی سے شائع ہوا - اس کے ماسوا اسی کتاب کے سندھی تراجم پر مشتمل 104 صفحات 1983ء اور 1984ء میں خواجہ حسن جان اکیڈمی حیدرآباد کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں -

ڈاکٹر وفا راشدی اپنی کتاب " مہران نقش " میں رقم طراز ہیں کہ " کتاب العقائد الصحیحہ " کے سرورق پر ہی ناشر نے جو الفاظ لکھے ہیں وہ حضرت مصنفؒ کے علمی اور دینی مرتبے اور کتاب کی افادیت اور اہمیت کا بہ خوبی احاطہ کرتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں - 1ع

" حضرت مولانا ، مرشدنا ، خواجہ ، حاجی ، حافظ محمد حسن جان مجددیؒ نے کتاب " العقائد الصحیحہ " تصنیف فرما کر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کمال احسان فرمایا ہے تا کہ اہل ایمان اس کتاب کو اول سے آخر تک اپنے کمال تدبر و تفکر سے سمجھ کر یا کسی سے سن کر اپنے عقائد اسلامیہ کو صحیح اور درست رکھیں - "

اس عمدہ تصنیف کے ذریعے عقائد اہل سنت و الجماعت کو گرد و غبار اور اغیار کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کے بادلوں سے صاف کرنے کے بعد کچھ اس انداز میں دوبارہ پیش کیا کہ تمام تر مزکورہ بالا عقائد اصلی شکل وصورت

 مہران نقش - ڈاکٹر محمد وفا راشدی - ص 215

میں دوست و دشمن سب کے سامنے جگمگا اٹھے اور حق باطل پر غالب آیا اور واضح انداز میں ظاہر ہوگیا سچ تو یہ ہے کہ موجودہ دور کے لحاظ سے یہ کتاب حضرت آغا صاحب کا مسلک اہل سنت و الجماعت کے لئے ایک بیش بہا تحفہ ہے -

دراصل یہ کتاب اس قدر عام فہم اور اثر انگیز انداز اوردل نشیں دلائل کے ساتھ مسلک و عقائد اہل سنت و الجماعت کی وضاحت و تائید کرتی ہے کہ کوئی بھی صاحب انصاف و عالم شخص اس کتاب میں دئے گئے دلائل معقولیہ کا منکر نہیں ہو سکتا - اس کتاب کی اثر آفرینی کا یہ عالم ہے کہ یہ کتاب حضرت آغا صاحب کی حیات کے دوران ہی عرب و عجم میں شہرت و قبول عام حاصل کر چکی تھی اس اہم کتاب کی اہمیت و ضرورت تصنیف پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مصنف اس کتاب کے دیباچہ میں وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

" عہد حاضر میں وہابیہ اور حنفیہ کے درمیان کمال اختلاف پیدا ہو چکا ہے - عام عقائد کے علاوہ الٰہیات و مفہوم رسالت اور مسائل شرعیہ تک میں سخت اختلاف ہے یہاں تک کے اس سلسلے میں ایک فریق دوسرے کی تکفیر تک کر بیٹھتا ہے - جس کی وجہ سے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سخت افتراق ظاہر ہو چکا ہے - اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ اس مختصر سی کتاب میں اہل سنت والجماعت کے عقائد بیان کروں اور حتی الوسیع مخالفین کے اقوال نقل کرنے سے کنارہ کش رہوں جب تک کہ ایسا کرنا نہایت ضروری نہ ہوجائے مزید یہ کہ میں اس رسالہ میں عموماً نہ تو احادیث مبارکہ سے کوئی دلیل پیش کروں گا نہ اقوال آئمہ سے اور نہ اقوال علمائے اسلام سے ، مگر یہ کہ وہ بہ قدر مجبوری ہو تاکہ مزکورہ بالا قابل قدر قیاسات شرعیہ مخالفین کی بد زبانی سے محفوظ رہیں کیونکہ مخالفین کا معمول اور عادت ہے کہ جب کوئی حدیث ان کے خیال کی تائید نہ کرتی ہو تو اس کو ضعیف یا موضوع کہہ دیا کرتے ہیں - [1]

1- العقائد الصحیحہ - دیباچہ - ص- 17

چاہے اکابرین اسلام نے اس حدیث کو بطور استدلال ہی کیوں نہ پیش کیا ہو اسلئے میں اس طرح کے مواقع پر عموماً آیات قرآنی ہی پیش کروں گا جس کی مخالفت ادھر ادھر سے نہیں ہو سکتی کیوں کہ وہ خدائے حکیم و حمید کا کلام پاک و با عظمت ہے -"

دیباچہ کی وضاحت کے بعد حضرت آغا صاحبؒ نے اپنی کتاب عالم اسلام کے مشہور ترین مصنف و صوفی حضرتؒ امام ابو حامد محمد الغزالیؒ کے بیان پرُ ایمان سے شروع کی ہے - حضرتؒ حجتہ الاسلام امام غزالیؒ کا یہ بیان نہایت بیش قیمت ، معلومات افزا اور دین و شریعت کے بنیادی عقائد اور ان کی روح کو اجاگر کرنے والا اور اس کی وضاحت کرنے والا ہے کیوں کہ اس بیان میں حضرت امام غزالی نے دین اسلام کی اساس اور جڑ و بنیاد کو موضوع بنا کر بحث کی ہے - مثلاً حضرت امام کے اس بیان کے موضوعات میں " توحید باری تعالیٰ پھر اس کے بعد صفات خدا وندی کے بیان بہ عنوان خدا وند تعالیٰ کا تقدس " خدا تعالیٰ کی ابدی زندگی اور قوت " " خدا وند تعالیٰ کا علم " " خدا تعالیٰ کا کلام " " افعال خدا وندی " وغیرہم کے بارے میں نہایت وضاحت سے اور خدا وند کریم کی توصیف و تمجید بیان کی ہے - مثال کے طور پر عنوان " توحید" کے ذیل میں حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ "خدا وند کریم اپنی ذات میں یگانہ اور بے مثل ہے - وہ ایسا قدیم ہے جس کی کوئی ابتدا نہیں اوراس کی ہمیشگی کی کوئی حد اور انتہا اور آخر نہیں - وہ بیک وقت ازل اور ابد میں موجود تھا موجود ہے اور موجود رہے گا - وہ اپنی ذات سے " حیُ و قیوم " یعنی مستقل و قائم بالذات ہے - اس سے کسی قسم کی کسر اور کمی نہیں ہے - وہ ہمیشہ ہمیشہ دائم و قائم ہے - خدا وند ذوالجلال ہمیشہ سے تھا ، ہے اور رہے گا - اس کی زندگی کے اوقات یا اس کی مدت حیات کبھی ختم نہیں ہو سکتی - وہی اول ، وہی آخر ، وہی ظاہر وہی باطن ہے وہ

وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر چیز پر پوری طرح قادر اور ہر چیز کا مالک
بے شریک ہے۔"

"خداوند تعالیٰ کا تقدس" ع/

اس ضمن میں حضرت آغا صاحبؒ کے یہ قول حضرت امام غزالیؒ فرماتے
ہیں کہ ہمارہ یہ "عقیدہ ہونا چاہئیے کہ خداوند کریم کسی جسم اور صورت میں
نہیں نہ ہی وہ کوئی محدود چیز ہے کہ جس کا تخمینہ اور اندازہ لگایا جا
سکے۔ وہ کسی کی مثل نہیں اور نہ ہی کوئی چیز یا شے اس کی مثل ہے۔
اس لئے کسی دوسری چیز کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا نہ ہی اس
کی تقسیم کی بابت سوچا جا سکتا ہے۔ نہ ہی وہ ٹھوس چیز ہے اور نہ ہی
کوئی غیر مستقل چیز ہے۔ سب اسی کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔
نہ ہی وہ صفاتی چیزوں کا یا نا پئیدار چیزوں کا مرکز ہے کوئی مقدار اس
کو محدود نہیں کر سکتی اور نہ ہی اطراف اس کو اپنے اندر سمیٹ سکتے ہیں
زمین اور آسمان بھی اس کو نہیں سنبھال سکتے۔ وہ اپنے عرش پر قائم ہے
عرش اس کو اٹھائے ہوئے نہیں ہے بلکہ وہ خود اپنے عرش کو اور عرش
کے حاملین کو سنبھالے ہوئے ہے اور وہ سب اس کے دست قدرت میں مغلوب
ہیں۔ وہ عرش پر بھی موجود ہے اور آسمان پر بھی بلکہ وہ تحت الثریٰ تک
ہر چیز پر فائق ہے اور یہ فوقیت نہ تو اس کو آسمان اور عرش کے نزدیک
کرتی ہے اور نہ زمین اور تحت الثریٰ سے دور لے جاتی ہے وہ اپنے بندوں
سے ان کی شہہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہے اور ہر چیز کا نگراں ہے اس
کو کوئی زمانہ اپنے اندر محدود نہیں کر سکتا کیونکہ وہ زمانے کو پیدا کرنے
سے پہلے بھی موجود تھا۔ اور اب بھی اسی طرح ہے جیسا کہ پہلے تھا وہ
اپنی صفات میں یکتا و تنہا ہے اور اس میں اس کے غیر کا کوئی دخل یا
شریک نہیں ہے وہ تغیر و تبدیل سے پاک ہے اور زوال و حوادث سے مبرا ہے

العقائد الصحیحہ ص۔ ۱۹

صرف عقل سے اس کا وجود محسوس کیا جا سکتا ہے - اس کی ذات دوسری دنیا میں آنکھ سے دیکھی جا سکتی ہے جب کہ وہ دوسری دنیا میں یعنی موت کے بعد کی زندگی میں اپنے بندوں پر فضل و کرم کی نگاہ کرے گا اور اپنے مبارک و مقدس اور بزرگ و باعظمت چہرہ کے دیدار سے ان کی تکمیل نعمت کرے گا -[11]

" خدا وند تعالیٰ کی ابدی زندگی اور قوت " ع ۱

اس موضوع پر حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ "خدا وند کریم زندہ طاقتور ، صاحب قدرت ، ہر چیز پر غالب اور ہر شکستہ دل کا سہارہ ہے اس کے کسی کام میں کوئی کمی یا کوتاہی نہیں ہے نہ تو وہ عاجز ہے اور نہ ہی اسے اونگھ یا نیند آتی ہے اس کے لئے فنا اور موت نہیں ہے کیوں کہ وہ خود ان کا خالق ہے وہ حکومت ، ملک اور بندوبست کا مالک ہے عزت اور غلبہ کا مالک بھی وہی ہے وہ ہی " کُن " کہنے سے پیدا کرتا ہے اور وہی نسل سے پیدا کرتا ہے یعنی وہ ہی مادہ اور مادہ کے بغیر پیدا کر سکتا ہے - تمام آسمان اس کے دست قدرت کے داھنے ھاتھ میں لپٹے ہوئے ہیں وہ اپنی ایجاد و اختراع میں یکتا ہے اسی نے اپنی سب خلوقات اور ان کے اعمال کو پیدا کیا ہے - اسی نے ان کی روزی اور موت اور حیات کا درست تخمینہ لگایا ہے کوئی مخلوق اس کی قدرت سے خارج نہیں ہے ساری کائینات کے تصرفات اس کی قدوت میں ہیں اس کی قدرت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور نہ ہی اس کی معلومات کی کوئی حد و انتہا ہے"[11]

" خدا وند تعالیٰ کا علم " ع ۲

اس ذیل میں حضرت آغا صاحبؒ ، حضرت امام غزالیؒ کا بیان ذیل میں پیش کرتے ہیں کہ

"خدا وند عالم و عالمیان تمام اشیاء کا عالم ہے اس کا علم ان تمام

۱ - ۲ -
الطائف الیحیہ ص - 20-22

چیزوں پر حاوی اور محیط ہے کہ جو تحت الثٰری اور زمین کے کناروں سے لے کر آسمانوں ، عرش اور ان کے ما سوا میں موجود ہیں اس کے علم کی شان و قدرت یہ ہے کہ وہ اندھیری رات میں ٹھوس پتھر پر چلنے والی چیونٹی کی رفتار سے آگاہ بھی ہے اور اس کو دیکھتا بھی ہے مزید یہ کہ جو ذرات ہوا میں اڑتے ہیں ان کی حرکات کو بھی جانتا ہے وہ راز اور راز سے پوشیدہ ترباب کو بھی جانتا ہے ۔ دل کے خیالات اور پوشیدہ سے پوشیدہ بھید کو بھی جانتا ہے مگر واضح رہے کہ اس کا یہ علم ازلی ہے جو کہ ہمیشہ ہمیشہ سے اس کی صفت ہے وہ کسی نو پیدا شدہ علم سے نہیں جانتا کہ جو کبھی اس کی ذات میں آئے اور کبھی نکل جائے ۔[۱۱]

" خـدا ونـد تـعالٰی کا ارادہ "

اس عنوان مزکورہ بالا کے تحت حجتہ الاسلام حضرت امام غزالی[رح] فرماتے ہیں کہ " خدا وند کریم مخلوقات میں اپنا ارادہ برتتا ہے تمام نوپیدا مخلوق میں انتظام کرتا ہے ۔ جو بھی اس کی بادشاہت میں کم و بیش خورد و کلاں اور دکھ سکھ ، نفع و نقصان ، ایمان و کفر ، خیرو شر ، خدا شناسی یا انکار کامیابی یا ناکامی ہوتی ہے اسی کی قضا و قدرت و حکمت و مشیت سے ہوتی ہے جسے وہ چاہے وہ موجود ہوتا ہے اور جسے وہ نہ چاہے وہ موجود نہیں ہوتا ۔ اس کی مرضی کے خلاف آنکھ کی ایک نگاہ یا دل کا ایک خیال بھی باہر نہیں جا سکتا ۔ وہی پہلی مرتبہ اور دوبارہ پیدا کرنے والا ہے یعنی موت کے بعد نہ کوئی اس کے حکم کو روکنے والا ہے اور نہ اس کے کسی حکم پر نکتہ چیں انسان کی مجال نہیں کہ اس کے حکم کے بغیر بھلائی یا برائی یا خیرو شر کا ارادہ یا ارتکاب کر سکے ۔ اگر کائنات کے تمام انسان جن ، فرشتے اور دیگر مخلوقات باہم جمع ہو کر حکم خدا کے خلاف ایک ذرے کو بھی ساکن یا متحرک کرنا چاہئیں تو نہیں کر سکتے ۔ خدا وند کریم کا

ارادہ اس کی اپنی ذات میں باقی صفات کی طرح قائم ہے اور وہ بدستوراس سے موصوف رہا ہے زمانہ ازل میں اس نے ارادہ کیا کہ سلسلہ مخلوقات اپنے وقت پر پیدا ہو ۔ چناچہ جیسا کہ اس نے ارادہ فرمایا تھا بالکل اسی طرح بغیر کسی تقدیم یا تاخیر کے اور بغیر کسی کمی و بیشی کے سلسلہ مخلوقات وجود میں آگیا نہ اسے کسی تجویز کے سوچنے کی ضرورت پڑی اور نہ ہی اسے کسی وصیت کا انتظار تھا ۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ایک مصروفیت اسے دوسری مصروفیت سے غافل نہیں کرتی ۔"

" خداوند تعالیٰ کی شنوائی و بینائی " ع ۱

اس ذیل میں حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ "خدا سنتا اوردیکھتا ہے اس کی شنوائی سے کوئی چیز مخفی نہیں چاہے وہ کتنی ہی مخفی کیوں نہ ہو اور اس کی بینائی سے کوئی چیز خارج نہیں چاہے وہ کتنی ہی باریک کیوں نہ ہو ۔ اس کی قوت سماعت کو کوئی چیز اور کوئی دوری مانع نہیں اور اس کی بینائی کو کوئی رکاوٹ ، کوئی حجاب اور کوئی تاریکی نہیں روکتی ۔ وہ بغیر آنکھ اور پلک کے دیکھتا ہے اور سوراخ گوش و کان کے بغیر سنتا ہے ۔ کیوں کہ اس کی صفات مخلوقات کی صفات کے مانند نہیں اور نہ ہی اس کی ذات بزرگ و با برکات و گرامی مخلوق کی ذات کے مثل ہے ۔"

" خـدا تعالیٰ کا کلام " ع ۲ .

حضرت امام غزالیؒ کے فرمانے کے مطابق اس ذیل میں ہمارا عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ "خداوند کریم حکم کرتا ہے ، روکتا ہے ، خوشخبری دیتا ہے ، وعید دیتا ہے مگر اس کا کلام ازلی و ابدی ہے اور قدیم ہے اور مخلوق کے کلام کی مانند نہیں ہے کہ ہوا کی مداخلت اور ہونٹوں کی حرکات سے پیدا ہوتا ہے ۔ جب وہ خدا ایسا ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ وہ اپنی ان صفات میں حیی ، عالم ، قادر ، مرید ، سمیع ، بصیر اور متکلم ہے اوراس

۱ - ۲ -
القواعد الصحیحہ - ص - 23 - 25

میں یہ سات صفات موجود ہیں یعنی حیوٰۃ ، علم ، قدرت ، ارادہ ، سمع بصر اور کلام ؛؛

اس موقع پر حضرت امام غزالیؒ کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب آغا صاحب فرماتے ہیں کہ " امام غزالی نے خدا وند کریم کے مزکورہ بالا سات اوصاف " مذہب اشعری " کے مطابق بیان کئے ہیں کہ ورنہ " ماتریدیہ " کے مذہب کے مطابق خدا وند کریم کا آٹھواں وصف " تکوین " ہے کیوں کہ خدا وند کریم نے خود فرمایا ہے کہ جب میں کسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں تو اس کو فرما دیتا ہوں کہ " کُنَ " یعنی ہوجا اور بس وہ چیز ہوجاتی ہے پس اس طرح ظاہر ہوا کہ اردہ اور چیز ہے اور تکوین اور چیز ۔ اس کے علاوہ صرف ارادہ کرنے والا فاعل نہیں ہوتا ۔ سوائے اس کے کہ ہست سے اس کو نیست کر دے گا ۔ اس مسئلہ پر بحث اور تبصرہ کے بعد حضرت آغا صاحبؒ امام غزالیؒ کے کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے ذات خدا وندی کے ایک وصف یعنی

" افعال خدا وندی "

کے بیان کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ " جو بھی اللہ کے بغیر ہے وہ اسی کے فعل سے پیدا ہوا ہے اور بہترین عدل کے طریق پر اور مکمل اور اکمل طرز پر صورت پزیر ہوا ہے ۔ خدا کے ہر فعل میں حکمت ہوتی ہے اور وہ اپنے فیصلے میں عدل کرتا ہے مگر اس کا عمل عدل ، انسانی عدل کے مشابہ نہیں کیوں کہ انسان سے تو ظلم کا بھی امکان ہے جب کہ وہ غیر کی ملکیت پر متصرف ہو لیکن خدا وند کریم سے ظلم کا کوئی امکان نہیں کیونکہ وہ تمام اشیاء کا خالق ہے اور یہاں غیر کی ملکیت کا کوئی سوال و تصور نہیں ۔

خدا وند تعالی زمانہ ازل بلکہ اس سے بھی پہلے سے موجود تھا اور اس کے ساتھ کوئی غیر نہ تھا پھر اس نے اپنی قدرت کے اظہار کے لئے

کائنات کو پیدا کیا اور اس سے اپنے اس ارادہ کا ثبوت دیا جو کہ اس نے ازل سے کیا ہوا تھا ورنہ اس کو کائنات کی کوئی حاجت اور ضرورت نہ تھی یہ صرف اور صرف اس کی مہربانی ہے کہ اس نے کائنات کو پیدا کیا ورنہ یہ سب کچھ اس پر لازم اور واجب نہ تھا - خداوند کریم اپنے حسب وعدہ اپنے فضل و کرم سے ، اپنے بندوں کو اپنی اطاعت پر ثواب دیتا ہے اور فضل فرماتا ہے ورنہ بندوں کا اس کے ذمہ کچھ نہیں اور نہ ہی بندوں کا کوئی فرض اس پر عائد ہوتا ہے کسی کا بھی حق اس کے اوپر لازم و واجب نہیں ہے اس کے برعکس مخلوق پر اس کا حق اطاعت واجب و لازم ہے جو کہ اس نے اپنے بھیجے ہوئے انبیاء علیہ السلام اور رسل علیہ السلام کے ذریعوں سے بیان کیا ہے وہ حق اطاعت اور اس کی تشریح صرف عقل سے دریافت نہ ہو سکتی تھی اس لئے اس نے مخلوق پر مہربانی فرماتے ہوئے اپنے رسول علیہ السلام مخلوق کی طرف بھیجے اور کھلے معجزات سے ان کی صداقت کا اظہار فرمایا - ان رسولوں نے خداوند کریم کے احکامات امرونہی ، وعدہ اور وعید کی خبریں دیں اور اس کی اطاعت کا اندازہ اور اس کی وضاحت بیان کیں -

حضرت آغا محمد حسن جان سرھندیؒ نے اس مقام پر حضرت امام غزالیؒ کا کلام ختم کیا ہے -

اب اگر حضرت امام غزالیؒ کے کلام کو بہ نظر غور دیکھا جائے تو ہمیں مندرجہ ذیل اہم نکات سے واقفیت ہو جاتی ہے کہ

اولاً تو یہ کہ حضرت امام غزالیؒ نے جو کچھ بیان فرمایا ہے وہ مذہب اسلام کا اصل اصول اور دین و عقائد کی اساس ہے مزکورہ بالا بیان حضرت امام غزالیؒ کی کتاب " قواعد العقائد " سے اخذ کیا گیا ہے - الحاصل اپنے اس بیان میں حضرت امام غزالیؒ نے جو کچھ بھی بیان فرمایا ہے اس کا بیشتر حصہ آیات قرآنی ، احادیث قدسی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

سے لیا گیا ہے اور یہ بات اس قدر روشن اور ظاہر ہے کہ کسی بھی صاحب علم شخص سے مخفی نہیں رہ سکتی - خصوصاً وہ اہل علم جو کہ دینی علوم سے گہرا شغف اور اس پر دسترس رکھتے ہوں -

مزید براں یہ کہ حضرت آغا محمد حسن جان صاحب سرہندیؒ نے اپنی اس زیر تبصرہ کتاب یعنی " العقائد الصحیحہ " میں حضرت امامؒ کا جو مزکورہ بالا بیان نقل کیا ہے تو اس کی دو بڑی اہم وجوہات ہیں یعنی اول تو یہ کہ تفصیلاً یہ معلوم ہو جائے کہ فرقہ ناجیہ یعنی فرقہ اہل سنت و الجماعت کے بنیادی دینی عقائد کیا ہیں اور ان عقائد کی تشریح ہو جائے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ حضرت آغا صاحبؒ کو ایک نہایت بلند پایہ و معتبر اہل علم اور دین کے مشہور و معروف شخص یعنی حضرت حجتہ الاسلام امام غزالیؒ کی جانب سے عقائد دین کی تشریح میں کچھ مدد ملے اور حضرت امامؒ کا کلام بلاغت نظام بطور دلیل و حجت پیش کیا جا سکے کیوں کہ اس کو رد کرنا ہرکس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے محسوس کچھ ایسا ہوتا ہے کہ حضرت آغا صاحبؒ حضرت امام غزالیؒ کے خیالات سے نہایت متاثر ہیں اور غالباً یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب کا اگلا عنوان یعنی " منصب رسالت " کے سلسلے میں بھی حضرت امامؒ کے بیان اور اس کی تشریح و وضاحت کو کافی سمجھا ہے اور مزکورہ موضوع کے تحت پھر حضرت امامؒ کی کتاب " قوائد العقائد " سے اخذ کردہ حصہ پیش کیا جس میں کہ حضرت امامؒ فرماتے ہیں کہ

---

1 - کتاب " قوائد العقائد " مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی - اردو بازار لاہور کبا ئن پرنٹرز بلال گنج لاہور - حضرت امام غزالیؒ کی وہ کتاب ہے کہ جو حضرت امام نے اہل بیت المقدس کی فرمائش پر دوران سیر و سیاحت فی طلب الدین تصنیف فرمائی - بحوالہ ترجمہ " المنقذ من الضلال " از مولانا مفتی محمد خلیل برکاتی صفحہ نمبر10 -

خدا وند کریم نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا برگزیدہ ترین رسول اور تمام انبیاء و رسل کا سردار بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ کی دعوت نبوت تمام انسانوں اور اجنّہ کے لئے عام کی - تمام مخلوق انسانی اور اجنّہ پر آپ کی تصدیق فرض کی اور یہ بھی فرض کیا کہ کسی کا ایمان معتبر اور قابل قبول نہیں جب تک کہ وہ ان تمام باتوں کو نہ مانے جن کی خبر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انسان کی موت کے بعد پیش آنے والے حالات و واقعات کے طور پر دی ہے - مثلاً قبر میں منکر نکیر کا آنا اور ان کے مردے سے سوال و جواب - عذاب قبر کا جسم و روح پر واقع ہونا جیسا کہ خدا چاہے ، قیامت میں میزان عدل کا قائم ہونا اور ذرہ برابر خیر اور ذرہ برابر شر کی جزا اور سزا کا ملنا - یہ بھی ماننا کہ پل صراط حق ہے جوکہ قیامت کے روز جہنم کے اوپر بچھایا جائے گا اور وہ بال سے بھی زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا - اس پر سے کفار کے قدم پھسل جائیں گے اور وہ خدا کے حکم سے جہنم رسید ہونگے اور مومنین کے قدم اس پر ثابت رہیں گے اور وہ پل صراط کو پار کرکے با حکم خدا وندی جنت میں داخل ہوں گے - یہ بھی مانے کہ حوض کوثر برحق ہے جس پر لوگ قیامت کے دن آئیں گے اور دخول جنت سے پہلے اس حوض میں سے وہ لوگ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے پانی پیئیں گے اور جو کوئی بھی اس حوض میں سے ایک گھونٹ بھی پی لے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا اس حوض کی وسعت آسمان کے برابر ہے -

مومن پر لازم ہے کہ یہ بھی مانے کہ روز حساب سزا و جزا رحمت خداوندی اور شفاعت محمدی (صلعم) برحق ہیں اور یہ بھی مانے کہ اہل توحید دوزخ میں کچھ مدت کے لئے جائیں گے اور اپنی سزا بھگت کر بحکم خدا وندی جنت میں داخل ہو جائیں گے یہاں تک کہ دوزخ میں کوئی بھی اہل توحید نہ

رہے گا - یہ بھی مانے کہ شفاعت انبیاء (علیہم السلام) کے علاوہ اہل علم ، شہید اور عالی مرتبت اہل اسلام بھی گناہ گاروں کی شفاعت کریں گے اور جو مومن جہنم میں بغیر کسی کی شفاعت کے پڑا رہ جائیے گا تو وہ خداوند کریم کے فضل و کرم خاص کی وجہ سے جہنم سے نکال لیا جائیے گا یہاں تک کے دوزخ میں کوئی بھی شخص باقی نہ رہے گا کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا -

مومن یہ بھی مانے کہ صحابہ کرام کی فضیلت برحق ہے اور ان میں ترتیب وار فضیلت اسی طرح پر ہے جس طرح کہ وہ یکے بعد دیگرے خلیفہ بنے

جو شخص مزکورہ بالا تمام عقائد کو تسلیم کرے اور ان پر ایمان رکھے وہ اہل حق اور اہل سنت والجماعت میں شمار ہوگا اور اہل بدعت و دیگر گمراہ فرقوں سے الگ سمجھا جائیے گا اس جگہ پر آکر حضرت آغا صاحبؒ نے حضرت امام غزالیؒ کا بیان تمام کر دیا ہے -

ع ا

کتاب مزکور کے اگلے حصے میں حضرت آغا صاحبؒ نے خود اپنا بیان شروع کیا ہے اور اس ذیل میں سب سے پہلے انہوں نے ایک نہایت اہم پہلو یعنی امت محمد یہ کا تہتر فرقے ہوجانا شروع کیا ہے اس مضمون میں حضرت آغا صاحبؒ نے نصوص قرآنی اور احادیث مبارکہ کے دلائل کے ساتھ اس بات کو نہایت کامیابی سے ثابت کیا ہے کہ مزکورہ بالا تہتر فرقے میں سے صرف فرقہ اہل سنت والجماعت ہی کیوں فرقہ ناجیہ ہونے کا دعویدار اور حق دار ہے ؟

اس ضمن میں حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب کہ ہر فرقہ ، فرقہ ناجیہ اور برحق ہونے کا دعویدار ہے تو اس صورت میں ہمارے پاس بجز اس کے کوئی چارہ اور طریقہ کار نہیں رہ جاتا ہے کہ ہم اس مسئلہ میں قرآن حکیم اور احادیث نبوی کو اپنا حکمؔ بنا کر ان کا جو بھی فیصلہ ہو وہ

العقائدالصحیحہ ص- 32-35

قبول کریں - درحقیقت آغا صاحبؒ نے یہاں ایک ایسا میزان مقرر کیا ہے جو کہ نہ صرف ان کی صاف دلی کا مظہر ہے بلکہ یہ ان کی دین پر گہری نظر اور وسیع دینی معلومات کی بناء پر ہی ہے اور پھر یہ ایک ایسا میزان ہے کہ جس کوکوئی بھی مسلمان رد نہیں کر سکتا -

آغا صاحبؒ نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مزکورہ بالا مسئلے میں قرآن پاک کی آیت کا ترجمہ ہے کہ " بخدا وہ لوگ ہرگز مومن شمار نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اپنے باہمی تنازعات میں آپ کو حَکَمْ نہ مان لیں-"

اس نص قرآنی کو بیان کرنے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ انہوں نے ان احادیث مبارکہ کو سامنے لا رکھا جو کہ مزکورہ بالا مسئلہ کا قطعی اور صاف صاف حل بیان فرماتی ہیں اور بالکل محکم اور دوٹوک فیصلہ کرتی ہیں مثلاً حضور پر نور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک ہے کہ " حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کی ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " میری امت پر وہ انقلاب آئے گا جو کہ بنی اسرائیل پر آیا تھا ، ہوبہ ہو ، یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے بد فعلی کی ہوگی تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو یہ کام کر گزریں گے - امت بنی اسرائیل بہتر (72) فرقوں میں تقسیم ہوگی تھی اور میری امت تہتر فرقوں پر تقسیم ہوگی اور وہ سارے کے سارے جہنم میں جائیں گے مگر ایک فرقہ بچ رہے گا " صحابہ نے دریافت کیا کہ " حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کونسا فرقہ ہوگا -" فرمایا کہ " یہ وہ فرقہ ہوگا جوان اصولوں پر قائم رہے گا جن پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں ((رواتہ ترمیذی)

اس حدیث کے ساتھ ساتھ حضرت آغا صاحبؒ نے حضرت امام احمدؒ اور حضرت امیر معاویہؓ سے اس حدیث کے سلسلے میں مزید اضافہ بھی روایت کیا ہے

کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ بہتر فرقے جہنم میں جائیں گے اور صرف ایک فرقہ جنت میں داخل ہوگا اور اس فرقہ کا نام "ناجیہ" ہے۔ میری امت میں بھی ایسی قومیں پیدا ہوں گی کہ جن کو یہ نو پیدا شدہ خیالات اس طرح دوڑائیں گے جس طرح دیوانے کتے کی زہر دوڑاتی ہے باؤلے کتے کے کاٹے ہوئے شخص کا کو رگ و ریشہ ایسا نہیں ہوتا کہ جس میں اس زہر کا اثر نہ ہو۔

حضرت آغا صاحبؒ نے مزکورہ بالا احادیث مبارکہ بیان فرمانے کے بعد ایک نہایت اہم سوال اٹھایا ہے اور ایک نہایت گھمبیر اشکال کو رفع کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ مزکورہ بالا اور باقی ماندہ تمام فرقے مذہب اسلام ہی سے تعلق رکھتے ہوں گے کیونکہ حضرت صاحبؒ شریعت علیہ السلام نے واضح طور پر " میری امت " کا لفظ استعمال فرمایا ہے - مزید مسئلہ یہ ہے کہ یہ کیسے معلوم ہوکہ ان تمام فرقوں میں فرقہ ناجیہ کونسا ہے ؟ کیونکہ ہر فرقہ کا یہ ہی دعویٰ ہے کہ ہم سید ہیں اور ہدایت کے راستے پر ہیں اور ہم ہی "فرقہ نا جیہ" ہیں -

درحقیقت حضرت آغا صاحبؒ نے مزکورہ بالا اشکال اس خوبی ومعقول دلائل کے ساتھ احادیث شریفہ کے برمحل استعمال و حوالہ جات کے ساتھ حل کیا ہے کہ حق اور باطل صاف صاف واضح اور کھل کر سامنے آگئے ہیں - اس سلسلہ میں حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر مزکورہ بالا احادیث کی رو سے دیکھا جائے تو سب کو یہ بات معلوم ہے کہ " جماعت " کا لفظ فرقہ اہل سنت و الجماعت کے نام کا جزو اصلی ہے اور جماعت سے مواد ہمیشہ افراد کثیر ہوتے ہیں اور کثرت افراد صرف فرقہ اہل سنت و الجماعت ہی میں پائی جاتی ہے جو کہ مذاہب اربعہ کے مشرق و مغرب میں مقلد ہیں اور یہ کثرت افراد گمراہ فرقوں پر ایسی حاوی اور روشن ہے کہ جس کو کسی دلیل کی ضرورت نہیں - مزید

یہ کہ ہماری اس دلیل کی تائید مندرجہ ذیل احادیث متبرکہ سے بھی ہوتی ہے کہ

حدیث نمبر1 ۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر کبھی جمع نہ کرے گا اور جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے جو شخص بھی جماعت سے الگ ہوگا ، دوزخ میں پھینکا جائے گا۔

حدیث نمبر2 ۔ بروایت حضرت ابن عمرؓ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے " تم کثیر التعداد جماعت کی تابعداری کرو ، ورنہ جو الگ ہوگا ، داخل جہنم ہوگا (روایت ابن ماجہ)

اس موضوع کو نہایت سلیس و عام فہم انداز لیکن پر اثر اور قابل تسلیم دلائل کے ساتھ ثابت کرتے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ اپنی کتاب مزکورہ میں ایک اور نہایت اہم موضوع اٹھایا ہے اور وہ یہ ہے کہ

" قرآن مجید میں حقیقت و مجاز کا بیان " ۔ ع/

یہ موضوع حضرت آغا صاحبؒ نے اس بات کو حق ثابت کرنے کے لئے چنا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں عرب و عجم کی زبانوں کے محاوروں اور فصاحت کے مطابق بیانات اور گفتگو اشارتہ اور حقیقی اور مجازی معنوں کے ساتھ ایک عام بات ہے تو اگر لوگ اسی چیز کی تقلید کرتے ہوئے خدا کے بندے اور اس کے رسول کے امتی حقیقت اور مجاز کو بطوراستعارہ یا اشارہ اپنے کلام میں استعمال کریں تو یہ کوئی قبیح اور قابل تنقید چیز نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی ایسا مسئلہ ہے جس پر ملت اسلامیہ کے مختلف فرقے ایک دوسرے پر تنقید کریں یا اس کو بناء فساد بنائیں ۔

اس ضمن میں حضرت آغا صاحبؒ نے قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات بیان فرماتے ہوئے ان میں حقیقت اور مجاز کو واضح کیا ہے ۔ مثلاً

الحقائد الصحیح ص ۔ 36 ۔ 39

نمبر1 ۔ خدا وند کریم نے قرآن مجید میں فرمایا کہ " خدا موت کے وقت روح کو اپنے قبضے میں کر لیتا ہے ترجمہ (پارہ 24۔ سورتہ - رکوع 5)

نمبر2 ۔ ملک الموت تمہیں وفات دیتا ہے جو تم پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ ترجمہ (پارہ 21 ۔ سورتہ السجدہ ۔ رکوع نمبر1)

پس مزکورہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ توفی کا تعلق خدا سے حقیقی ہے اور فرشتے سے مجازی کیونکہ فاعل حقیقی تو صرف ذات خداوندی ہی ہے اس طرح فرمایا گیا ہے کہ۔

نمبر3 ۔ خدا جسے چاہتا ہے لڑکیاں بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے بخشتا ہے ۔ ترجمہ (پارہ 25 ۔ سورتہ شوری ۔ رکوع 5)

پھر اسی ضمن میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا کلام قرآن پاک میں منقول ہے کہ آپ نے حضرت مریم علیہ السلام کو فرمایا تھا کہ " میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں مقدس لڑکا دوں " ترجمہ (پارہ16۔ سرورہ مریم رکوع 2) اس سے ظاہر ہوا کہ خدا کا ہبہ حقیقی ہے اور جبرائیل علیہ السلام کا مجازی

دراصل حضرت آغا صاحبؒ نے اس مضمون میں مسئلہ حقیقت اور مجاز کو اتنی روشن دلیل اور نصوص قرآنی کی تائید کے ساتھ پیش کیا ہے کہ اب اس مسئلہ میں کوئی ابہام اور کوئی اشکال باقی نہیں رہا اور نہ ہی مختلف فرقہ اہل اسلام کے لئے اس مسئلہ میں کوئی متنازعہ بات باقی رہی ۔

" نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوعلم غیب کا حاصل ہونا "

یہ وہ اگلا موضوع ہے جس میں حضرت آغا صاحبؒ نے اپنی کتاب کو آگے بڑھایا ہے ۔ اس موضوع کے تحت حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک نہایت متنازعہ مسئلہ ہے جس پر مختلف فرقہ اسلام کے علماء کے درمیان ہمیشہ مباحثے اور مناظرے ہوتے رہے ہیں ۔ آغا صاحب نے اس مسئلے کے حل کے لئے ایسے انداز اختیار کئے ہیں جو کہ فرقہ اہل سنت ا لجماعت اور دوسرے فرقہ

غیر مقلدین دونوں کے لئے قابل قبول ہوں اس سلسلے میں انہوں نے قرآن پاک کی آیات مبارکہ کے بھی دلائل اپنے موقف کی حمایت میں نہایت پر تاثیر اور مدلل انداز میں پیش کئے ہیں -

ع/

آغا صاحبؒ نے اپنے بیان میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ضرور حاصل تھا مگر کسی بے فائدہ علم کے بارے میں نہیں بلکہ ان امور کے بارے میں جن کا تعلق تبلیغ رسالت منکرین کو لاجواب کر دینے کے بارے میں یا گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے حالات کے بارے میں یا ان کے مطیع اور منکرین کے حالات و انجام کے بارے میں یا ان امور کے بارے میں جو کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہیں اور جو کہ آخر زمانہ میں پیش آئیں گے یا ان فتنوں کے بارے میں جو کہ اس امت پر پیش آنے والے ہیں - یہاں تک کہ سب لوگ جنت یا دوزخ میں چلے جائیں ہاں وہ علوم کہ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک کے شایان نہیں یا جو کہ تبلیغ رسالت اور اشاعت دین کے لئے کچھ فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتے ان کا علم حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیا گیا تھا - اس موقف کے حوالے کے طور پر آغا صاحبؒ قرآن پاک کی یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ "ہم نے ان کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ ہی وہ ان کو شایان ہے" - ترجمہ (پارہ 29 - سورۃ الحاقہ رکوع 2)

اور یہ اس لئے بھی فرمایا گیا کہ کفار نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کاہن ہونے کا الزام لگایا تھا - مزید یہ کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا کہ "تمہارا خدا وہ ہے جو عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اس رسول کو جسے وہ پسند کرے" (پارہ 29 - سورۃ جن - رکوع 2) مزید یہ بھی فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ تو تم کو علم غیب پر مطلع کرنے کے قریب بھی نہیں ہے ، لیکن اپنے رسولوں میں سے جس رسول کو چاہے منتخب کر

الفوائد البہیہ ص ۶۲ تا ۶۶

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

لیتا ہے " (پارہ 4 - سورتہ آل عمران - رکوع 18) پھر حضرت صاحبؒ مخالفین سے یہ دریافت فرماتے ہیں کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برگزیدہ اور منتخب کردہ رسول نہیں ہیں ؟ اس مدلل بیان کے بعد حضرت آغا صاحب وضاحت فرماتے ہوئے سمجھاتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض غیبوں کے عالم ہیں تو پھر آپ کے حصول علم غیب کے بارے میں یہ فقرہ اثباتیہ اسی طرح جائز ہے جس طرح کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی صفت سے موصوف کیا جائے تو اس مزکورہ صفت کے تمام اقسام بھی اس میں موجود ہوں -

" ایصال ثواب " ع/

حضرت آغا صاحبؒ ، فرقہ اہل سنت والجماعت کے ایک اور عقیدے یعنی ایصال ثواب کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ اس کے جائز اور برحق ہونے کے بارے میں فرقہ غیر مقلدین کے ہی ایک بزرگ حضرت شیخ ابن قیم جوزی کے مضامین اس مسئلہ کی تائید کے دلائل فراہم کرتے ہیں - مثلا شیخ موصوف کی کتاب " الروح " میں شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ مردے کی روح زندوں کے اعمال سے دوطرح سے مستفید ہو سکتی ہے - اول تو یہ کہ مردہ خود اپنی زندگی میں کسی صدقہ جاریہ والے عمل کا باعث بنا ہو - دوئم یہ کہ زندہ مسلمان اس کے حق میں دعا اور استغفار یا صدقہ و خیرات یا حج کریں پھر مزید یہ کہ عبادات بدنی یعنی نماز ، روزہ ، تلاوت قرآن پاک ، ذکر الٰہی وغیرہ کا ثواب ، حضرت امام احمد ابن حنبلؒ اور جمہور سلف اور حضرت امام اعظمؒ کے بعض شاگردوں کے قول کے مطابق مردے کو پہنچتا ہے - جیسا کہ حضرت محمد بن یحییٰ کحالؒ کی روایت کے مطابق حضرت امام احمد ابن حنبلؒ نے فرمایا کہ تین مرتبہ آیت الکرسی اور ایک مرتبہ سورہ اخلاص پڑھو اور یوں دعا کرو کہ " یا اللہ اس عمل کا ثواب اہل مقابر کو پہنچے اور پھر اس امر کا ثبوت کہ مردہ جوکام

الفوائد الصحیحہ - ص - 67 تا 57

بطور صدقہ جاریہ اپنی زندگی میں کر جائے ، حضرت امام ابن قیم ، مندرجہ ذیل حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دیتے ہیں کہ بروایت حضرت ابو ہریرہؓ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " مومن کے نیک اعمال میں سے موت کے بعد اس کو یہ اعمال یعنی ان اعمال کا ثواب پہنچتا ہے - اول جو اس نے پڑھایا اور پھیلایا (یعنی نیک اور مفید علم) دوئم نیک اولاد جسے اپنا جانشین بنا گیا - - سوم قرآن مجید جو ورثہ میں چھوڑ گیا - چہارم مسجد جو اس نے بنوائی - پنجم سرائے جو مسافروں کے لئے تیار کی - ششم نہر جو اس نے کھدوائی - ہفتم وہ صدقہ جو کہ وہ اپنی زندگی میں بحالت صحت الگ کر چکا تھا - یہ موت کے بعد اس کو پہنچے گا - "

اس بحث کے بعد حضرت امام ابن قیم نے ایصال ثواب کے ذیل میں اس بات پر بحث کی ہے اور اس کو مختلف احادیث سے ثابت کیا ہے کہ مردوں کو صدقہ ، روزہ ، حج ، تلاوت قرآن مجید وغیرہ کا ثواب پہنچتا ہے -

اس بحث کے بعد حضرت امام صاحبؒ ، ایصال ثواب کے منکرین کی مضبوط دلیل یعنی اس آیت ربانی " انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے کمایا یا کوشش کی -" ترجمہ = (پارہ 27- سورتہ النجم - رکوع 3) کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انسان اپنی کوشش سے اپنے خاندان اور اپنے چاہنے والوں کا ایک حلقہ اپنے گرد پیدا کر لیتا ہے جو کہ اس کی وفات کے بعد بھی اس کے لئے دعائے خیر اور نیکی کے دیگر اعمال سرانجام دیتے ہیں جن کا ثواب بھی اسی مردہ کو پہنچتا ہے اس کے علاوہ شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ ہر مسلم کو دعائے خیر کی مشکل میں اپنے دیگر مسلم بھائیوں سے ثواب اور فیض حاصل ہوتا ہے اس کے علاوہ صدقہ جاریہ کا ثواب بھی مردہ کو حاصل ہوتا ہے

" غـــیر اللہ کی تـــعظیم "

زیر تبصرہ کتاب کے اگلے حصے میں حضرت آغا صاحبؒ نے ایک اور

ع ۱

عقیدہ اہل سنت و الجماعت یعنی " غیر اللہ کی تعظیم " پر نہایت دقیق نظری اور مدلل انداز کے ساتھ بحث کی ہے ۔ اس موضوع کے جائز اور برحق ہونے کے ثبوت میں انہوں نے مختلف آیات قرآنی نہایت مربوط اور متاثر کن انداز میں میں پیش کی ہیں ۔ آغا صاحبؒ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جملہ غیر اللہ ہرگز تعظیم کے لائق نہیں ہیں کیونکہ ان جملہ میں تو بت وغیرہ بھی شامل ہیں ۔ لیکن جملہ شعائر اللہ ۔ انبیاء علیہم السلام ، والدین اور خدا تعالی کے نیک بندے یعنی اولیائے کرام وغیرہ ضرور قابل تعظیم غیر اللہ میں شامل ہیں کیونکہ خود قرآن حکیم میں اللہ تبارک و تعالی نے شعائر الہی ، انبیاء کرام علیہم السلام اور والدین کی تعظیم کرنے کی ہدایت فرمائی ہے ۔ جیسا کہ حج میں حجر اسود کو تعظیم کے خیال سے بوسہ دینا ۔ پھر قرآن پاک میں یہ حکم فرمانا کہ " اپنی آوازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آواز سے نیچی رکھو کیونکہ یہ عمل ضبطیٔ اعمال کا باعث بنتا ہے اور پھر والدین کے بارے میں یہ فرمانا کہ ان کو " اف " بھی نہ کہو اور ان کے لئے نرمی اور مہربانی کا بازو عاجزی کے ساتھ جھکا دو ۔ اس کے علاوہ اسی ذیل میں حضرت محمد مصطفی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم بھی آغا صاحبؒ بیان فرماتے ہیں کہ جب حضرت سعد بن معاذؓ جہاد سے واپس آئے تو آپ نے انصار سے فرمایا تھا کہ " اپنے سردار کا کھڑے ہو کر استقبال کرو ۔ " تو یہ قیام تعظیمی تھا ، پھر یہ دلیل بھی بیان کی ہے کہ صحابہ کرام دربار نبوی میں تعظیماً ایسے متواضع ہو کر بیٹھتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں ۔

" سماع موتیٰ کی بحث " ع ۲

زیر بحث کتاب یعنی " العقائد الصحیحہ " کا اگلا باب مسئلہ سماع موتیٰ کے بارے میں ہے ۔ اس ذیل میں حضرت آغا صاحبؒ نے اثبات سماع موتیٰ کے مخالفین کی سب سے زیادہ مضبوط دلیل یعنی آیات ربانی " آپ مردوں

۱۔ العقائد الصحیحہ ص ۶۲ تا ۶۹

کو نہیں سنا سکتے " (پارہ 20 ۔ سورہ نمل ۔ رکوع 6) کی تشریح کرتے ہوئے اپنا نقطہ نظر اس طرح پیش کیا ہے کہ اس مزکورہ بالا آیات میں مردوں سے مطلب کفار اور سننے سے مطلب تصدیقی سننا ہے ۔ دلیل اس بات کی یہ ہے کہ کفار بہرے نہ تھے جو کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سن نہ سکتے تھے ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ کفار تصدیقی سننے سے محروم تھے ۔ یہاں حضرت آغا صاحبؒ ایک نہایت باریک نکتہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ " جس طرح کفار بہ ظاہر سنتے ہیں تو مردے بھی بہ ظاہر سنتے ہیں مگر تصدیقی سننا دونوں میں نہیں ہے کیونکہ کفار انکار قلبی کی وجہ سے اس سننے سے محروم ہیں اور مردے اس لئے محروم ہیں کہ وہ جواب نہیں دے سکتے ۔ نیز حضرت آغا صاحبؒ ایک اور دلیل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب نیند میں ظاہری حواس معطل ہونے کے بعد بھی ہماری روح مختلف کام انجام دیتی ہے اور سنتی بھی ہے تو مردے کی روح جو کہ مستقلا اس زندان جسم سے آزاد ہو چکی ہوتی ہے کیوں کر نہ سنے گی ۔

" بارگاہ الٰہی میں وسیلہ لینا " ع[1]

کتاب کا اگلا باب مزکورہ بالا موضوع پر بحث کا حامل ہے ۔ آغا صاحب اس عقیدہ اہل سنت و الجماعت کو درست اور برحق مانتے ہیں اور اس کی تائید میں ان کی دلیل یہ آیت قرآنی ہے " لوگو جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور خدا کی طرف وسیلہ نجات طلب کرو (پارہ 6 ۔ سورہ مائدہ رکوع 6 اس آیت میں وسیلہ لینے کی ھدایت کی گئی ہے اور حضرت آغا صاحبؒ کے بقول خدا کے دربار میں بہترین وسیلہ ارواح صالحین ہی ہیں ۔

یہاں پر آغا صاحبؒ مخالفین کے اس موقف سے ہم خیال ہیں کہ اس آیت میں وسیلہ سے مراد اعمال صالحہ ہیں ، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ اس بات پر بھی پورا زور دیتے ہیں کہ وسیلہ نہ صرف نیک اعمال کا بلکہ خدا

العقائد الصحیحہ ۔ ص ۔ 70

کے نیک بندوں سے لینا بھی درست ہے کیونکہ جب کسی نیک شخص کا وسیلہ پیش کیا جاتا ہے تو دراصل اس کے نیک اور صالح اعمال کا وسیلہ ہی پیش کیا جاتا ہے -

" نـــدائے غـیـب " ع ا

اس عنوان کے ذیل میں حضرت آغا صاحبؒ کا نظریہ یہ ہے کہ اگر کسی نیک بندے کی روح امداد و اعانت کے لئے پکارا جائے تو یہ پکارنا اس نیک بندے کی روح کے متعلق مجازی ہے اور درحقیقت یہ پکار خدا وند کریم کی بارگاہ ہی میں ہے کیونکہ اس بندے کو درمیان میں اس لئے لایا گیا ہے کہ " خدا وند ذوالجلال والاکرام کا مقرب بندہ ہے اور ہمارے عومی احوال اس لائق نہیں ہیں کہ ہم براہ راست خدا وند کریم کے حضور اپنی کوئی مشکل پیش کرکے دعا کریں اور پھر اس دعا کی قبولیت کا یقین بھی رکھیں -

اس نکتہ کی وضاحت کے بعد آغا صاحبؒ نے ایک اور نہایت اہم مسئلہ کی بھی تشریح کی ہے - وہ فرماتے ہیں کہ اگر غائب کے لفظ سے مراد لی جائے کہ وہ ذات یا شخص جو نظر سے غائب ہو تو اس طرح تو خدا بھی نظر سے غائب ہے اور اگر مخالفین کی مراد غائب سے وہ ذات یا شخص ہو جو کہ دل سے پوشیدہ ہے تو بھی خدا وند عالم ہر ایک کے قلب میں حاضر ہے اور کبھی غائب نہیں ہوتا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر مومن کے دل میں حاضر ہوتے ہیں اور کبھی غائب نہیں ہوتے - لہذا مومن بھی اسی کو پکارتا ہے جو اس کے دل میں حاضر ہوتا ہے اور دل کا حاضر ، نظر کے حاضر سے بالاتر اور مرغوب تر ہوتا ہے - اس طرح کوئی ایسا غائب نہ رہا کہ جس کو پکارنا مخالفین اہل سنت والجماعت ناجائز سمجھتے ہوں -

مزید یہ کہ مخالفین کی دلیل کہ " خدا تو سنتا ہے اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی پکار نہیں سنتے ، اس کے جواب میں

العقائد السیحیہ ص ۷۲ تا ۷۴

حضرت آغا صاحبؒ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب خدا سنتا ہے کہ کوئی اس کے حبیبِ صلی اللہ علیہ وسلم کو امداد و اعانت کے لئے پکار رہا ہے تو خداوند کریم کی محبت یہ گوارا نہیں کرتی کہ اس سائل کو نامراد لوٹا دیا جائے - مزید یہ کہ جب بندہ خدا کا مقرب بن جاتا ہے تو وہ خود بھی خدا کی سماعت سے سنتا اور اسی کی بصارت سے دیکھتا ہے تو پھر خدا کے نزدیک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون مقرب ہے اور آپ کے سوا کون اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ سماعت خداوندی سے سنے -

" زیارت قبور صالحین " ۱/ے

زیر تبصرہ کتاب کے مزکورہ بالا عنوان کے ذیل میں حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ زیارت قبور کے جائز ہونے کے حق میں کئی احادیث اور اہل علم کے تحقیقی اقوال موجود ہیں اور ان سب سے بالا تر یہ آیت قرآنی ہے کہ "اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اگر وہ آپ کے پاس آجائے اور اللہ سے معافی مانگتے اور آپ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ ضرور خدا کو مہربان اور توبہ قبول کرنے والا پاتے- ترجمہ
(پارہ 5 - سورہ النساء - رکوع 9)

یہ آیت ربانی پیش کرنے کے بعد آغا صاحب مخالفین سے پوچھتے ہیں کہ " کیا خدا نے اس آیت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی شرط رکھی ہے یا یہ آیت یہ مفہوم رکھتی ہے کہ خواہ کوئی آپ کی زندگی میں حاضر ہو یا آپ کے وصال کے بعد حاضر ہو اور چاہے وہ قریب ہو یا چاہے دور کا رہنے والا ہو-

مزید یہ کہ دیکھو حکم خداوندی ہے کہ مقام ابراہیم علیہ السلام کو اپنی نماز کی جگہ بناؤ ، جو کہ صالحین کے آثار میں سے ہے تو جب ایسے آثار صالحین میں نماز ادا کرنے کا حکم ہے تو ان کے مزارات کی زیارات کے بارے

میں تمہاری مخالفت اور ممانعت کیوں کر جائز ہو سکتی ہے -

" شفاعت کی بحث " ع/

کتاب کے اگلے باب میں مسلک اہل سنت والجماعت کے ایک اور نہایت قوی عقیدے یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شفاعت فرمانے کے بارے میں بحث کی گئی ہے اور اس کی حقانیت کو نہایت مدلل اور منطقی انداز میں ثابت کیا گیا ہے - اس سلسلے میں پہلے منکرین شفاعت کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے کہ بقول منکرین شفاعت نا ممکن ہے کیوں کہ شفاعت کے لئے لازم ہے کہ شافع وجیہہ ہو ، یا خدا کا محبوب ہو اور یہ دونوں امر خدا کے یہاں محال ہیں تیسری صورت شفاعت کی یہ ہے کہ شفاعت بالاذن ہو اور یہ گویا شفاعت کی نفی ہے کیوں کہ یہ نہ تو کبائر کے مرتکبین کے لئے ہوگی اور نہ ہی صغائر پرمداومت کرنے والوں کے لئے ہوگی - اور چند صغیرہ گناہ کرنے والوں پر تو خدا خود ہی رحم فرمادے گا - جبکہ توبہ اور ندامت ان کے ساتھ ہوگی - یعنی خدا بھی کسی سبب کے بغیر ان کو معاف نہ کریگا - لیکن جسے چاہے گا معاف کردیگا اور جسے چاہے گا شفاعت کی اجازت دے گا -

منکرین شفاعت کا عقیدہ بیان کرنے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت عنداللہ از روئے قرآن ثابت ہے اور آپ کی محبوبیت بھی ثابت ہے کیونکہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ " حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا اور آخرت میں وجیہہ ہیں اور مقربین بارگاہ الٰہی میں سے ہیں " (پارہ 3 - سورہ آل عمران - رکوع 5) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ " جوالزام مخالفین آپ کو دیتے تھے اس سے خدا نے آپ کو بری کردیا اور آپ خدا کے دربار میں وجیہہ تھے -" (پارہ 22 - سورہ احزاب - رکوع 9)

تو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام وجیہہ

العقائد الصحیحہ - ص 78 تا 84

اور مقربان بارگاہ الٰہی ٹھہرے تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس مرتبہ کے سب سے بڑھ کر حقدار ہوں گے ، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے " کہدو کہ اے مومنین اگر تم خدا کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری تابعداری کرو - تب خدا تم کو بھی اپنا محبوب بنا لے گا (پارہ 3 - سورہ آل عمران - رکوع 4 جائے غور ہے کہ جب تابع محبوب الٰہی ہوا تو متبوع کیوں کر محبوب الٰہی نہ ہوگا - حالانکہ خود حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ " میرا خطاب محبوب الٰہی ہے " تو جب آپ کی وجاہت اور محبوبیت خدا کے دربار میں ثابت ہے تو پھر آپ کی شفاعت کیوں کر منظور نہ ہوگی - نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ " مجھے پانچ چیزیں عطا ہوئیں جوکہ مجھ سے پہلے کسی کو نہ دی گئیں تھیں اول یہ کہ میرا رعب میرا مدد گار بنایا گیا - دوئم یہ کہ تمام سطح زمین میرے لئے وضو اور نماز کی جگہ مقرر کی گئی - سوئم یہ کہ خاص مجھے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ورنہ مجھ سے پہلے کسی نبی کو اس کا استعمال جائز نہ تھا - چہارم مجھے علم شفاعت کا حق دیا گیا ہے اور پنجم یہ کہ میں تمام مخلوقات کی طرف رسولؐ بنا کر بھیجا گیا ہوں " (بخاری مسلم)

اب رہی شفاعت بالاذن کی بات تو اس سلسلے میں حضرت آغا صاحبؒ کا قول یہ ہے کہ قرآن پاک میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ " اپنی امت پر نماز جنازہ پڑھئے اور دعائے خیر کیجئے - کیونکہ آپ کی دعائے خیر ان کے لئے باعث تسکین ہے (پارہ 11 - سورہ توبہ - رکوع 13) پس یہ ہی حکم امر اور اذن برائے شفاعت ہے - نیز خداوند کریم نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ " اپنی کوتاہیوں کی پردہ پوشی طلب کرو اور زن و مرد اہل ایمان کے لئے مغفرت طلب کرو کیوں کہ خدا تمہاری حرکات و سکنات سے خوب واقف ہے (پارہ 26 - سورہ محمد - رکوع 2)

پس امر بالا ستغفار ہی اذن بالشفاعت ہے اور اذن بھی قوی ہے کیوں کہ امر

کرنا اذن کرنے سے زیادہ ہوتا ہے -

"عـــرس کا مــــسئلہ" ع/

اس ذیل میں پہلے آغا صاحبؒ مخالفین کا اعتراض بیان کرتے ہیں کہ " عرس تعین وقت کے ساتھ حرام اور فعل یہود کے مشابہ ہے آغا صاحبؒ کے نظریہ کے تحت یہ اعتراض مخالفین بالکل غلط ہے کیونکہ تعین وقت اور مباح میں مضر نہیں ہوتا - دلیل اور ثبوت اس بات کے یہ ہیں کہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یوم عاشورہ کا روزہ رکھنے کا حکم فرمایا اور شوال کے چھ روزوں کا بھی حکم فرمایا - نیز فرمایا کہ پیدائش کے ساتویں روز بچے کا عقیقہ کیا جائے - عرس وغیرہ میں تعین وقت اس لئے ہوتا ہے کہ لوگ بلا تکلف و بلا تکلیف جمع ہوجائیں - اس کے علاوہ صاحب مزار کے لئے ایصال ثواب کا مقصد بھی پیش نظر ہوتا ہے جو کہ سراسر جائز ہے - مزید یہ کہ لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے تاکہ ایصال ثواب ہو - مزید یہ کہ خداوند کریم نے قرآن پاک میں خود لوگوں کو کھانا کھلانے کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ " سوالی اور غیر سوالی حاجت مندوں کو کھانا کھلاؤ (پارہ 17 - سورہ حج - رکوع 5) نیز فرمایا کہ " نماز بلا نافہ ادا کرو زکواتہ دیا کرو - اللہ کو قرض حسنہ دو اور جو خیرات تم اپنے لئے پیشگی بھیجو گے اسے خدا کے یہاں بہتر پاؤ گے اور اس کا بہت ثواب پاؤ گے -
(پارہ 29 - سورہ مزمل - رکوع 2)

" مـیلاد الـنبی صلی اللہ علیہ وسـلم " ع/۲

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواز کی حمایت میں حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ " یہ ایک مستحسن فعل ہے کیونکہ اس میں حضرت حضور پرنور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے اشعار سننا حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اور خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

۱ - ۲ -
الصفائد الیجہ - ص- 85 تا 88

ثابت ہے کہ آپ حضرت حسان رضؓ بن ثابت سے اپنی مدح کے اشعار سماعت فرماتے تھے ۔ یہ درست ہے کہ مجالس میلاد " خیرالقرون " میں موجود نہ تھیں لیکن بالعموم اصول یہ دیکھا گیا ہے کہ جو امر خدا کے نزدیک مستحسن اور مباح ہو وہ مسلمانوں میں بھی بہ طریق احسن ومباح رواج پایا جاتا ہے ۔ حضرت آغا صاحبؒ نے یہ ایک نہایت باریک نکتہ بیان فرمایا ہے اور میلاد شریف کے جواز کا یہ نہایت صوفیانہ جواز بیان فرمایا ہے ۔

" نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجانا " ؏

کتاب کے اس موضوع کے ذیل میں حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مخالفین کے امام کا قول ہے کہ " نماز میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجانا نمازی کے اپنے جانوروں کے خیال سے بھی برا ہے ۔ نعوذ باللہ من ذالک ۔ ان کا یہ عقیدہ ان کے بدترین عقائد میں سے ہے اور فرقہ اہل سنت والجماعت اس انتہائی بے ہودہ اور گستاخانہ عقیدے سے اپنی مکمل بیزاری اور برأت کا اعلان کرتا ہے اور خداوند کریم سے اس قسم کے عقیدے اور اس قسم کے عقائد رکھنے والوں سے پناہ چاہتا ہے ۔ حضرت آغا صاحبؒ مزکورہ بالا عقیدے کو نہایت قابل نفرت جانتے ہوئے فرماتے ہیں کہ " تعجب ہے کہ مزکورہ بالا عقیدہ رکھنے کے باوجود یہ فرقہ غیر مقلدین ، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فخر عالم بھی کہتا ہے ۔ دراصل بقول آغا صاحبؒ مخالفین اہل سنت والجماعت پر یہ بہت گراں اور شاق ہے کہ تمام قرآن پاک تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور تعریف سے بھرا ہوا ہے ۔ یا پھر آپ کا قرب الٰہی اور محبت الٰہی ظاہر کرتا ہے ۔ اب بیچارہ وہابی کیا کرے ؟ اور کہاں جائے ؟ اور کہاں تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور سے دوران نماز بچے ۔ مخالفین کا یہ بھی کہنا ہے کہ نمازی تشہد میں یوں نہ کہے کہ " اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر سلام ہو " تاکہ بزعم خویش مخالفین کے عقیدے

العقائد الصحیحہ ۔ ص ۔ 89 تا 92

کے مطابق آپ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو غیب سمجھے اور حاضری و خطاب کے لفظ سے بچ جائے - حضرت آغا صاحبؒ یہاں پر ایک بڑا چبھتا ہوا سوال کرتے ہیں کہ " بتاؤ تو جب کوئی نمازی السلام علی النبی کہے گا اور غائبانہ لفظ سے آپؐ پر درود و سلام بھیجے گا تو کیا پھر آپ کا تصور نہایت عزت و توقیر کے ساتھ نہ آئے گا ؟۔ اور وہابیوں کا اصول ٹوٹ نہ جائے گا ؟ "

نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے ساتھ لفظ " سیدنا " بڑھانا اور اس موضوع کے ذیل میں حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ " مخالفین کا اعتراض ہے کہ تعظیماً بھی لفظ " سیدنا " بڑھانا بدعت ہے اور "خیرالقرون میں یہ زیادتی نہ تھی - اس اعتراض کا نہایت معقول جواب یہ ہے کہ زمانے کی تبدیلی سے محاورات بھی تبدیل ہو جاتے ہیں - جائے غور ہے کہ کیا " مولانا " اور " شیخنا " قسم کے القاب و الفاظ خیرالقرون میں استعمال ہوتے تھے ؟ جو کہ صاحبان علم کی عزت و توقیر بڑھانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں - پس جب یہ اصول ہے تو ہمارے نبی اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم مخلوق میں سب سے زیادہ عزت و توقیر کے مستحق ہیں نیز کیا خداوند کریم نے اپنے بندوں اور پیغمبروں کو عزت و توقیر کے الفاظ سے یاد نہیں فرمایا ؟ جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حق میں فرمایا گیا " آپ سید، پاک دامن اور نبیؑ صالح تھے " - اور اسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " میں بنی آدم کا سید ہوں " -

" خداوند تعالیٰ کے ساتھ کسی مخلوق کو شریک کرنا " ۱

کتاب کے اس عنوان کے تحت حضرت آغا صاحب فرماتے ہیں کہ یہاں پر ہمیں گفتگو کے حقیقی اور مجازی معنوں اور فرق کا خیال رکھنا ہوگا - مثال کے طور پر اگر کسی حاجت روائی کرنے والے شخص کو یہ کہا جائے کہ " یہ خداوند کریم کی اور تمہاری مہربانی ہے " یا یہ کہا جائے کہ " یہ

الحقائد الصحیحہ - ص ۹۶

چیز مجھے خدا نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے - تو شکر گزاری کا یہ جملہ بطور مجازی مطلب رکھنے گا یعنی یہ کہ درحقیقت تو یہ چیز مجھے خدا نے عطا فرمائی ہے لیکن بہ ظاہر آپ کے توسط سے ملی ہے - اس ذیل میں حضرت آغا صاحبؒ قرآن پاک کا حوالہ دیتے ہیں کہ " مخالفین کیا برا سمجھتے ہیں کہ اللہ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ اور مہاجرین کو غنی کر دیا ہے " ترجمہ (پارہ 10- سورہ توبہ- رکوع 10) نیز یہ کہ " جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا وہ بڑی کامیابی پائے گا - (ترجمہ پارہ 22- سورہ احزاب- رکوع 9) لیکن مزکورہ بالا تمام حقیقتوں کے باوجود عوام الناس کو ایسے اشتراکی الفاظ سے بچنا چاہئے کیونکہ عوام حقیقت اور مجاز میں امتیاز نہیں کر سکتے -

" بحث امکان کذب باری تعالیٰ " ع/

اس موضوع کے ذیل میں حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ان کمبخت مخالفین کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ نعوذ باللہ خود خدا وند ذوالجلال عذابی وعدے میں غلط بیانی کر سکتا ہے اور اس مسئلہ کا نام انہوں نے امان کذب رکھا ہے جب کہ حال یہ ہے کہ ذات خداوندی کی طرف جھوٹ کو منسوخ کرنا بھی ناجائز ہے اور وعدہ فرماکر سزا نہ دینا اسے وعدہ خلافی نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ خود اختیاری کی بات ہے اور یہ خدا کا رحم و مہربانی اور اس کی طرف سے مغفرت ہے چاہے یہ ذاتی رحم ہو یا کسی مقرب بندے کی سفارش و شفاعت کی بناء پر رحم کیا جائے - مخالفین یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ کیا خدا ہر شے پر قادر نہیں ہے اگر ہے تو پھر جھوٹ بولنے پر کیوں قادر نہ ہوگا جواب یہ ہے کہ بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے لیکن قدرت الٰہی نا مناسب امور کی کی طرف متوجہ نہیں ہوتی جیسا کہ خدا اپنا شریک پیدا نہیں کرتا -

المحفائد البحیہ - ص-25

"اولیائے کرام سے استمداد" ع/

کتاب کا اگلا عنوان اولیائے کرام سے استمداد حاصل کرنے کے جائز ہونے کے بارے میں ہے - اس کے جواز کی حمایت میں حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ امداد طلب کرنا دو طریق پر ہوتا ہے - اول زندوں سے - دوئم مردوں سے - سو حال یہ ہے کہ زندوں سے تو مخالفین بھی اپنے دنیاوی کاموں میں ایک دوسرے سے امداد لیتے رہتے ہیں - اسی طرح ہم بھی زندہ اولیاء اللہ سے اپنے کاموں میں مدد لیتے ہیں اب جہاں تک مردوں سے استمداد کا تعلق ہے - تو مسئلہ یہ ہے کہ اصل میں تو زندوں اور مردوں میں اصل چیز تو صرف روح ہی ہوتی ہے خواہ وہ جسم سے خارج ہو یا جسم میں موجود ہو ہم اسی روح سے استمداد لیتے ہیں اور یہ پاک ارواح ہی ہماری طلب کردہ شے دینے یا نہ دینے کا اختیار اپنے پاس رکھتی ہیں -

" بچوں کے نام انبیاء علیہم السلام و صالحین سے منسوب کرنا "

یہ کتاب کا آخری موضوع ہے اور اس کے جواز کی حمایت میں حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مخالفین کے عقیدے کے مطابق اگر کوئی شخص اپنے بچوں کے نام نبی بخش ، رسول بخش ، غلام محمد یا اسی طرح کا کوئی اور نام رکھ لے تو یہ شرک ہے کیونکہ دینے والا تو صرف خدا ہی ہے اور ہم سب عباد اللہ یعنی اللہ کے غلام ہیں اور عبدیت کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا جائز نہیں ہے -

آغا صاحبؒ اس اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں کہ " دراصل عطیہ کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا مجازی طور پر جائز ہوتا ہے جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہما السلام کے پاس آکر کہا تھا کہ " کہ میں تم کو پارسا لڑکا بخشنے آیا ہوں " اور اسطرح نہیں کہا تھا کہ خدا تم کو پارسا لڑکا بخشے گا -

العقائد الصحیحہ - ص - 97

اس جگہ حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی اپنی کتاب جو کہ ہمارے زیر تبصرہ ہے یعنی" العقائد الصحیحہ " کا بیان ختم کرتے ہیں اور خداوند کریم کے دربار میں دعا فرماتے ہیں کہ

" اے اللہ میں نے اس تحریر سے مسلمانوں کے عقائد درست کرنے کے علاوہ اور کوئی ارادہ نہیں کیا ، پس اگر یہ تحریر تیری طرف سے ہے تو میں تیرا فضل و احسان مانتا ہوں ، تو اس سے تیرے مومن بندوں کو نفع دے ۔ اور اگر یہ تحریر غلط ہے تو یہ غلطی میرے نفس سے سرزد ہوئی ہے اور اس کے لئے میں تجھ سے معافی و مغفرت طلب کرتا ہوں ۔ یا اللہ ہمیں حق بات کو حق دکھا اور حق کا اتباع ہماری قسمت کردے ۔ اور باطل کو باطل دکھا اور ہمیں اس سے پرہیز بخش ۔ آمین

اس مقام پر پہنچ کر کتاب العقائد الصحیحہ کا بیان اور اس کا تبصرہ ختم ہوتا ہے ۔

تبصرہ بر کتاب " الاصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ "

کتاب " الاصول الاربعہ " کے مصنف حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ ہیں - اصل کتاب عربی زبان میں ہے جو کہ سب سے پہلے غیر منقسم ہندوستان کے شہر امرتسر میں 1346ھ میں ، زیر نگرانی مولوی محمد سراج الدین صاحبؒ مدیر ، اخبار الفقیہ " امر تسر مطبع روز بازار الیکٹرک پریس سے شائع ہوئی یہی کتاب ترکی کے شہر استنبول سے بھی 1346ھ بمطابق 1928ء شائع ہوئی

مزکورہ بالا کتاب یعنی " الاصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ " کا اردو ترجمہ مشتمل بر 245 صفحات 1408ھ بمطابق 10 جون 1988ء کو حضرت خواجہ محمد حسنؒ جان اکیڈمی ، ٹنڈو سائیں داد " کی طرف سے زیر نگرانی جناب الحاج فقیر کریم بخش جتوئی صاحب شائع ہوا - یہ ترجمہ حضرت مولانا حافظ محمد عبدالستار قادریؒ ، سعیدی ، لاہوری نے کیا -

یہ کتاب دراصل حضرت آغا صاحبؒ نے وہابیت کی تردید میں اور وہابیوں کے عقائد باطلہ سے عامۃ المسلمین کو کما حقہ آگاہ کرنے اور ان کا نہایت مضبوط اور مدلل رد کرنے کے لئے تصنیف کی ہے - جیسا کہ آغا صاحبؒ خود فرماتے ہیں کہ

" یہ چند جملے جو کہ عنایت الہٰی سے میرے دل میں ڈالے گئے ہیں اس لئے معرض تحریر میں لائے جا رہے ہیں کہ میری یادگار رہیں اور برادران ملت و مذہب ان سے فائدہ اٹھائیں ، مخفی نہ رہے کہ اس دور میں اہل ہوا کا ایک فرقہ اسلام میں پیدا ہوچکا ہے جو کہ اپنے آپ کو " اہل حدیث " یعنی " وہابی " کہتا ہے - یہ فرقہ اہل سنت والجماعت خصوصاً مذہب حنفیہ کے مقابلے میں مخالفانہ کاروائیوں میں شد و مد کے ساتھ مصروف عمل ہے اور مذہب و ملت کے نور کو بجھانے میں انتہائی کوشش کررہا ہے اور سادہ لوح عوام

کی ایک بڑی تعداد کو اپنے دام فریب میں پھنسا چکا ہے ۔ "

اس تمہید کے بعد حضرت آغا صاحبؒ نے غیر منقسم ہندوستان میں وہابیت کی ابتدا ، فرقہ وہابیہ کے ہندوستانی سرخیل ، ان کے ارادوں ، ان کی لکھی ہوئی کتابوں ، اور توحید و رسالت وغیرہ کے بارے میں ان کے گمراہ کن عقائد کا تذکرہ کیا ہے ۔ مثلاً اس ضمن میں وہ فرماتے ہیں کہ

" غیر منقسم ہندوستان میں اس فرقہ وہابیہ کا استاد اول مولوی "محمد اسمعیل دہلوی" ہے جو کہ 1250ھ میں ظاہر ہوا ۔ اس نے " محمد بن عبدالوہاب نجدی " کی کتاب " التوحید " کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کرکے اس کو " تقویۃ الایمان " کے نام سے شائع کیا اور اس کے بعد اپنے گمراہ عقائد پر مبنی " صراط مستقیم " وغیرہ جیسے رسائل تحریر کئے ۔ اس کے بعد اس کے شاگردوں یعنی عبداللہ غزنوی ، نذیر حسین دہلوی ، صدیق حسن خان بھوپالی ، رشید احمد گنگوہی اور ان کے علاوہ مدرسہ دیوبند کے بعض افراد نے اس سلسلے کو آگے بڑھانے کے لئے متعدد کتابیں اور رسائل تحریر کئے ۔"

اس کے بعد فرقہ وہابیہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے حضرت آغا صاحبؒ وہابیوں کے دو گروہوں کا ذکر فرماتے ہیں ، یعنی اول فرقہ اہل حدیث جو کہ کھلم کھلا " تقلید شخصی " کا منکر ہے اور امت مرحومہ کے اکابرین اور علماء ، صلحاء اور اولیاء کو مشرک و بدعتی قرار دیتا ہے ۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو کہ اپنے آپ کو مخفی رکھنے اور فرقہ حنفی میں کھل مل کر انہیں اپنے عقائد باطلہ کی طرف لانے کے لئے خود کو حنفی کہلواتا ہے اور حنفیوں جیسے اعمال بھی رکھتا ہے مگر اعتقاداً اسی پہلے فرقے کا ہم پیالہ و ہم نوالہ ہے فاضل مصنف نے دراصل اپنی اس کتاب میں اسی فرقے کو زیادہ تر مخاطب کیا ہے ۔

اس وضاحت کے بعد حضرت آغا صاحبؒ نے ضروری سمجھا کہ وہ عام

مسلمانوں کو فرقہ وہابیہ کے توحید اور رسالت کے بارے میں رکھے جانے والے عقائد فاسدہ سے آگاہ کریں - اس ذیل میں وہ جو بیانات اور حوالہ جات پیش کرتے ہیں وہ فرقہ وہابیہ کے اکابرین ہی کی تصنیف کردہ کتب سے بمعہ ثبوت لئے گئے ہیں -

" توحید کے بارے میں عقائد وہابیہ " ع/

اس سلسلے میں حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ " واضح رہے کہ اس گروہ کا مایہ ناز مسئلہ " مسئلہ توحید " ہے جس کو یہ صرف اپنے فرقہ کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں اور باقی تمام لوگوں کو " مشرک فی التوحید " گردانتے ہیں - مگر خود ان کی توحید کا حال یہ ہے کہ " اللہ تعالیٰ کے لئے دروغ گوئی کو (نعوذ باللہ) ممکن کہتے ہیں اور اس کو مکان و جہت سے منزّہ جاننے کو بدعت و گمراہی قرار دیتے ہیں - (ملحضاً ایضاح الحق " اسمعیل صفحہ 24 - صیانتہ الایمان صفحہ 5 مولفہ شہود الحق شاگرد نذیرحسین و "براھین قاطعہ " مصدقہ رشید احمد گنگوہی صفحہ 2)

2 - " اللہ تعالیٰ کرسی پر پاؤں رکھ کر عرش پر بیٹھا ہے اور کرسی چر چر کر رہی ہے "- (وحید الزماں ، ترجمہ قرآن پاک ، درحاشیہ آیت الکرسی

3 - " اللہ تعالیٰ کی صفات اور علم تفصیلی حادث ہے " (اقامتہ البرہان از عبدالاحد غازی پوری اور ازاحتہ النصیب صفحہ 4)

4 - " زمین و آسمان کی خلقت سے قبل اللہ تعالیٰ ہوا میں رہتا تھا " (فتاویٰ محمدی صفحہ 2 سطر 23)

" رسالت کے بارے میں فرقہ وہابیہ کے عقائد " ع۲

اس ذیل میں حضرت آغا صاحبؒ فرقہ وہابیہ کے عقائد اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ عقائد فرقہ وہابیہ کے مطابق تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ

ا۔ایضاً -
الاصول الاربعہ ۔ ص۔ ۹ ــ ۱۰

1 - " حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم بڑے بھائی جتنی کرنی چاہئے۔ (تقویت الایمان صفحہ 60 سطر 2 - اور 3)

2 - " حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ نہیں ہیں بلکہ مر کر خاک ہو گئے ہیں " (تقویت الایمان۔ مولوی اسمعیل دہلوی)

3 - حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہد و مساجد ، کسی نبی یا ولی کی قبر اور دیگر بتوں کے لئے سفر کرنا شرک اکبر ہے " - (تقویت الایمان صفحہ 64۔ اور کتاب التوحید از محمد بن عبدالوہاب نجدی صفحہ 133)

4 - " حضور علیہ السلام کے علم غیب کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا ہے ، برا ہے (تقویت الایمان صفحہ 26)

5 - " انبیاء اور اولیاء کچھ طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی سنتے ہیں (تقویت الایمان صفحہ 22 - اور 29)

6 - " حضور علیہ السلام کی مثل کسی دوسرے نبی کا پیدا ہونا ممکن ہے (تقویت الایمان صفحہ 30)

7 - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علم غیب میں کیا خصوصیت ہے ؟ ایسا علم تو زید ، عمر ، بکر بلکہ ہر بچے اور دیوانے بلکہ تمام چوپاؤں اور حیوانوں کو بھی حاصل ہے - (حفظ الایمان ، مولفہ مولوی اشرف علی تھانوی صفحہ 7)

8 - حضور علیہ السلام کا علم ، ملک الموت اور شیطان سے کم ہے - جو کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ملک الموت اور شیطان سے زیادہ ہے اور نص سے ثابت ہے تو یہ شرک ہے - (براہین قاطعہ صفحہ 51)

9 - بوقت ضرورت پیغمبروں ، شہیدوں اور فرشتوں کو نداء کرنا شرک ہے - (تقویت الایمان صفحہ 5)

10 ۔ انبیاء اور اولیاء کو اپنا شفیع سمجھنا شرک ہے ۔ (تقویت الایمان صفحہ 5)

11 ۔ اس زمانے میں تمام لوگ کافر ہیں ۔ (تقویت الایمان صفحہ 25)

12 ۔ رامچندر ۔ کشن جی اور لچھمن وغیرہ تمام انبیاء تھے ، ان پر ایمان لانا واجب ہے ۔ (ہدیہ المہدی صفحہ 85 ۔ از وحید الزماں)

13 ۔ تقلید شخصی ، میلاد مبارک کا قیام ، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیأ للّٰہ کا وظیفہ ، تیجہ ، چالیسواں ، پیران پیر کی گیارھویں شریف اور حیلہ اسقاط تمام چیزیں شرک اور بدعت اور کفر ہیں ۔ (لوامع الانوار صفحہ 80 ۔ مولفہ مولوی غلام حسین ساھوالہ اور براھین قاطعہ صفحہ 48 و ستہ ضروریہ مع فتوٰی عبدالجبار امرتسری)

14 ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذرہ ناچیز سے بھی کمتر ہیں ۔ (تقویت الایمان صفحہ 24)

15 ۔ حضور علیہ السلام کے روضہ مبارک کے سامنے تعظیماً کھڑا ہونا شرک ہے ۔ (تقویت الایمان صفحہ 25)

16 ۔ جو کوئی کسی ولی اللہ کے مزار سے مدد چاہے ، کافر ، بے ایمان اور شیطان ہے ۔ (تذکرہ الاخوان صفحہ 154)

17 ۔ قادری ، نقشبندی ، چشتی اور سہروردی گمراہ خاندان ہیں ۔ تعویذ گنڈا اور مراقبہ کرنا شرک ہے ۔ (تذکرہ الاخوان صفحہ 7)

حضرت آغا صاحبؒ فرقہ وہابیہ کے مزکورہ بالا عقائد رسالت جو کہ نہایت گستاخانہ اور بیہودہ ہیں ، بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کے بعد فرقہ وہابیہ کے عملیات پر بھی نظر ڈالنی چاہئے تاکہ یہ گمراہ فرقہ بالکل سامنے آ جائے ۔

" عملیات و ھابیہ " ع/

1 - جو کوئی جماع کرے اور انزال نہ ھو تو بلا غسل اس کی نماز جائز ھے - (ھدایت القلوب صفحہ 7)

2 - غیر حقیقی خالہ کا نکاح ، جب کہ باپ ایک اور مائیں الگ الگ ھوں تو بھانجے کے ساتھ جائز ھے - (جامع الشواھد بحوالہ فتاوی عبدالقادر غیر مقلد شاگرد نذیر حسین)

3 - پوتے کے ساتھ دادی کا نکاح جائز ھے کیوں کہ اس کی حرمت پر کوئی نص نہیں - (پرچہ اھلحدیث نمبر45 ، 46 - ثناء اللہ امرتسری 4 رمضان 1328ھ)

4 - صحابہ کرام حدیث صریح سے انکار کرتے تھے اور اپنے فتوے پر عمل کرتے تھے - (فتاوی عبدالجبار غزنوی صفحہ 181)

5 - 10 (دس) عورتوں کو بیک وقت نکاح میں لانا جائز ھے - (عرف الجاری صفحہ 115)

6 - کتے اور خنزیر دونوں کا جھوٹا پاک ھے - (نصرالباری پارہ اول صفحہ 73 - حاشیہ)

7 - قرآن پاک کو بوقت ضرورت مقعد کے نیچے رکھنا اور اس کو پاؤں کے نیچے رکھ کر اس کے اوپر کھڑا ھوجانا ، تا کہ طعام وغیر تک ہاتھ پہنچ سکے جائز ھے - (کتاب تحریک اوراق صفحہ 5 - اور 6 تصنیف غلام علی - کلمتہ الفصیح صفحہ 32)

بقول مصنف یعنی حضرت آغا محمد حسن جان سرھندی صاحبؒ ، مندرجہ بالا حقائد و حوالہ جات ، مولوی احمد علی امیٹھوی کی تصنیف " اباطیل وھابیہ " اور مولانا نظام الدین ملتانی کی کتاب " سیف الابرار " سے منقول ھیں -

12-11-الاصل الالہ-ق

اسس مرحلے کے بعد حضرت مصنفؒ نے مزکورہ بالا عقائد فاسدہ اور عملیات باطلہ رکھنے والے گروہ کو منافقین میں شمار کیا ہے کیوں کہ ان کے قول اور جائزے کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک کے منافقوں کی تمام علامات اسس گروہ میں موجود ہیں ۔ اسس ضمن میں وہ قرآن پاک کی سورتہ بقرہ ، رکوع 2 کی چند آیات بیان فرماکر ان کو اسس گروہ باطلہ پر چسپاں کرتے ہیں ۔ مثلاً

ترجمہ آیت ۔ " یعنی جب ان کو کہا جاتا ہے کہ باقی لوگوں کی طرح سچائی سے ایمان لے آؤ تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم نادانوں اور بے عقلوں کی طرح ایمان لائیں ۔"

آغا صاحبؒ کے بقول یہ ہی حال آج کل کے وہابیوں کا ہے کہ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ اپنے عقائد باطلہ کو چھوڑ کر عام امت مرحومہ کے عقائد و اعمال کے مطابق درست اعتقاد اپناؤ تو کہتے ہیں کہ تم بے وقوف اور نادان ہو اللہ اور رسول کے قول کو چھوڑ کر زید ، عمر اور بکر کی باتوں پر عمل کرتے ہو ۔ ہم تو ہرگز تمہاری طرح ایمان نہیں لاتے ۔

آغا صاحبؒ ، قرآن پاک کی سورہ بقرہ کی ایک اور آیت بیان فرماتے ہیں کہ

ترجمہ آیت ۔ " یعنی جب (منافقین) مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (اخلاص کے ساتھ) ایمان لائے ہیں اور جب اپنے رفقاء اور سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو عقائد میں تمہارے ساتھ ہیں اظہار ایمان کرکے ہم تو مومنوں سے تمسخر کرتے ہیں ۔"

حضرت صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ ہی حال حنفی نما وہابیوں کا ہے کہ جب اصناف سے ملتے ہیں تو حنفیت کا دعوی کرتے ہیں اور جب وہابیہ سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھی ہیں ۔ وہ یہاں ایک نکتہ کی

وضاحت فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر کوئی غیر مقلد اس آیت کو مقلدین پر چسپاں کرنا چاہے تو یہ اس لئے درست نہ ہوگا کہ

1 ۔ منافقین مدینہ کا گروہ دوسرے مسلمانوں کے مقابلے میں قلیل تھا جیسے کہ گروہ وہابیہ ، فرقہ اہل سنت و الجماعت کے مقابلے میں قلیل ہے ۔

2 ۔ منافقین کی مزکورہ بالا یہ علامات مقلدین میں کبھی پیدا نہیں ہوتی کہ وہابیوں کے پاس جا کر ، خود کو ان کا ہم عقیدہ بنائیں اور مقلدین کے پاس آکر کہیں کہ ہم تو محض تمسخر کے طور پر خود کو وہابی ظاہر کرتے ہیں ۔ اس کے برخلاف ہزاروں وہابی ایسے ہیں جو کہ اصناف میں خود کو حنفی ظاہر کرتے ہیں ۔

مزکورہ بالا بیان اور وضاحتوں اور عقائد وہابیہ کی تشریح بیان کرنے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ کسی خاص فرقہ کو مخاطب کئے بغیر اجتماعی طور پر تمام امت مسلمہ سے انصاف کے طور پر سوال کرتے ہیں کہ از روئے ایمان یہ بتایا جائے کہ کیا یہ عقائد صحابہ و تابعین یا تبع تابعین میں سے کسی کے تھے کہ جن عقائد سے اللہ تعالیٰ کے لئے جہت ، مکان ، جسم اور عجز ثابت ہوتا ہے اور جن سے جناب رسالت پناہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور گستاخی ہوتی ہے اور اگر مزکورہ بالا اکابرین دین وملت کے یہ مفسدانہ ،گستاخانہ اور ہلاک کر دینے والے عقائد نہ تھے تو کیا ایسے عقائد رکھنے والوں کو اہل حدیث یا مسلمان کہا جا سکتا ہے ؟ چاہے ان کی ظاہری حالت کتنی ہی مشرح اور پاکیزہ نظر آتی ہو ۔ [1]

اس کے بعد وہ کتاب کے نفس مضمون یعنی اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہوئے رجوع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دراصل مقلدوں اور غیر مقلدوں یعنی فرقہ اہل سنت والجماعت اور فرقہ وہابیہ میں اصولی طور پر چار باتوں پر تنازعہ ہے یعنی اول تعظیم غیراللہ ، دوئم ارواح صلحاؒ سے توسل اور

الاصل الاالجر، ص - 18

استمداد - سوئم- ندأ غائب اور سماع موتی - چہارم آئمہ مذاہب اربعہ کی اتباع و تقلید -

فرقہ وہابیہ کے لوگوں کے نزدیک یہ چاروں - شرک - کفر اور بدعت ہیں جیسا کہ ان کی کتب کے حوالہ جات سے ظاہر ہے- اب یہ ہم مقلدین پر لازم ہے کہ ان چاروں امور مزکورہ کی اباحت ، تسنن اور وجوب پر قرآن و سنت سے دلائل قائم کریں اور مزید یہ کہ امت مرحومہ کے جمہور علما وسلف صالحین کے اقوال و افعال سے اس کو ثابت کریں -

1 - تعظیم غیر اللہ

اس ذیل میں وہ سب سے پہلے قرآن پاک سے غیر اللہ کی تعظیم کو جائز قرار دیتے ہیں یہ آیت بیان فرماتے ہیں کہ

" اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے تو یہ تعظیم تقوی اور پرہیز گاری سے ہے-" (ترجمہ پارہ 17 سورہ الحج - رکوع 4- آیت32)

پھر اسی آیت کے بعد وہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی " حجتہ اللہ البالغہ " کے صفحہ 49 سے نقل فرماتے ہیں کہ " اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں چار ہیں یعنی قرآن ، کعبہ ، نبی ، نماز - مزید حضرت شاہ ولی اللہ کی کتاب " الطاف القدس " کے صفحہ نمبر 30 سے نقل فرماتے ہیں کہ " شعائر اللہ سے محبت دراصل قرآن ، پیغبر اور کعبہ ، بلکہ جس چیز کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب ہو ، حتی کہ اولیاْ اللہ سے محبت کا نام ہے-" اس عبارت سے حضرت صاحب یہ نتیجہ اخذ فرماتے ہیں کہ " اولیاْ اللہ بھی شعائر اللہ میں داخل ہیں" مزید وہ امام وہابیہ مولوی اسماعیل کی کتاب " صراط مستقیم " کے باب اول سے نقل فرماتے ہیں کہ " منعم کی محبت کی فروع میں سے اس کے شعا ئر کی تعظیم بھی ہے یعنی ایسے امور جو کہ منعم کے ساتھ اس درجہ کی خصوصی نسبت رکھتے ہوں کہ اس مناسبت سے ذہن فوراً منعم کی طرف منتقل ہو جائے ، جیسے

منعم کا نام ، کلام ، لباس ، ہتھیار ، حتی کہ اس کی سواری اور مسکن تک کی تعظیم کرنا ، گویا اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا ہے" مولوی اسماعیل عبارت مزکورہ بالا کے بعد "صراط مستقیم" میں ایک رباعی بھی نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے طور پر لکھتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ " میں اپنی آنکھ پر ناز کرتا ہوں کہ اس نے تیرے جمال کی زیارت کی ہے اور اپنے پاؤں پر ناز کرتا ہوں کہ تیری گلی میں پہنچے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو اس لئے ہزاروں بار چومتا ہوں کہ تیرے دامن سے لگے ہیں -"

اس حوالے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ سب کچھ تعظیم غیر اللہ نہیں ہے جب کہ اس فرقہ وہابیہ کا امام خود یہ سب کچھ کہہ رہا ہے اور حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے والی چیزوں کی تعظیم کی تاکید کر رہا ہے تو پھر اس کے یہ بد بخت پیروکار کس کی پیروی کرتے ہوئے حضور رسالتمآب میں گستاخی کرتے ہیں اور آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منہدم کرتے ہیں - جب کہ رسول کی تعظیم خود خدا کی نشانیوں کی تعظیم ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے شعائر کی تعظیم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے -

اس سلسلے میں حضرت مصنفؒ نے ، تعظیم رسول کی تاکید کے ضمن میں یہاں پر قرآن کریم سے سورہ " حجرات " کا ترجمہ بھی پیش کیا ہے- جس میں مسلمانوں کو تنبیہہ کی گئی ہے کہ "وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اونچی آواز سے نہ بولیں جیسا کہ آپس میں اونچی آوازوں سے گفتگو کرتے ہیں - کہیں ایسا نہ ہو کہ اس غلطی کی وجہ سے ان کے اعمال ضائع ہو جائیں اور ان کو یعنی مسلمانوں کو اس بات کی خبر تک نہ ہو"- مزید یہ کہ جن لوگوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے دولت خانے یا آپ کے حجروں کے باہر سے آواز دے کر اپنی طرف بلایا تھا - ان کو بھی اس آیت میں سخت تنبیہہ کی گئی ہے

کہ" اگر وہ آپ کے باہر برآمد ہونے کا انتظار کر لیتے تو یہ ان بےعقلوں کے لئے بہتر تھا[؏]۔

مزکورہ بالا سورہ " حجرات " کے بیان کے بعد حضرت آغا صاحبؒ اس بات کی طرف مسلمانوں کی توجہ مرکوز فرماتے ہیں کہ غور کیا جائے کہ اس سورتہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر تعظیم و توقیر فرمائی اور مسلمانوں کو اس کے لئے تاکید کی ۔ یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اونچی آواز سے بولنے والوں کے کل اعمال تک ضائع ہوجانے کے امکان تک کی خبر دی ۔

حضرت مصنفؒ نے قرآن پاک سے تعظیم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا ثبوت بحوالہ سورتہ پارہ نمبر1 رکوع نمبر13۔ اورآیت نمبر104 پیش کیا ہے ۔ ترجمہ " اے ایمان والو " راعنا " نہ کہو بلکہ " انظرنا " کہو اور کافرین کے لئے درد ناک عذاب ہے ۔ "

مزکورہ بالا آیت کی تشریح یہ ہے کہ کفارو منافقین جب بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے تو زبان کو زرا سا موڑ کر اور بل دے کر " راعنا " کہتے جس کا مطلب " ہماری طرف دیکھئے " کے بجائے " ہمارے چرواہے " بن جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے کفار و منافقین کی اس عادت بد کو ختم فرمانے کے لئے حکم فرمایا کہ " راعنا " کے بجائے " انظرنا " کہا جائے تاکہ حضرت نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں کسی نقص اورکمی کا یا گستاخی کے احتمال کا اندیشہ ہی ختم ہو جائے ۔ اور پھر یہ بھی فرمایا کہ " کافروں کے لئے درد ناک عذاب ہے " یعنی جو اللہ کے احکامات سے کفر کرکے اس کے لئے درد ناک عذاب ہے ، آیۂ مزکورہ بالا میں صاف صاف طور پر وضاحت کے ساتھ تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم فرمایا گیا ہے ۔

ان امثال کو بیان کرنے کے بعد حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ

صاحب نے تعظیم غیر اللہ کے جواز میں مزید مثالیں پیش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا حوالہ دیا ہے کہ جس میں فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا - جس سے تعظیم غیر اللہ حکماً ثابت ہوتی ہے

قرآن حکیم سے حوالے اور جواز تعظیم غیر اللہ ثابت کرنے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ نے اپنی بات کی مزید تائید میں احادیث مبارکہ سے بھی تعظیم غیر اللہ کا وجوب ثابت کرتے ہوئے حضرت نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم بیان فرمایا ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بنی قریظہ کے فیصلے کے لئے تشریف لائے تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی جماعت سے فرمایا " اپنے سردار یا اپنے سے بہتر کے لئے کھڑے ہوجاؤ -" یہ امر واضح طور پر حضرت سعدؓ کی تعظیم کے لئے تھا اور اگر نبیؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود تعظیم سعدؓ نہ تھا تو صرف یہ فرما دینا ہی کافی ہوتا کہ " سعد کے لئے کھڑے ہو جاؤ " مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا اپنے سردار یا اپنے سے بہتر کے لئے کھڑے ہوجاؤ صریحاً تعظیم کا حکم دینا ہی تھا -

تعظیم غیر اللہ کے وجوب پر نصوص قرآنی و احادیث مبارکہ کو تائیداً پیش کرنے اور اس کو برحق ثابت کرنے کے بعد حضرت صاحبؒ اس دوسرے اختلافی مسئلہ یعنی " توسل اور استمداد " کی طرف متوجہ ہوئے ہیں کہ جو فرقہ اہل سنت والجماعت اور فرقہ وہابیہ میں ایک بڑا نزاعی مسئلہ ہے - اس ضمن میں وہ سب سے پہلے یہ بات ثابت کرتے ہیں - انتقال کے بعد بھی ارواح قوت سماعت رکھتی ہیں اور اس سلسلے میں وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم بیان فرماتے ہیں کہ جس میں تمام مسلمانوں کو قبرستان سے گزرتے وقت یا کسی مسلمان کی قبر سے گزرتے ہوئے سلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے - اگر ان مردوں کو شعور نہ ہوتا تو حضور ہمیں کبھی بھی محض جمادات کو مخاطب کرنے کا حکم نہ فرماتے -

الاصل الاربعہ - ص - 39

مزید برآں حضرت آغا صاحبؒ " غیر مقلدین " کے اپنے امام ابن قیم کی کتاب " الروح " سے حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابن قیم نے اپنی مزکورہ کتاب کے صفحہ نمبر5 پر لکھا ہے کہ " آثار متواترہ اور اجماع سلف سے ثابت ہے کہ مرے والے اپنے زائرین کو پہچانتے اور ان کی آواز سے خوش ہوتے ہیں -

مزید یہ کہ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ " جس سے حالت حیات میں استمداد کیا جا سکتا ہے - وصال کے بعد بھی کیا جا سکتا ہے "- طالبان حقیقت اور سالکان طریقت اپنے پیروں سے ان کی حیات میں اور ان کی ارواح سے بعد وصال تقرب الیٰ اللہ کے لئے مدد مانگتے ہیں اور تقرب الیٰ اللہ ، بزرگوں کی زندگی میں بھی اُن کی روحانی طاقت سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ جسمانی طاقت سے - اسی طرح مرنے کے بعد بھی روح برقرار بلکہ پہلے سے بھی زیادہ قوی ہو جاتی ہے -" ع /

یہاں پر حضرت صاحبؒ نے ایک نہایت اہم نکتہ اٹھا کر فرقہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ استمداد و توسل کی وضاحت فرمائی ہے کہ فرقہ اہل سنت والجماعت کا صحیح عقیدہ یہ ہے کہ " نہ تو کوئی زندہ اور نہ ہی کوئی مردہ مستقل حاجت روا ہے - اگر کوئی شخص دوا کو حقیقتاً مفید یا مضر سمجھتا ہے یا کسی حکیم کو اصلی شافی یا کسی بادشاہ کو مستقل رزاق یا کسی بزرگ کو ذاتی طور پر قاضی الحاجات سمجھتا ہے تو ایسا شخص ایسا ہی ملحد و مشرک جیسا کہ میت کو اصلی قاضی الحاجات سمجھنے والا - لیکن اگر کوئی شخص ہر معاملے کا فاعل حقیقی تو اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک کو جانتا اور مانتا ہے مگر دوا کو نفع و نقصان کا سبب - حکما کو ذرائع صحت امراء و سلاطین کو حصول رزق کا ذریعہ - انبیاء و اولیاء کو ان کی ظاہری زندگی میں اور ان کی روحوں کو وصال کے بعد مشکلات کے حل اور حاجت برآری کا وسیلہ سمجھتا ہے تو

62- ص- الاصل الا ابعہ

لا ریب ایسا شخص راسخ الاعتقاد مسلمان ہے۔

عقیدہ اہل سنت و الجماعت درباب توسل و استمداد بیان کرنے کے بعد حضرت صاحبؒ ، علامہ جزری کی کتاب " حصن حصین " سے توسل واستمداد کے بارے میں نابینا صحابی والی حدیث کو بہترین دلیل قرار دیتے ہیں ، کہ جب ایک نابینا صحابی نے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوکر بینائی کے لئے دعا مانگنے کی درخواست کی تو حضور علیہ السلام نے اس کو مندرجہ ذیل دعا مانگنے کا ارشاد فرمایا ۔

ترجمہ دعا ۔

" اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں ، تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے جو کہ نبیٔ رحمت ہیں ۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ، میں آپ کے وسیلہ جلیلہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی اس حاجت کے بارے میں متوجہ ہوتا ہوں ، تاکہ پوری ہوجائے ۔ اے اللہ انہیں میرا شفیع بنا دے ۔ "

ترمزی شریف میں اس روایت کو صحیح قرار دیا گیا ، نسائی و ابن ماجہ نے بھی اس کو روایت کیا ۔ حاکم نے " مستدرک " میں اس کی شرط شیخین پر تصیح کی ۔ بیقہی نے " دلائل " میں اور ابن حجر نے " جوہرمنظم " کی کتاب " الدعوات " میں اس کو اسناد صحیحہ کے ساتھ روایت کیا اور یہ اضافہ کیا کہ " جب وہ نابینا کھڑا ہوا تو اس کو بینائی حاصل ہو چکی تھی "۔

اسی ضمن میں حضرت آغا صاحبؒ نے دیگر مقامات استجاب الدعا کے بارے میں بھی کئی معتبر روایات بیان کی ہیں مثلاً حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر کھڑے ہوکر ان کے وسیلے سے خداوند کریم سے بارش کی دعا کرنا اور اس دعا کا قبول ہونا ، حضرت امام موسیٰ کاظم

رضی اللہ تعالیٰ عنہہ کی قبر کا قبول دعا کے لئے تریاق اور انتہائی زود اثر ہونا ۔ اور حضرت معروف کرخیؒ کی قبر پر کی جانے والے کی دعا کا حصول شفا کے لئے تریاق ہونا ۔ وغیرہ ۔ ع/

مزکورہ بالا امثال و روایات معتبرہ کو بیان کرنے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ دوبارہ اپنے اصل موضوع اور نفس مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں اور مسئلہ زیر بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ منکرین سماع موتیٰ ، قرآن کریم کی سورتہ نمل پارہ 20 آیت نمبر 80 کو بطور ثبوت اور استدلال پیش کرتے ہیں جس کا ترجمہ ہے کہ " آپ بے شک مردوں کو نہیں سنا سکتے اس کے علاوہ قرآن پاک ہی کی سورتہ فاطرع پارہ 22 آیت نمبر22 کو بھی بطور ثبوت پیش کرتے ہیں جس کا ترجمہ ہے کہ " اور تم نہیں سنانے والے انہیں جو قبروں میں ہیں " ۔ اس کے علاوہ منکرین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول سے بھی دلیل لاتے ہیں کہ جس میں قلیب بدر کے مردوں کے سماع کا انکار ہے ۔ اور مزید دلیل وہ حلف کے باب میں فقہا کے قول سے پیش کرتے ہیں کہ اگر کوئی کسی کو کہے کہ میں تیرے ساتھ بات نہیں کروں گا ، تو مرنے کے بعد بات کرنے سے حانث نہیں ہوگا ۔ دراصل یہ ہی وہ تین دلیل کے پہلو ہیں جن پر منکرین نے اپنے انکار کی بناء رکھی ہے ۔

حضرت مصنفؒ نے ان مزکورہ بالا دلائل کو نہایت دلنشیں اور مدبرانہ انداز میں غلط ثابت کیا ہے اور بالترتیب ان سب کا رد کیا ہے ۔ مثال کے طور پر پہلے اعتراض کو جو کہ آیت قرآنی سے محکم کیا گیا ہے رد کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ " قرآن پاک میں یہ کہیں نہیں آیا کہ " مردے نہیں سنتے " تاکہ اس سے منکرین کا استدلال درست مانا جاتا بلکہ قرآن پاک کی ان آیات شریفہ میں " اموات " کا جو لفظ آیا ہے اس سے حقیقی مردے مراد نہیں بلکہ "کفار" مراد ہیں ، مجازی طور پر اور یہ تشبیہہ مردوں کو کفار کے ساتھ عدم اجابت

الاصل لاالبہ۔ پی۔ ٹی

کے لئے دی گئی ہے نہ کہ عدم سماع کے لئے - کیونکہ کفار سننے کی طاقت تو ضرور رکھتے تھے مگر وہ مانتے نہ تھے - اس کے علاوہ قرآن پاک کی آیت میں آیا ہے کہ " کفار بہرے ، گونگے اور اندھے ہیں " ترجمہ سورتہ بقرہ - پارہ رکوع 20 - لیکن کسی اہل علم نے یہ نہیں کہا کہ کفار حقیقتاً بہرے گونگے اور اندھے تھے - بلکہ یہاں پر کفار کو مجازی طور پر بہرا ، گونگا اور اندھا کہا گیا ہے -

اس وضاحت اور تشریح کے حق ہونے کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ نماز میں کہا جاتا ہے " سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ " یعنی اللّٰہ اپنے حمد کرنے والوں کی بات سنتا ہے - واضح ہو کہ یہاں پر سننے کا مطلب مطلقاً سننا نہیں بلکہ قبول کرنا ہے کیونکہ اللّٰہ تعالیٰ تو حمد کرنے والوں اور نہ کرنے والوں ، سب کی بات سنتا ہے پس لازم ہوا کہ یہاں سننا مجازی طور پر قبول کرنے کے معنوں میں لیا جائے -

منکرین سماع موتیٰ کے دوسرے استدلال یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کی دلیل کے مقابلے میں حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اول تو ایک صحابی کا قول نص قرآنی کے مقابلے میں دلیل و حجت نہیں بن سکتا - مزید یہ کہ قصہ بدر میں حضرت عمرؓ کو آنحضرت حضور نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی قدر ہے کہ " تم ان مردوں سے زیادہ نہیں سنتے " اور پھر صحیح مسلم شریف میں آیا ہے کہ " مردہ زائر کے جوتوں کی آواز سنتا ہے "

واضح رہے کہ وہابیوں کے پیشوا یعنی ابن تیمیہ - ابن قیم ، ابن عبدالہاد اور قاضی شوکانی و غیرہم مزکورہ بالا احادیث کو درست قرار دیتے ہوئے سماع موتیٰ کے قائل ہوگئے - بحوالہ کتاب " الروح " از ابن قیم صفحہ 71

اس کے علاوہ دوسرا ثبوت حضرت آغا صاحبؒ نے ، سماع موتیٰ کے حق ہونے کی تائید میں حضرت نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے اس حکم سے

پیش کیا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہر امتی کو قبرستان سے گزرتے ہوئے مردوں کو یعنی مسلمان قبرستانوں کے مردوں کو " اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلِ الدِّیَارِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ " کہنے کا حکم فرمایا ہے ۔ ظاہر ہے کہ اگر سماع موتیٰ برحق نہ ہوتا تو آنحضرت علیہ السلام اپنی امت کو ایسا کوئی بے فائدہ حکم نہ فرماتے ۔

مزکورہ بالا مسئلہ سماع موتیٰ کے برحق ہونے کی تائید کما حقہ بمع دلائل قرآنی اور احادیث نبوی کو دینے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ نے ایک اور نہایت اہم اور بنیادی مسئلہ کی طرف توجہ فرمائی ہے جو کہ فرقہ وہابیہ اور فرقہ اہل سنت و الجماعت میں وجہ نزاع و اختلاف بنا ہوا ہے اور جس کو نہ ماننے کی وجہ سے فرقہ وہابیہ کئی سنگین غلط فہمیوں کا شکار اور مسلک اہل سنت و الجماعت و سواد اعظم سے دور ہے ۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ آغا صاحبؒ نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ قرآن پاک میں مسئلہ حقیقت و مجاز ایک اہم اور مستقل مسئلہ ہے ، جب کہ فرقہ وہابیہ مجازی معنی اور استعارات کو تسلیم نہیں کرتے اور اگر کسی فعل کی نسبت مجازی کسی شخص کی طرف کی جائے تو ایسے مواقع پر فوراً کفر و شرک کا فتوی لگا دیتے ہیں ۔ آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ ان کی یعنی فرقہ وہابیہ و نجدی کی سراسر غلط فہمی اور حقیقت سے اغماز کی وجہ سے ہے ۔ کیونکہ یہ مسئلہ حقیقت و مجاز تو خود قرآن پاک سے ثابت ہے ۔ اس ضمن میں وہ قرآن پاک کی مختلف آیات بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ مثلا

1 ۔ ترجمہ آیت نمبر 65۔ رکوع 9 ۔ پارہ نمبر 5 سورتہ النساء
" تمہارے رب کی قسم وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے ۔ جب تک اپنے آپس کے جھگڑوں میں آپ کو حاکم نہ بنائیں ۔ "

اب سب یہ بات جانتے اور مانتے ھیں کہ فی الحقیقت حاکم اصلی توصرف ذات خداوندی ھی ھے اور یہاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کومجازاً حاکم کہا گیا ھے -

2 - ترجمہ - آیت نمبر6 5- پارہ نمبر11 سورتہ یونس - رکوع نمبر6

" وھی زندہ کرتا ھے اور مارتا ھے- "

اللہ تعالیٰ جانداروں کو وفات دیتا ھے -

پارہ 24 سورتہ الز مر - رکوع نمبر5 آیت46

مزکورہ بالا آیات کے بعد فرمایا گیا کہ

ترجمہ - تم کہو کہ تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ھے جو تم پر مقرر ھے -

یہاں پر ملک الموت کو مجازی طور پر وفات دینے والا کہا گیا ھے حالانکہ اصلی وفات دینے والا اللہ ھے - جیسا کہ وضاحت بھی پہلے کی گئی ھے - اسی طرح سب جانتے ھیں کہ اب حقیقی تو صرف ذات الٰھی ھی ھے لیکن مجازی طور پر ملاحظہ کیا جائے کہ

ترجمہ - اپنے رب کے پاس میرا ذکر کرنا -

پارہ نمبر12 سورتہ یوسف رکوع 5- آیت 42

یہاں حاکم یا بادشاہ کو مجازی طور پر رب کہا گیا ھے -

اس کے بعد حضرت آغا صاحبؒ فرقہ اہل سنت والجماعت وفرقہ وھابیہ کے درمیان ایک اور اختلافی مسئلہ یعنی " ندأ غائب " کے ذیل میں فرقہ وھابیہ کا عقیدہ واضح کرتے ھوئے فرماتے ھیں کہ اس فرقہ کی رو سے منادی کو حاضر جان کر ندا کرنا شرک اکبر ھے چاھے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو ھی کیوں نہ ندا کی جائے -

حضرت صاحبؒ اس مسئلہ کو حل کرتے ھوئے فرقہ وھابیہ سے وضاحتاً سوال کرتے ھیں کہ اگر غائب سے اس فرقہ کی مراد غائب عن نظر ھے تو ذات

خداوندی بھی نظروں سے غائب ہے - مخلوق اس جہاں میں اس کے دیدار کی طاقت نہیں رکھتی اور اگر غائب سے اس فرقہ کی مراد " معدوم " ہے تو پھر ارواح انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام علیہم کہاں معدوم ہیں - ان کی حیات وجود ، تصرف ، شعور اور ادراک تو ہم ثابت کر چکے ہیں -

زیر تبصرہ کتاب " الاصول الاربعہ " کے آئندہ باب میں حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ نے آئمہ مذاہب اربعہ کی ابتاع و تقلید کے بارے میں نہایت سیر حاصل و مفید بحث فرمائی ہے اور اس سلسلے میں ان علماء مجتہدین کی اطاعت کے واجب ہونے کے بارے میں ثبوت قرآنی ، احادیث نبوی اور ارشادات مفسرین اس قدر مدلل انداز و بھرپور تائید کے ساتھ پیش کئے ہیں کہ ان سے انکار ممکن نہیں - اس ذیل میں انہوں نے خیرالقرون میں حالت فقہ کے سلسلے میں بھی کچھ بیان فرمایا ہے مثلا یہ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین امور جہاد اور ترقی اسلام میں بے پناہ مشغول ہونے کی وجہ سے تفسیر و حدیث کی کتب مدون کرنے کی طرف وقت نہ دے سکے اور نہ ہی درحقیقت ان کو ایسی کتب کی اس وقت کچھ ضرورت تھی ، کیونکہ اس بابرکت دور میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات و با برکات کے انوار قدسی کی روشنی میں وہ سب کے سب بہ طیب خاطر صراط مستقیم پر گامزن تھے -

لیکن جب بہ ارادہ خداوندی دور خیرالقرون اختتام کو پہنچا توامت میں بہت سے اختلافی علمی مسائل پیدا ہوگئے ، لوگ ایک دوسرے کے خلاف صحابہ کرام کے اقوال نقل کرتے اور ان پر عمل کرتے تھے یہاں پہنچ کر اہل حق کو مسائل دینی کی صحت اور تقلید میں نہایت درجہ الجھن کا سامنا کرنا پڑا - اس مسئلے کو خداوند کریم نے اپنے فضل و احسان سے اس طرح حل فرمایا کہ اس امت مرحومہ میں چار نہایت بزرگ اور جلیل القدر علمائے ربانی

پیدا فرمائے جو کہ مسائل کے استنباط کی طاقت اور غایت درجہ اہلیت رکھتے تھے۔ ان ہی بزرگان دین کی وجہ سے یہ ممکن ہو سکا کہ یہ امت گمراہی کے گڑھوں سے محفوظ رہی اور راہ ہدایت پر دوبارہ گامزن ہو گی۔

اس کے بعد وجوب تقلید کی حمایت میں حضرت آغا صاحبؒ قرآن پاک کی سورہ نساء۔ رکوع 8۔ آیت نمبر 59 کا ترجمہ پیش کرتے ہیں کہ

" اے ایمان والو۔ حکم مانو اللہ کا ، حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں سے اولو الامر ہیں۔" ع/

حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اولوالامر سے مراد امت کے مجتہدین ہیں اور مجتہدین یہی چار بزرگ ہیں کیوں کہ اُولُوالاَمر سے مراد وہ حضرات ہیں جو کہ نصوص قرآنی سے احکام کے استنباط کی قابلیت رکھتے ہوں۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں حضرت آغا صاحبؒ دوبارہ سورہ نساء کے رکوع نمبر 11۔ آیت نمبر 83۔ کا ترجمہ پیش کرتے ہیں کہ

" اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو یہ ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے ، یہ بعد میں کاوش کرتے ہیں"

اُوْلُوالاَمر کی زیادہ تفصیل اور وضاحت کے ساتھ شرح کرتے ہوئے حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ " اگر اولو الامر سے حکام وقت مراد لئے جائیں تو پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا حاکم وقت صاحب علم وامانت ہے یا نہیں ؟ اور نصوص قرآنی سے استنباط کا ملکہ رکھتا ہے یا نہیں ؟ اور یہ بھی کہ اگر حاکم وقت فاسق ، جاہل یا کافر ہے اور احکام خدا وندی کے برعکس فیصلہ دیتا ہے تو اس کی اطاعت واجب نہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ " خالق کی نا فرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔"

وجوب تقلید پر دوسری دلیل بھی حضرت آغا صاحبؒ قرآن پاک ہی سے پیش کرتے ہیں ، جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے " جس دن ہر

الفصل الرابع ۔ ص ۔ 150

جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلایا جائے گا ۔"

مزکورہ بالا آیت کی تفسیر میں اگر آغا صاحبؒ کی بات کو تسلیم کیا جائے تو یہاں پر ان کے بقول امام سے مراد نبی اور دیگر دینی پیشوا ہیں ۔

ایک اور آیت قرآنی کا ترجمہ حضرت صاحبؒ اپنے دعوے کی حمایت یعنی وجود تقلید کے ثبات میں پیش کرتے ہیں کہ " اگر تم احکام دین کو نہیں جانتے ، تو اہل ذکر و دانش سے دریافت کرلو " (سورہ نحل ۔ پارہ 14 رکوع 6 ۔ آیت 43 ۔)

اسی ذیل میں حضرت آغا صاحبؒ سورہ انعام پارہ 3 ۔ رکوع 10 کی آیت نمبر 91 کا ترجمہ پیش کرتے ہیں کہ " یہ ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ نے ہدایت دی ، تو تم ان کی راہ پر چلو "۔

اس کے بعد حضرت آغا صاحبؒ نے ایک بہت اہم سوال خود ہی قائم کرکے اس کا شافی جواب بھی بتایا ہے ۔ یہ وہ سوال ہے جو کہ غیرمقلدین فرقہ اہل سنت والجماعت سے کر سکتے ہیں ، کہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ غیر مقلدینوں کے فرقوں میں بھی تو وہابیہ ۔ مرزائیہ اور نیچریہ وغیرہ جماعتیں مومنین کی ہیں تو ان ہی کی اتباع کیوں کافی نہیں ہے ؟ ۔

آغا صاحب اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ غیر مقلدوں کے یہ فرقے شریعت کے چار اصولوں میں سے دو کو مانتے ہیں اور دو کا انکارکرتے ہیں ، اس لئے یہ فرقے سواد اعظم یعنی فرقہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں لہذا دوزخ سے نجات پانے کے لئے غیر مقلدین کی مزکورہ بالا جماعتوں کا اتباع ہرگز کافی نہیں ہے ۔

اس سوال کے علاوہ حضرت آغا صاحبؒ غیر مقلدین کے ایک اور سوال کا جواب باصواب نہایت مدلل اور منتقی طور پر انتہائی عالمانہ انداز میں اس طرح دیتے ہیں کہ مقلدین سے غیر مقلدین یہ سوال کرتے ہیں کہ " ٹھیک ہے

مزکورہ بالا چار آئمہ مجتہدین دین متین کو ہم اُوْلُوالاَمْر تسلیم کرتے ہیں ، لیکن اس میں تقلید شخصی کا سوال کہاں سے آگیا ؟ " ۔

حضرت آغا صاحبؒ اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ایک سے زیادہ آئمہ دین کی تقلید نا ممکن ہے کیونکہ فروعی احکامات میں ان مجتہدین کے درمیان اختلافات موجود ہیں ، ایک ہی فعل کو ایک امام واجب کہتے ہیں تو اسی فعل کو دوسرے امام حرام قرار دیتے ہیں ۔ مثال کے طور پر اخراج دم حضرت امام اعظم ، ابو حنیفہؓ کے نزدیک ناقص وضو ہے ، لیکن حضرت امام شافعی کے نزدیک ناقص نہیں ۔ اسی طرح عورت کو مس کرنا امام شافعیؒ کے نزدیک ناقص وضو ہے لیکن حضرت امام اعظم کے نزدیک نہیں ۔ اسی طرح حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کے ساتھ بھی کئی مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے ۔ اس صورتحال کے پیش نظر منتقی طور پر اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ ان چاروں میں سے کسی بھی ایک امام کی مکمل تقلید کی جائے اور یہ ہی تقلید شخصی ہے ۔ اور اگر غیر مقلدین کہیں کہ ہم بعض امور میں ایک امام کی تقلید کریں اور بعض میں دوسرے امام کی تو کیا مضائقہ ہے ؟ اس اعتراض کے جواب میں حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ طرز تقلید " تلاعب فی الدین " ہے جو کہ حرام و ممنوع ہے ۔ اور اسی ذیل میں حضرت آغا صاحبؒ تلاعب فی الدین" کی مخالفت اور اس کے رد میں ایک حدیث شریف بھی بیان فرماتے ہیں ۔ ترجمہ " منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان کبھی ایک کی طرف جاتی ہے اور کبھی دوسرے کی طرف ۔ (مسلم شریف)

اسی ذیل میں آغا صاحبؒ "تلاعب فی الدین" کی مزمت میں حضرت آغا صاحبؒ ایک اور حدیث شریف کا ترجمہ پیش کرتے ہیں کہ " لوگوں میں سے بدترین وہ ہے جو دو رخی اختیار کرتا ہے ، ایک کے ساتھ کسی اور طریقے سے پیش

آتا ہے اور دوسرے کے ساتھ کسی اور طریقے سے ۔ "

تقلید شخصی کے وجوب اور صرف کسی ایک ہی امام کی مکمل طور پر تقلید کرنے کو از بس ضروری اور لازمی ثابت کرنے کے بعد حضرت آغا صاحب تقلید شخصی کے سلسلہ گفتگو کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے ایک نہایت اہم شرعی نکتہ بیان کرتے ہیں کہ

" عمل کے بعد کسی امام کی تقلید سے پھرجانا بالاتفاق ممنوع ہے "

اس ضمن میں اور مزکورہ بالا نکتہ کی حمایت میں حضرت آغا صاحب نے مستند علمائے دین کے اقوال نقل کئے ہیں جو کہ ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں ۔

1 ۔ "عالمگیری" اور "جواہرالاخلاطی" میں مزکور ہے کہ " اگر کوئی حنفی مذہب سے شافعی مذہب کی طرف منتقل ہوجائے تو اس پر تعزیر ہے۔

2 ۔ علامہ حموی " شرح اشباہ " میں " فتح القدیر" کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ علمائے احناف کے مطابق " اگر کوئی اجتہاد و برہان کے ساتھ ایک امام کے مذہب سے دوسرے امام کے مذہب کی طرف منتقل ہو جائے تو تعزیر کا مستحق ہے ۔ لہذا اگر کوئی بلا اجتہاد و بلا دلیل ایسا کرے گا تو وہ بدرجہ اولیٰ تعزیر کا مستحق ہوگا *

3 ۔ قہستانی نے " نقایہ شرح ہدایہ " کی کتاب " القضاء " میں حضرت امام ابوبکررازیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ " اگرکوئی دانستہ اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرے تو بالاتفاق ناجائز ہے۔ "

---

* واضح رہے کہ یہاں پرمذہب تبدیل کرنے کی مذمت اس وقت کی گئی ہے جب کہ اس میں ذاتی منفعت اور مفاد پرستی شامل ہو ۔ اس کے علاوہ بھی انتقال مذہب ناجائز اور نا مستحسن بالاتفاق ہے۔
(تبصرہ نگار)

4 - ملا علی قاری " شرح عین العلم" میں تحریر فرماتے ھیں کہ " جب کوئی کسی مذھب کو لازم پکڑے تو اب کسی مسئلہ میں بھی اس کے غیر کی تقلید نہیں کر سکتا ، مثلا حنفی سے شافعی یا شافعی سے حنفی "۔

5 - حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ " عقد الجید " میں لکھتے ھیں کہ " جب تک کسی میں اجتہاد کی تمام شرائط نہ پائی جائیں ، اس کے لئے اپنے مذھب کے خلاف کسی حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں ، کیوں کہ اس کو کیا معلوم کہ وہ حدیث منسوخ ھے ، مودل ھے یا محکم ھے "

" تلاعب فی الدین " کی مزمت میں مندرجہ بالا علمائے دین کے احکام فتاویٰ اور خیالات پیش کرنے کے بعد حضرت آغا صاحب کا اس کتاب یعنی " الاصول اربعہ فی تردید الوھابیہ " کا نفس مضمون اور مقصد تو پورا ھو جاتا ھے ، لیکن اس کے باوجود وہ اس کتاب کو مزید آگے لے گئے ھیں اور اپنے حنفی المذھب ھونے کی محبت اور رعایت سے انھوں نے اس کتاب میں خاص طور پر امام اعظم ابو حنیفہ حضرت نعمان بن ثابتؒ کے بارے میں کچھ تفصیل دی ھے جس میں حضرت امام اعظمؒ کے محاسن و مناقب ، ان کی زندگی کے خاص خاص حالات و واقعات ، ان کے اساتذہ کرام ، ان کے تلامذہ اور چاروں مذاھب میں سے بقیہ تین مذاھب پر مذھب حنفیہ کو ترجیح دینے کا سبب اور اس کا کثیر الاشاعت ھونا بیان فرمایا ھے - ع ا

مزید برآں انھوں نے حضرت امام اعظمؒ کے مخالفین کے اعتراضات و سوالات ، مثال کے طور پر یہ کہ حضرت امام اعظم صاحبؒ الرائے تھے ، اس قسم کے اعتراضات کے مدلل ، شافی اور اطمینان بخش جوابات دئے ھیں اور یہ ثابت کیا ھے کہ حضرت امام اعظم قرآن ، حدیث اور اجماع کے آگے اپنی رائے کو ھر گز سند یا قول فیصل کی حیثیت نہ دیتے تھے -

اس باب کی تکمیل کے بعد حضرت آغا صاحبؒ نے یہ نکتہ اٹھاتے ھوئے

الاصول الاربعہ - ص - 298

کہ " وہابی مقلدین کو کافر اور مشرک سمجھتے ہیں " " فرقہ وہابیہ کے دونوں گروہوں یعنی " بظاہر احناف و باباطن وہابی " اور دوسرے گروہ یعنی ظاہر و باطن یا صاف صاف وہابیوں سے تخاطب کرتے ہوئے پہلے فرقہ اول یعنی بظاہر احناف و باباطن وہابی سے سوال کیا ہے کہ " تم پہلے فرقہ غیر مقلدین یعنی وہابئ ظاہر و باطن کو بالحاظ عقائد و اعمال اچھا سمجھتے ہو یا برا ؟ - پھر خود ہی اس سوال کو حل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ " اگر تم ان کو اچھا سمجھتے ہو تو پھر بمطاق حدیث " المرمع من احب " ترجمہ (ہر شخص اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے اس کو محبت ہوتی ہے) تم بھی ان ہی کا حصہ ہوئے - لہذا اس طور پر تمہارا دعویٰ حنفیت سراسر منافقت پر مبنی ہے اور اس طرح جو آیت کریمہ ، کفار و منافقین کے بارے میں اس کتاب کی ابتداء میں بیان کی گئی ہیں وہ ہو بہو تمہارے اوپر صادق آتی ہیں اور اگر تم ان کے عقائد و اعمال کو برا سمجھتے ہو تو پھر تم میں سے کسی فرد نے ان کے رد میں کوئی کتاب یا رسالہ لکھا ہے کہ نہیں ؟ اور اگر لکھا ہے تو وہ کہاں ہے ؟ کیا ہے ؟ اور اس کے مصنف کا کیا نام ہے ؟ اور اگر نہیں لکھا ، تو تمہاری غیرت ایمانی اور حمیت دینی کہاں ہے ؟ "-

پھر وہابیوں کے پہلے فرقے یعنی غیر مقلدوں سے سوال کیا ہے کہ

" تم اپنے پیشواوں یعنی قاضی شوکانی ، اسماعیل دہلوی اور صدیق حسن بھوپالی کی پیروی اور تقلید کرتے ہو یا نہیں ؟ ، اگر کرتے ہو تو پھر تم بھی مقلد ہوئے ، فرق صرف یہ ہے کہ ہم یعنی فرقہ اہل سنت والجماعت حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضہ کے مقلد ہیں اور تم شوکانی وغیرہ کے - اور مزید یہ کہ جس شرک و کفر کی نسبت تم مقلدین مذاہب کی طرف کرتے ہو تم خود بھی اس کی زد میں ہو ، اور اگر تم ان کی پیروی نہیں کرتے تو پھر جس طرح تم نے حضرت امام ابو حنیفہ رضہ پر جرح کرتے ہوئے تم نے اس ذیل

میں " الجرح علیٰ ابی حنیفه " وغیرہ جیسی کتابیں لکھی ھیں ، کیا ایسی ھی کوئی کتاب شوکانی اور اسماعیل دھلوی وغیرہ پر بھی جرح کرتے ھوئے لکھی ھے ؟ اگر لکھی ھے تو کونسی ھے ؟ اور نہیں لکھی تو اس کی وجه کیا ھے ؟

آغا صاحب اس سلسله سوال کو مزید آگے بڑھاتے ھوئے فرماتے ھیں که " اگر یه لوگ کہیں که ھم تو حضرت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کی احادیث کے پیروکار ھیں تو پھر ان سے یه پوچھنا چاھئے که " کیا تمھیں حضرت محمد مصطفیٰ رسول کریم صلی اللّٰه علیه وسلم کی صحبت مبارکه نصیب ھوئی ؟ اور کیا تم نے ان کی احادیث شریفه کو خود سنا ھے ؟ اور اگر نہیں تو پھر تمھارے پاس یه احادیث کس نے پہنچائیں ؟ " اگر یه کہیں که مصنفین "صحاح سته " نے یه احادیث کریمه نقل کی ھیں - تو پھر ان سے یه پوچھنا چاھئے که مزکورہ بالا مصنفین صحاح سته ثقه و معتبر ھیں که نہیں ، اگر یه جواب دیں که بزرگان دین مثلا حضرت امام بخاریؒ ، امام مسلمؒ ، ابن جوزیؒ ، امام ترمذیؒ ، یحییٰ بن معینؒ ، حاکمؒ اور علامه جلال الدین سیوطیؒ وغیرھم کا انھیں ثقه لکھنا ھی ان کے ثقه ھونے کی کافی دلیل ھے ، تو ھم کہیں گے " که یه ھی تو تقلید شخصی ھے ، کیوں که تقلید کہتے ھیں کسی شخص کے قول کو بلا مطالبه دلیل قبول کرنے کو - افسوس تمھارے اپنے ھی ھاتھوں کی پیدا کردہ آفت تمھارے سامنے آگئی که " تقلید تو کفر و شرک اور بدعت ھے " - ع ا

مزکورہ بالا سوالات اور ان کے مسکت جوابات دینے کے بعد کتاب کے آخری حصے میں حضرت آغا صاحبؒ نے تین نہایت اھم احادیث فرقه اھل سنت و الجماعت کے برحق ھونے کے ثبوت میں بطور دلیل مبین اور ناقابل تردید اور ناقابل رد دعویٰ کے طور پر پیش کی ھیں - سب سے پہلی حدیث یه ھے که حضور اکرم صلی اللّٰه علیه وسلم نے ارشاد فرمایا که

" میری امت پر بالکل ایسے ھی حالات آئیں گے جیسے بنی اسرائیل

برآئے - جس طرح جوتی کی جوتی سے برابری ھوتی - یہاں تک کہ اگر
ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے اعلانیہ طور پر زنا کیا ھوگا ، تو میری
امت میں بھی کوئی ایسا ھوگا جو یہ کام کرے گا - بے شک بنی اسرائیل بہتر
(72) فرقوں میں تقسیم ھوئے تھے اور میری امت تہتر (73) فرقوں میں بٹ
جائے گی ان میں سے صرف ایک جنتی ھوگا باقی سب دوزخی ھونگے لوگوں
نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ایک جنتی فرقہ کونسا ھوگا
تو فرمایا کہ جس پر میں اور میرے اصحاب ھیں - "

آغا صاحب اس حدیث کی مزید تشریح اور وضاحت کرتے ھوئے بیان
فرماتے ھیں کہ

پہلی بات تو یہ ھے کہ علمائے کلام نے یہ ثابت کیا ھے کہ دراصل
فرقہ اھل سنت والجماعت ھی فرقہ ناجیہ ھے جو کہ مقلدین مذاھب اربعہ ھیں

دوسری بات یہ ھے کہ اس دعویٰ کی دلیل و حمایت کے لئے اگر
مزکورہ بالا حدیث کو دیکھا جائے تو اس میں بھی لفظ " جماعت " شامل ھے
بروایت احمد داود اور یہ بات سب ھی جانتے ھیں کہ لفظ " جماعت " فرقہ
اھل سنت والجماعت میں ھی شامل ھے کسی اور فرقہ میں نہیں - اس سلسلے
میں حضرت آغا صاحب مزید ایک اور حدیث بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ
تعالیٰ عنہما ، بیان فرماتے ھیں کہ جس میں مزید لفظ " جماعت " استعمال
فرمایا گیا ھے یعنی

" جو جماعت سے علیحدہ ھوا اور مرگیا تو وہ جاھلیت کی موت مرا (بخاری)

دوسری اہم حدیث آغا صاحبؒ فرقہ اھل سنت والجماعت کے ناجی اور
برحق ھونے کے ثبوت میں یہ لائے ھیں کہ فرمایا حضرت رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے کہ " یقیناً دین غریب ھی شروع ھوا ، اور جیسا شروع ھوا
ویسا ھی لوٹے گا - لہذا غرباء کو خوشخبری ھو - "

حضرت آغا صاحبؒ اس حدیث کو بھی فرقہ اہل سنت و الجماعت کی حمایت میں اور اس فرقہ کے " ناجی " اور برحق ہونے کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں اور اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ " صرف فرقہ اہل سنت و الجماعت ہی اس دور میں فرقہ غرباء ہے اور اگر دیگر فرقہ مثلاً شیعہ، خارجی وہابیہ، نیچریہ اور مرزائیہ وغیرہ اس زمانے میں بالحاظ دنیاوی روز بہ روز ترقی پزیر ہیں - پس معلوم ہوا کہ اسلام درحقیقت اسی فرقہ اہل سنت والجماعت کا نام ہے کہ اس نے غربت سے ترقی کی اور اب پھر ترقی سے غربت کی طرف رواں ہے - " آغا صاحب اس حدیث کے ذیل میں مزید فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ حدیث شریف میں اسلام کا لفظ استعمال ہوا ہے جو کہ کفر کے مقابل استعمال ہوتا ہے، لہذا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اسلامی حکومت و اقتدار ضعف سے ترقی اور پھر ترقی سے ضعف کی طرف رجوع کرے گا تو پھر میں یہ کہوں گا کہ اسلامی حکومتوں کے حاکم جو ہوئے ہیں کیا وہ وہابی، مرزائی، غیر مقلد، نیچری یا نجدی تھے ؟ وہ بھی تو مقلدین مذاہب میں سے تھے، لہذا ان کا کفار کے مقابلے میں ضعف جماعت مقلدین کا ہی ضعف ہوا

اس سلسلے میں تیسری اہم حدیث جو آغا صاحبؒ نے بیان فرمائی ہے وہ حضرت انس بن مالک رح سے روایت ہے کہ " ایک شخص نے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کیا " کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب قائم ہوگی ؟ " حضور علیہ الصلواتہ والسلام نماز کے لئے اٹھے جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ " قیامت کے متعلق سوال کرنے والا کہاں ہے ؟ " اس شخص نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں - آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " تو نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے " ؟ اس نے عرض کیا کہ " یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے قیامت کے لئے زیادہ نمازوں اور روزوں کی تیاری تو نہیں کی مگر میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

علیه وسلم سے محبت کرتا ہوں -" تو یہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ " ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا ، اور تو بھی اسی کے ساتھ ہوگا ، جس کے ساتھ تو محبت کرتا ہے-" ع ۱

راوی کا بیان ہے کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام لانے کے بعد اس کلمہ سے بڑھ کر کسی شے پر خوش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا - (ترمذی)

آغا صاحبؒ مزکورہ بالا حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ " اب وہ لوگ ہوشیار ہوجائیں جو کہ حنفیت کا دعوی رکھنے کے باوجود قلبی محبت نجدیوں سے رکھتے ہیں اور ان کے افعال قبیحہ کو اچھا جانتے ہیں- مسلمانان حرمین کے قتل ، محرمات الٰہیہ کی توہین ، اور شعائر اللہ کی تخریب پر انہیں غازی ، موحّد کامل اور اسی طرح کے دیگر القابات سے نوازتے اور ان سے دوستی رکھتے ہیں ایسے افراد اس حدیث شریف کے مطابق بروز قیامت ان ہی کی صف اور درجہ میں ہونگے - فرقہ اہل سنت والجماعت کے لوگوں کو ان حنفی نماوہابیوں کے دعوئ حنفیت پر فریفتہ نہیں ہونا چاہئے ، کیوں کہ ان کے عقائد بالکل وہی ہیں جو کہ غیر مقلدین نجدیوں کے ہیں -

ع ۲ اس مقام پر آکر حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی رح نے اپنی کتاب " الاصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ " کا اختتام فرماتے ہوئے خداوند کریم کی بارگاہ میں دعا فرمائی ہے کہ " اے اللہ ہمیں اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی توفیق بخشش اور تیرے نیک بندوں کی راہ پر چلنے کی ہمت اور استطاعت عطا فرما - آمین "

****

۱ - ۲ - الاصول الاربعہ ص 232 تا 235

تبصرہ بر رسالہ " تہلیلیہ "

زیر تبصرہ رسالہ " تہلیلیہ " تصنیف کردہ حضرت آغا محمد حسن جان صاحبؒ سرہندی تیس (30) صفحات پر مشتمل ہے - رسالہ کی زبان فارسی ہے یہ رسالہ رفاہ عام پریس لاہور سے 1254ھ میں شائع ہوا -

اس رسالہ کا موضوع کلمہ طیبہ یعنی " لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ " کی شرح اوران کے معنی ہیں اس کے ساتھ ہی ساتھ " عقائد توحید " اور عقائد رسالت و نبوت کا بیان بھی کیا گیا ہے مزید برآں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات با برکات آپؐ کی شان رسالت آپؐ کے معجزات آپ کے نسب نامہ مبارک - آپؐ کی ولادت کے بیان آپؐ کی سیرت طیبہ - آپؐ کی ازدواج مطہرات - آپؐ کے خلفاء راشدینؓ - آپؐ کے صحابہ کرامؓ وغیرہ کا بھی مختصربیان کیا گیا ہے -

اس رسالہ کو دو حصوں میں تقسیم کرکے حضرت صاحبؒ نے نہایت دانش مندی اور وضاحت کے ساتھ اہل شریعت و طریقت دونوں کے سامنے کلمہ طیبہ کے معنی ظاہر فرمائے ہیں -

حصہ اول میں کلمہ طیبہ کا جزو اول یعنی " لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ " لیا گیا ہے اور اس کے ذیل میں عظمت و توحید خداوندی کے بارے میں نہایت عالمانہ اور مدلل بحث کی گئی ہے اوراس ضمن میں کلمہ " لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ " کی رفعت شان بیان کرتے ہوئے اپنے بیان کی تائید میں " حدیث بطاقہ " کا بھی سہارا لیا گیا ہے -

---

حدیث بطاقہ - حضرت عبداللہ بن عمروؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلا شبہ قیامت کے روز ساری مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ میرے ایک امتی کو پورے مجمع سے علیحدہ کرکے اس کے سامنے ننانویں (99) دفترکھولیں گے ، ہر دفتر تا حدنظر ہوگا اوران دفاتر میں صرف اس امتی کے گناہ ہی گناہ ہوں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ جل شانہ اس امتی سے سوال فرمائیں گے کہ کیا توان اعمال ناموں میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے ؟ کیا میرے مقرر کردہ لکھنے والوں یعنی کراماً کاتبین نے تجھ پر کوئی ......

درحقیقت حضرت آغا صاحبؒ نے جس انداز میں کلمہ طیبہ کے جزواول یعنی " لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ " کی تشریح کی ہے وہ نہایت ہی قابل تعظیم و لائق صد ہزار مبارکباد ہے - جیسا کہ وہ رسالہ مذکورہ کے شروع میں فرماتے ہیں کہ

" عزیز جان کہ یہ کلمہ شریف اصل ایمان اور مرکز دائرہ اسلام ہے اور دوزخ سے نجات کا سبب ہے - مزید برآں یہ کہ یہ کلمہ شریف پروردگار عالم کے نزدیک اس قدر شرف و قدرو منزلت رکھتا ہے کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ترازو کے ایک پلڑے میں اور یہ کلمہ شریف دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو اس کلمہ شریف کا پلڑا بھاری ہوجائے گا - چناچہ " حدیث بطاقہ " اس پر شاہد ہے -

---

ظلم کیا ہے ؟ (کہ کوئی گناہ کئے بغیر یا کرنے سے زیادہ لکھ لیا ہو) وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار نہیں - اس کے بعد اللّٰہ تعالیٰ جل شانہ سوال فرمائیں گے کہ کیا تیرے پاس ان بد اعمالیوں کا کوئی عذر ہے ؟ وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار میرے پاس کوئی عذر نہیں -

اس کے بعد ارشاد ربانی ہوگا کہ ہاں بے شک تیری ایک نیکی ہمارے پاس محفوظ ہے بے شک آج تجھ پر ظلم نہ ہوگا - اس کے بعد ایک پرزہ نکالا جائے گا جس میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ " درج ہوگا اور اللّٰہ جل شانہ کا ارشاد ہوگا کہ جا اپنے اعمال کا وزن ہوتا دیکھ لے وہ بندہ عوض کرے گا کہ اے میرے رب ان دفتروں کی موجودگی میں اس پرزہ کی کیا حقیقت ہے ؟ اللّٰہ تعالیٰ جل شانہ فرمائیں گے کہ یقین جان کہ آج تجھ پر ظلم نہ ہوگا - چناچہ گناہوں کے وہ سارے دفتر میزان عمل کے ایک پلڑے میں اور وہ پرزہ دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائیگا - اور وہ پرزہ اکیلا ان تمام دفاتر سے بھاری نکلے گا اس حدیث کے بعد آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ اللّٰہ کے نام کی موجودگی میں کوئی چیز بھاری نہ ہوسکے گی - ترمذی -

مزید یہ کہ یہ کلمہ شریف نزدیک خداوند عالم اس قدر عزت وعظمت رکھتا ہے کہ عرش الٰہی کے ساق کو اس کلمہ شریف کے لکھنے سے آراستہ فرمایا ہے اور یہ کلمہ شریف و گوہر یکدانہ و جوہر بے بہا ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ نے ہو موحد کو عطا کیا ہے اور دیگر اولاد آدم میں سے ہر صد (100) میں سے ننانویں (99) افراد کو اس نعمت سے محروم کیا ہے - ع ۱

اس قدر بیان کلمہ شریف کی تشریح کے بعد حضرت آغا صاحب نے آگے چل کر تصوف کا ایک نہایت باریک نکتہ یعنی " شرک خفی " پر قلم اٹھایا ہے - وہ فرماتے ہیں کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود ہم لوگوں پر یعنی اہل اسلام پر ہزاروں مرتبہ افسوس ہے کہ ہم نے اس کلمہ پاکیزہ کی قدر کما حقہ نہ جانی اور شیطان لعین کی پیروی کرتے ہیں اور اس طرح اس کلمہ شریف کے اصل مقصد اور روح سے روگردانی اختیار کرتے ہیں یہاں تک کہ ہم میں تہتر (73) فرقے پیدا ہو گئے اور ان میں سے ہر فرقہ خود کو حق پر اور دوسرے کو باطل پر گردانتا ہے اور یہ بالکل اس حدیث مبارک کے مطابق ہے کہ " میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی " آغا صاحب اس موقع پر نہایت دکھ کے انداز میں یہ سوال کرتے ہیں کہ آخر یہ اصحاب فرقہ متفرقہ کیوں نہیں قول و سنت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحابہ کرام کو اپنی رہنمائی کے لئے ایک متفقہ حجت اور دلیل نہیں بناتے جب کہ ہم سب کے سامنے " دور خیرالقرون " کے واقعات اور اس کے بعد مجتہدین کی آراء موجود ہیں -

اس کے بعد حضرت آغا صاحبؒ دوبارہ نفس مضمون کی طرف رجوع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ کے دو حصے ہیں یعنی " لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ " اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کلمہ مبارک کے جزو اول میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان ہے اور اس کو اس کلمے کے ذریعے اس قدر

اسالۂ آیطبلیہ - ص - 6

بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ عرب و غیر عرب کے علماء ، عرفاء اور دیگر آئمہ و علمائے دین نے اس بارے میں لاتعداد کتب لکھی ہیں ان سب کا نچوڑ و مغز یہ ہے کہ کلمہ طیبہ کے جزو اول کا مطلب ہے کہ

" لَاَ مَعْبُوْدُ اِلَّا اللّٰہُ ، لَاَ مَقْصُوْدُ اِلَّا اللّٰہُ اور لَا مَوْجُوْدُ اِلَّا اللّٰہُ "

مزید یہ کہ ہر عارف و محقق نے اللہ کی حقیقت کے ادراک سے اپنے عاجز ہونے کا اعتراف کیا ہے - مختصراً ذات خداوندی کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ " وہ موجود ہے نہ بہ وجود خارج - اپنی ذات میں وحدہ لا شریک ہے - اس کا کوئی مثل نہیں اور وہ کسی کی مثل نہیں ہے وہ " سمیع " ہے - نہ بہ گوش " بصیر ہے نہ بہ بصیر " متکلم " ہے نہ بہ زبان " قادر ہے - نہ بہ لشکر " عالم " ہے نہ بہ تعلیم " حیی " ہے نہ بروح - یہ اور دیگر تمام صفات اس کو بغیر کسی اسباب و احتیاج آلہ وغیرہ کے میسر ہیں - وہ ازلی ہے ابدی ہے کہ وہ زمان و مکان سے پاک ہے کیونکہ وہ تو خود " خالق زمان " ہے - حدیث و امکان اور تغییر و تبدیل کو اس کی پاک ذات کی طرف کوئی راہ نہیں ہے - اس کی صفات کا وجود حقیقی و دائمی ہے جب کہ دیگر موجودات کی صفات کا وجود " ظلی " ہے کیونکہ اس کی وحدانیت کا تقاضہ فرد ہونا ہے

حق تعالی تمام عالم اور دیگر عالموں کی کل اشیاء کی جزوکل سب کا عالم ہے اور کوئی مخلوق اس کی اس صفت میں اس کی شریک تو درکنار مماثل بھی نہیں ہے اور نہ ہی اس کی اور صفات میں -

ذات خداوندی مجسم نہیں ہے کیوں کہ تجسیم اس کی پاکیزگی کے منافی ہے - تمام جہانوں کے عالموں کی عقول اس کی صفات کے ادراک سے عاجز ہیں اور آخر کار یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ " اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْکَ اِلَّا دَرَاکُ اِدْرَاکُ " یعنی اس کو سمجھنے سے عاجز آنے کا اعتراف ہی اس کو سمجھنا ہے اس کے بعد حضرت آغا صاحبؒ نے خداوند کریم کے بارے میں واضح فرمایا ہے

که اسی نے مخلوق کو اور مخلوق کے افعال کو پیدا کیا ہے - مزید یہ کہ آغا صاحبؒ یہاں پر فرقہ " قدریہ " و " جبریہ " دونوں کے بین بین راہ اعتدال اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بندہ نہ تو مجبور محض ہے اور نہ مختارمحض بندوں کو لازم ہے کہ اپنی حد اور اختیارو مجبوری کو سمجھیں - کیونکہ وہ خداوند حکیم و قدیر جس نے بندہ کو اور ان کے افعال کو پیدا کیا ہے اس قدر عالیشان ہے کہ وہی اول اور وہی آخر ہے اور اس کی یہ متضاد صفات اس کے کمال اتحاد اور قادر مطلق ہونے کی عظیم دلیل ہے - اس کی شان یہ ہے کہ نہ تو طاعت اس کی شان کو مزید بڑھاتی ہے اور نہ گناہ و عصیاں اس کی شان میں سے کچھ گھٹا سکتے ہیں وہ ایسا بادشاہ ایسا مالک الملک ہے جو کہ اپنی ذات میں خود محمود اور کل عالم سے بے نیاز ہے - ع [۱]

خداوند عالم کی اس تہلیل و تمجید کے بعد حضرت آغا صاحبؒ نے عقائد اہل سنت و الجماعت کے مطابق ، فرشتوں ، اجنہ ، عالم ارواح ، میزان عدل ، پل صراط ، جنت و دوزخ اور انبیاء و رسل علیہم السلام کے برحق ہونے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ قیامت کے واقع ہونے اور اس کو برحق سمجھنے پر یقین رکھنے کی تلقین کی ہے - مزید برآں وہ عذاب قبر کے بھی قائل ہونے اور اس کو برحق ماننے کی تلقین کرتے ہیں - اس کے ساتھ ہی حضرت آغا صاحبؒ کلمہ طیبہ کے حصہ اول یعنی " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ " کا بیان ختم کر کے اس کلمہ طیبہ کے دوسرے حصے یعنی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان شروع کرتے ہیں -

" کلمہ طیبہ کے جزو دوئم مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں "

اس حصے کے بیان کے تحت حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ شان و عظمت و قدرو منزلت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نزدیک بے اندازہ ہے یہاں تک کہ آپ کو اَفْضَلُ الْخَلَائِق ، تمام انبیاء کا سردار ، تمام

اسلام تعلیم - ح - 7

انبیاء سابقہ کا تصدیق کنندہ اور خاتم الرسل بنایا جیسا کہ معلوم ہے کہ مہرختم نبوت آنحضوت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانہ مبارک کے درمیان ثبت تھی

مزید یہ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی " احمد " بھی ہے اور " احمد " اور " احد " میں بجز ایک حرف " م " کے کوئی فرق لکھنے میں نہیں ہے اور یہ " م " نشان عبدیت ہے۔

مزید یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے حواریوں سے فرمایا تھا کہ " مبشرا " برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد " یعنی میں تمہیں اپنے بعد ایک رسول کے آنے کی بشارت دیتا ہوں جن کا نام " احمد " ہوگا۔

آغا صاحب شان رسالت پناہ میں آیات قرآنی بھی تائیداً پیش کرتے ہیں کہ مثلا

" قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَا تَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ "

یعنی اگر تم اللہ کو چاہتے ہو تو مجھ سے محبت کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا ۔ یہ آیات قرآنی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عنداللہ قدرو منزلت و محبت کی روشن و بین دلیل ہے کہ اس آیت کے ذریعے ذات خداوندی نے اپنی محبت کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعت سے مشروط قرار دیا ہے۔

دیگر آیات قرآنی

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ۔

" یعنی اے نبی ہم نے آپ کو گواہ ، خوش خبری دینے والا ، ڈرانیوالا اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانیوالا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ۔

حضرت آغا صاحبؒ آیت مزکورہ بالا کی تشریح سے پہلے ایک نہایت لطیف و محبت آمیز نکتہ قرآن کریم کا بیان فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں حضرت

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور تعظیم و اشاعت محبت ہمیشہ نبی یا رسولِ کے لقب سے مخاطب کیا گیا ہے اس کے بعد آیت مزکورہ کے لفظ" شاہد " کے بارے میں فرماتے ہیں کہ خدا وند کریم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف سے تمام مخلوقات پر اتمام حجت کے لئے " شاہد " یعنی گواہ بنا کر بھیجا - " مبشر " کے ذیل میں حضرت آغا صاحب تشریح کرتے ہیں کہ آپ کو مومنین کے لئے ابدی دخول جنت و رضائے خدا وندی کی بشارت دینے والا بنا کر بھیجا اور نذیر کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو تمام کافروں کو دوزخ سے ڈرانیوالا بنا کر بھیجا -

" دَاعِیً الی اللّٰہِ بِاذْنِہٖ " کے ذیل میں حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آیت مزکورہ کے اس ٹکڑے میں خود خداوند کریم عقل والوں کو یہ سمجھا رہا ہے کہ یہ نبی تم سے سوائے اس کے کوئی اور مطلب نہیں رکھتے کہ تم کو ہماری راہ بتائیں اور ہماری طرف بلائیں یعنی دوسرے الفاظ میں آپ کا بلانا خود خدا کا ہی بلانا ہے -

" سِرَاَجاً مُنِیْرًا " کے ذیل میں جضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کیوں کہ آنحضرت محمّد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی جس وقت بعثت ہوئی تو اس وقت یہ عالم تھا کہ لوگ خدا سے غافل ہوچکے تھے کفر کی تاریکیاں چھائی ہوئیں تھیں اور اپنے کمال ضالت کو پہنچ چکی تھیں کوئی اضام پرستی میں مصروف تھا ۔ کوئی آفتاب و ماہتاب کی پرستش کرتا تھا - کوئی ستارہ پرست تھا - کوئی پانی و آگ کو خدا سمجھے بیٹھا تھا - ان حالات میں رحمت خدا وندی کو اپنی مخلوق پر رحم آیا اور اس نے کفر و ضالت کی ان تاریکیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نور و ھدایت اور راہ خدا وندی دکھانے کے لئے بھیجا - آپؐ کے سراجاً منیرا یعنی روشن چراغ یا نور مبین ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی سایہ نہ تھا کیونکہ

نور کا کوئی سایہ نہیں ہوتا -

مزید یہ کہ آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و توقیر عِندَاللہِ مُخلُوق پر واضح کرنے کے لئے آیت کریمہ ذیل وارڈ ہوئی ہے -

" یَآ اَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ " یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی مت کرو اور نہ ان کو اس طرح زور سے پکارو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ (ان باتوں کے نتیجے میں) تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو -

آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ من جملہ دیگر اعمال کے ایمان بھی ایک مومن کا عمل ہی ہے تو وہ ذات گرامی جس کے حضور بلند آواز سے بات کرنے یا ان کو با آواز بلند پکارنے پر ایمان جیسا عمل بھی ضائع ہو سکتا ہے وہ عنداللہ کس قدر و منزلت کی حامل ہوگی یہ خوبی تصور کیا جا سکتا ہے -

فصل دوم

حضرت آغا صاحبؒ نے اس بیان کے بعد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ مبارک بیان فرمایا ہے جس کو وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تک لے گئے ہیں اور پھر اس سے بھی آگے حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچایا ہے -

فصل سوم

اس زیر تبصرہ رسالہ تہلیلہ کی فصل سوم میں حضرت آغا صاحبؒ نے ولادت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات اختصار سے بیان فرمائے ہیں مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن دو شنبہ ماہ ربیع الاول اور مختلف روایتوں کے مطابق 2 یا 3 یا 12 تاریخ ہونا - اسی سال

واقعہ " فیل " ہونا اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شب ولادت بادشاہ روم " قیصر " کے محل کا جنبش میں آنا اور اس کے چودہ (14) کنگورے گر جانا اور آتشکدہ فارس کی وہ آگ بجھ جانا جو کہ سینکڑوں سال سے جلتی آئی تھی -

ذکر ولادت کے بعد حضرت آغا صاحبؒ نے وہ واقعات انتہائی اختصار کے ساتھ پیش کئے ہیں جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل نبوت پیش آئے مثلاً آپ کا سفر شام ، آپ کی حضرت خدیجہؓ کے ساتھ مناکحت ، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل مبارک کا تذکرہ ہے اور آپ کی عادات کریمہ اور اخلاق شریفانہ کا بیان - اس کے ساتھ آپ کے اعلان نبوت اور ان جہادوں کا انتہائی مختصراً تذکرہ یعنی صرف نام دئے ہیں جو کہ اسلام کے ابتدائی جہاد ہیں مثلاً جنگ بدر و جنگ احد وغیرہ - پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ ازواج مطہرات کے اسمائے گرامی لکھے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں -

حضرت خدیجہؓ بنت خویلد ، حضرت سودہؓ بنت زمعہ ، حضرت عائشہؓ بنت ابی بکر صدیق حضرت حفصہؓ بنت عمر فاروقؓ ، حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان ، حضرت ام سلمہؓ حضرت زینبؓ بنت جحش ، حضرت جویریہؓ بنت حارث ، حضرت صفیہؓ خیریہ حضرت میمونہؓ ، حضرت زینبؓ بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ اجمعین تذکرہ اولاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم -

---

واقعہ فیل - حبشہ کا حاکم ابرہہ خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے بہت سے ہاتھی لے کر مکہ شریف چلا آیا تھا تاکہ لوگ خانہ کعبہ کا طواف بند کر کے اس کی حبشہ میں بنائی ہوئی عبادت گاہ میں عبادت کریں خدا نے اس کو ابابیلوں کے ذریعے تباہ و برباد کردیا -

قرآن کریم کی سورتہ " الم ترا " میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے -

بالاتفاق علماء امت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صاحبزادے
یعنی قاسم ، عبداللہ ملقب بہ طاہر اور ابراہیم تھے - چوتھے فرزند ملقب بہ طیب
کے بارے میں علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے اور صاحبزادیاں زینب کلثوم رقیہ
اور حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالی علیہم اجمعین تھیں اور یہ سب اولاد
حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے دوران ہی وفات پا چکی
تھیں علاوہ حضرت فاطمۃ الزہرہؓ جو کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی وفات کے چھ ماہ بعد فوت ہوئیں -

فصل چہارم

اس فصل میں حضرت آغا صاحبؒ نے حضرت رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے بے شمار معجزات میں سے کچھ کا تذکرہ کیا ہے - مثلاً شق صدر
خوانیؔ ، سنگریزہ اور جنگ حسنین کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے ایک مٹھی خاک پھینکنے سے لشکر کفار کی شکست و ہزیمت وغیرہ وغیرہ -
بیان وفات حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم -

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوشنبہ ، وقت چاشت ،
بارہ تاریخ ماہ ربیع الاول بہ عمر تریسٹھ سال اس دارفانی سے ملا اعلیٰ کی
طرف روانگی اختیار فرمائی اور آپ کو حضرت عائشہؓ کے حجرے میں لحد میں
سپرد خدا کیا گیا - عـا

تذکرہ صفات کے بعد حضرت آغا صاحبؒ حیات النبی بعد از وصال النبی
صلعم کی تائید کرتے ہیں اور اپنے دعوے کی تائید میں دلیل پیش کرتے ہیں
کہ پہلی امتوں میں ان کے انبیاء کی نافرمانی کے سبب سے انبیاء کی موجودگی
میں ہی مختلف قسم کا عذاب نازل کیا گیا - مثلاً "خسف و غرق" وغیرہ - لیکن ہماری
امت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے امت مرحومہ قرار دی گئی
ہے اور مزید یہ کہ خداوند کریم کا فرمان ہے کہ " مَاكَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَلَقَدْ

فِیْھِمْ " یعنی نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اللّٰہ ان کو عذاب نہیں کرے گا بہ سبب آپ کی ان کے درمیان موجودگی کے حضرت آغا صاحبؒ اس آیت کریمہ سے برحیات نبی صلعم بعد از وصال دلیل پکڑتے ھیں کہ کیونکہ یہ امت دنیا میں مذکورہ بالا و دیگر اقسام کے عمومی عذابوں سے محفوظ کر دی گی ھے اس لئے یہ ھی اس بات کی بین دلیل ھے کہ حضرت نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم وفات کے بعد بھی اپنی قبر شریف میں حیات ھیں -

دوسری دلیل حضرت آغا صاحبؒ اس بارے میں یہ دیتے ھیں کہ قرآن پاک میں وارد ھوا ھے کہ " جو لوگ اللّٰہ کی راہ میں شہید ھوئے ان کو مردہ مت کہو " تو جب شہید زندہ ھیں تو انبیاء رسل علیہم السلام بدرجہ اولیٰ حیات ھیں کیونکہ انبیاء اور رسل علیہم السلام کا مرتبہ شہدا کے مراتب سے نہایت اعلیٰ وارفع ھے -

پھر ایک اور دلیل حضرت آغا صاحبؒ یہ پیش کرتے ھیں کہ شب معراج دوران سفر حضرت رسول کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر شریف میں نماز پڑھتے دیکھا اور بعد ازاں واقعات معراج میں اس کو بیان کیا - تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وصال کے بعد حیات رکھتے ھیں تو ھمارے نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم جو کہ افضل الا انبیاءؑ ھیں وصال کے بعد حیات بدرجہ اولیٰ رکھتے ھیں -

آخر میں اس سلسلے میں اپنے موقف کی تائید کی دلیل میں حضرت آغا صاحبؒ ایک اور آیت کریمہ پیش کرتے ھیں کہ

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَاۗءُوْكَ . فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا -

" یعنی وہ لوگ جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر اللّٰہ کے آگے استغفار کریں اور رسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے اللّٰہ سے استغفار

کریں تو اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا اور رحمت کرنے والا پائیں گے -

حضرت آغا صاحبؒ نے اس آیت کے ذیل میں یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ کیوں کہ قرآن پاک اور اس کے احکامات قیامت کے لئے ہیں اس لئے یہ آیت بھی قیامت تک کیلئے ، تمام امت مسلمہ کے لئے ہے اور کسی ایک زمانے تک محدود نہیں اور یہ آیت بھی حیات النبی بعد از وصال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بین ثبوت ہے - ع / ١

رسالہ زیر تبصرہ کے آخر میں حضرت صاحبؒ نے فرقہ اہل سنت الجماعت کو تہتر (73) فرقہ امت مسلمہ سے " ناجی " فرقہ قرار دیا ہے اور اس دعوی کی دلیل میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ " میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتی - اور یہ کہ فرقہ نجات یافتہ وہ ہے جو کہ میرے اور میرے اصحابؓ کی جماعت کا طریقہ اپنائے -

حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت اور ہمیشہ امت مسلمہ میں سب سے بڑا فرقہ اہل سنت والجماعت کا رہا ہے جو کہ درحقیقت " سواد اعظم " ہے اور امت مسلمہ کی اصل - مزید یہ کہ یہ واحد فرقہ ہے جس میں حدیث مبارک کا لفظ " جماعت " شامل ہے -

اس تشریح و تصریح کے ساتھ حضرت آغا صاحبؒ کا رسالہ " تہلیلیہ " اختتام کو پہنچتا ہے -

١ - رسالۂ تہلیلیہ - ص - 28 - 29

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

تبصرہ " بر رسالہ تنویر در بیان مسئلہ تقدیر "

اس رسالہ کی اصل عبارت عربی زبان میں ہے جس کا ترجمہ حضرت مصنف آغا محمد حسن جانؒ سرہندی کے فرزند حافظ محمد ہاشم جان سرہندی نے عربی عبارت کے سامنے اردو میں لکھا ہے - یہ رسالہ 1349ھ میں تصنیف کیا گیا جوکہ تیئیس (23) صفحات پر مشتمل ہے - حضرت آغا صاحب نے اس رسالہ میں علم الکلام کے نہایت دقیق اور مشکل مسئلہ یعنی" تقدیر" پر بحث کی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ بہ حسن و خوبی اس بات کی نہایت بلیغ کوشش فرمائی ہے کہ اس مسئلہ کے بیان و بحث میں افراط و تفریط سے بچتے ہوئے درمیانی واعتدال کی راہ اختیار کی جائے جوکہ نہ صرف پسندیدہ بلکہ با دلائل قبول عام ہو - جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ " تقدیر پر ایمان لانا واجب ہے " لیکن تقدیر کی حقیقت اور ماہیت کی بحث میں پڑنا ممنوع ہے اس لئے ہم بھی تقدیر کی ماہیت اور حقیقت کی بحث میں نہیں پڑتے بلکہ ہم صرف اس انداز میں مسئلہ تقدیر پر بحث کرتے ہیں کہ اس کو" افعال عباد" سے کیا تعلق ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ حضرت آغا صاحب مسئلہ روح پر بھی بحث کرنے کی خواہش رکھتے ہیں لیکن اس مسئلہ کی گہرائی سے بھی پہلو بچاتے ہوئے اپنی بحث کو صرف اس حد تک محدود رکھتے ہیں کہ " روح کو ابدان عباد سے کیا تعلق ہے " اس مسئلے سے پہلو تہی کی تائید میں وہ آیات ربانی کا ترجمہ پیش کرتے ہیں کہ " لوگ آپ سے روح کی حقیقت دریافت کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے اور تم لوگوں کو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے-"

مزکورہ بالا وضاحتوں کے بعد حضرت آغا صاحب مسئلہ تقدیر میں افراط و تفریط کرنیوالے دو گروہوں یعنی " قدریہ " اور " مرجیہ " کا ذکر کرتے ہوئے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک بیان فرماتے ہیں کہ " دو قسم کے لوگ میری امت میں سے ایسے ہونگے جوکہ اسلام سے

بالکل بے بہرہ ہونگے ایک " مرجیہ " اور دوسرے " قدریہ "

اس کے ساتھ ہی ساتھ حضرت آغا صاحبؒ فرقہ مرجیہ اور فرقہ قدریہ کی وضاحت بقول شیخ علی قادریؒ صاحب " مرقات " اس طرح کرتے ہیں کہ " مرجیہ " کے عقائد کے مطابق" کل افعال انسانی تقدیر الٰہی سے ہیں اور بندہ مجبور محض ہے اس لئے ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی معصیت ضرورساں نہیں - جس طرح کہ کفر کے ساتھ کوئی طاعت فائدہ مند نہیں" اور قدریہ وہ لوگ ہیں جو کہ قدر کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "بندوں کے افعال بندوں کی ہی قدرت سے پیدا شدہ ہیں اور نعوذ باللہ ان افعال میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ارادے کو کوئی دخل نہیں" -

آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مسئلہ تقدیر میں بحث کرنے سے ان کی یعنی آغا صاحب کی مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو گمراہی کے عقائد سے اور اس سوچ سے بچانے کی کوشش کی جائے کہ جس کے تحت بندے خود کو مجبور قرار دے کر اپنے ہر فعل بد کو ظلم و ستم کو اور نا معقول باتوں کو من جانب اللہ قرار دے کر بری الذمہ ہونا چاہتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس سوچ کو بھی رد کیا جائے کہ بندہ اپنے افعال میں بالکلیہ خود مختار ہے کیوں کہ ان دونوں کی مخالفت اور ان دونوں کے درمیان والی راہ اعتدال ہی اصل رستہ اور راہ ہدایت ہے اور اس کے برخلاف خصوصا فرقہ مرجیہ کے عقائد کے مطابق تو انتہا پر جاکر تمام شریعتیں باطل اور بے کار قرار پاتی ہیں اور رسولوں کو بھیجنے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے - اس مسئلہ کے زیر بحث مزید آگے جانے سے پہلے حضرت آغا صاحبؒ اپنا ایک مناظرہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا کہ " حق تعالیٰ کا ارشاد عالیشان ہے کہ " اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو بھی " پس جب بندے کے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہی پیدا کردہ ہیں تو بندہ بے چارہ تغیر خلق الٰہی پر کیوں

3-2-ع- مسالہ تحریر

کر قادر ہو سکتا ہے ؟

آغا صاحبؒ نے اس شخص کو جوابدیا کہ " بندہ اپنے فعل میں مختار ہے اگرچہ اپنے اختیار میں مجبور ہے ، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ " جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو شخص چاہے کفر کرے " اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بندہ مشیت یعنی چاہنے کی طاقت رکھتا ہے اور مشیت بھی اختیار ہے -

اس شخص نے مزید اعتراض کیا کہ جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ " اور تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ چاہے " اس بھی ثابت ہوا کہ بندہ مشیت نہیں رکھتا -

آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو جواب دیا کہ یہ ہی تو ہمارے اس قول کی اصل اور معنی ہیں کہ بندہ اپنے اختیار میں مجبور ہے- مثلا تندرست آدمی کی حرکت ، رعشہ زدہ آدمی کی حرکت سے مختلف ہوتی ہے مرتعش اپنی حرکت میں مجبور ہے اور بے اختیار ، جبکہ تندرست اپنی حرکت میں مجبور نہیں اور وہ اپنے ارادہ سے ہی حرکت کرتا ہے - ہاں یہ ضرور ہے کہ خود طاقت ارادہ تمہارے عزم کرنے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ پیدا فرما دیتا ہے اور وہ اس کی مخلوق ہے اور یہی اس آیت کے معنی ہیں کہ " اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا فرمایا اور تمہارے اعمال کو بھی "

آغا صاحبؒ کی اس مثال و مناظرہ کے بیان پر تبصرہ نگار یعنی راقم حروف - سید فہیم احمد کے خیال میں آغا صاحب کے اس بیان پر رائے زنی ضروری ہے کیونکہ یہ بیان مزکورہ بالا کسی طالب کی یا قاری کی کما حقہ تشفی نہیں کرتا - مثلاً بقول آغا صاحبؒ اگر بندہ اپنے فعل میں مختار ہے تو لازماً ارادے میں بھی مختار ہوگا کیوں کہ عموما اختیاری فعل کے لئے پہلے ارادہ کرنا لازم ہے - ہماری نظر میں زیادہ بہتر اور درست یہ ہوتا کہ اگر آغا صاحبؒ

فرماتے کہ " بندہ اپنے افعال و ارادہ میں کہیں مختار اور کہیں مجبور ہے مثلا ایک شخص اپنے ارادہ سے ایک ٹانگ پر تو بغیر کسی سہارے کے کھڑا ہو سکتا ہے لیکن اگر بیک وقت دونوں ٹانگیں اٹھا کر کھڑا ہونے کی کوشش کرے گا تو بے اختیار ہو کر گر جائے گا ۔ اسی طرح ایک شخص اپنے ہاتھ ، پاوں وغیرہ کی حرکات تو روک سکتا ہے یہاں تک کہ کچھ عرصہ کے لئے سانس کی آمدورفت بھی لیکن جسم کے اندر خون کی روانی یا دل کی دھڑکن اپنے اختیار سے نہیں روک سکتا ۔ ان امثال سے صاف ظاہر ہوا کہ بندہ اپنے فعل و ارادہ میں ایک حد تک یا جزوی طور پو مختار بنایا گیا نہ کہ کلی طور پر ۔ کیوں کہ کلی طور پر اختیار ہر فعل و ہر ارادہ پر تو صرف خداوند علیم و خبیر کو ہی حاصل ہے اور اسی جزوی یا کلی اختیار کو خدا اور بندے کے اختیار یا مجبوری بندہ اور اختیار بندہ سمجھنا چاہئے پس یہ ہی اصل عقیدہ اور راہ ہدایت ہے کیوں کہ مذہب اہل سنت و الجماعت فرقہ قدریہ اور مرجیہ کے بین بین ہے ۔

اس تبصرہ کے بعد ہم آغا صاحبؒ کے زیر بحث موضوع کی طرف دوبارہ رجوع کرتے ہیں۔ مزکورہ بالا مناظرہ کے بیان کے بعد آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ " اللہ تعالیٰ کی وسعت علم کو کوئی احاطہ نہیں کر سکتا ۔ وہ آسمان اور زمین اور ان کے ما سوا کی بھی ہر چیز کا خالق ہے اور ان کو ان کے پیدا کرنے سے پہلے سے جانتا ہے جب کہ عدم محض میں ہوں ۔ کیوں کہ خالق با اختیار کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ ہر چیز کو پیدا کرنے سے پہلے اس کے بارے میں ایک ایک چھوٹی اور بڑی بات اس کے ماضی ، حال اور مستقبل کے بارے میں جانے اس علم کے بعد ہی وہ کسی چیز کے خالق کا اقدام کر سکتا ہے اس صورت میں علم اور خلق میں عموم اور خصوص کی نسبت لازم آتی ہے پس ضروری ہے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ افراد مخلوقات غیر متنا ہیہ کے لئے اور اس کے ہر فرد کے لئے اس کا خالق یقینا علوم غیر متنا ہیہ رکھتا ہے پس

اب سوچنا چاھئے کہ درختوں کی قلمیں اور دریاؤں کی نسیاھیاں جو کہ سب کی سب متناھی ھیں وہ علوم غیر متناھیہ کے لکھنے کے لئے کس طرح کافی ھو سکتی ھیں ؟ پس یہ بھی تسلیم کرنا چاھئے کہ خداوند قدوس کی ذات قدیم ان سب باتوں پر قادر ھے اگرچہ حادث اس کے جاننے سے عاجز ھے - نیز اس بات کو بھی سمجھ لینا چاھئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ھمارے علوم کی طرح نہیں ھے کہ معلومات اور محسوسات کے ادراک کے بعد پیدا ھوتا ھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں سارے معلومات چھوٹے اور بڑے ، نئے اور پرانے جو کہ ازل سے ابد تک ھونے والے تھے اور ھونے والے ھیں سب کے سب ظاھر و منکشف ھیں " بانکشاف تام بسیط " اس طرح پر کہ کوئی ذرہ برابر یا اس سے کم تر چیز بھی زمین اور آسمانوں کی اور ان کے ما سوا کی اس سے پوشیدہ نہیں ھے - ع ۱

اس بحث کے بعد " تقدیر کی بحث " میں حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ھیں کہ اللہ تعالیٰ کے بسیط علم میں یہ چیز موجود تھی کہ فلاں کام فلاں وقت ھوگا - یا فلاں فلاں بندہ فلاں وقت میں پیدا ھوگا اور وہ سعید یا شقی ھوگا اور فلاں فلاں وقت میں فلاں فلاں کام کرے گا - اس علم کو خداوند عالم نے اپنی حکمت و مصلحت کے تحت جب لوح محفوظ پر بواسطہ قلم ربانی بہ صورت انعکاس ظاھر کر دیا تو اسی کو تقدیر یا قضا کا نام دیا گیا ھے جس پر ایمان لانے کا حکم دیا جاتا ھے اور جس پر راضی رھنے کا امر کیا گیا ھے اور یہ بھی ضروری ھے کہ جو کچھ لوح محفوظ پر لکھا جا چکا ھے وہ اپنے معینہ وقت پر ظاھر ھو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات میں کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں ھے -

حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ھیں کہ اب یہ سمجھو کہ تقدیر بھی دو قسم پر ھے یعنی اول تو وہ کہ جس میں حکمت خداوندی کے تحت ھی بندے کے

اسلامیہ تحریر - ص - 7

کسب و عمل کو دخل ہو جیسے کہ حصول رزق ، افعال بدنیہ اور حرکات ارادیہ یعنی نیند و بیداری اور طاعت و عصیان وغیرہ -

تقدیر کی دوسری قسم وہ ہے کہ جس میں کسب عبد کو کوئی دخل نہیں مثلاً حیات و موت ، صحت و مرض ، آفات سماویہ و ارضیہ کا پیش آنا اور اولاد میں نر اور مادہ کا پیدا ہونا وغیرہ - ع ا

تقدیر کی مزکورہ بالا قسم کی تشریح کے بعد حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تقدیر کی اس قسم میں چونکہ بندے کے کسب کو کوئی دخل نہیں اس لئے اس میں ہمارے لئے گفتگو کی جگہ سکوت اور تسلیم و رضا کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے - اس مختصر سے تبصرے کے ساتھ ہی آغا صاحب تقدیر کی اس قسم پر بحث و بیان کا دروازہ بند کر دیتے ہیں -

اس کے بجائے آغا صاحبؒ " تقدیر کسبی " یعنی جس تقدیر میں بندے کے کسب کا دخل ہے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ " بندے کا نیک و بد عمل اللہ تعالیٰ کے بندے کے حق میں اچھی یا بری تقدیر یا جزا و سزا کا باعث بن جاتا ہے بشرطیکہ عنایت ازلی کے تحت اس کو توبہ کی توفیق نہ عطا کی جائے - اپنی اس دلیل کی تائید میں آغا صاحب ایک حدیث شریف بطور ثبوت پیش کرتے ہیں کہ " حق تعالیٰ کا ارشاد عالیشان ہے کہ " جس کسی نے نیک عمل کیا تو اپنے بھلے کے لئے کیا اور جس نے بدکاری کی تو وبال بھی اسی پر ہے اور تمہارا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے -

مزید یہ کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ " جس نے دیا اور تقوی کیا اور سچ سمجھا اچھی بات کو تو ہم آسان کر دیں گے اسے آسانی کے لئے اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ رہا اور جھوٹ سمجھا اچھی بات کو تو ہم اس کو آسان کردیں گے سختی اور تنگی کے لئے -

آغا صاحبؒ قبلہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ جزاء

اسائنہ تنجرہ ص - 9

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

عمل کے بعد ہی پیدا کی جاتی ہے اور اسی آیت کریمہ کے تحت حق تعالیٰ کی
طرف ظلم کی نسبت نہیں کی جا سکتی اور ظالموں کے اس عقیدہ جبر سے حق
تعالیٰ سبحانہ بہت برتر اور پاک ہے - کیونکہ یہ عقیدہ جبر نہایت فاسد اور
ناپاک ہے اور اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو تمام شریعتیں سرے سے ہی
باطل ٹھہریں گی کیوں کہ مجبور کو سزا دینا روا نہیں -

اس وضاحت کے بعد حضرت آغا صاحبؒ اسی ذیل میں کچھ سوال و
جواب مرتب کرکے مزید تشریح سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ

" اللہ تعالیٰ تکلیف نہیں دیتا کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے
مطابق اور اسی کو ملتا اور اسی پر پڑتا ہے جو کہ اس نے کمایا اور کیا
(القرآن)

اس کے بعد حضرت مصنفؒ پھر اصل بحث کی طرف رجوع کرتے ہوئے
فرماتے ہیں کہ " وہ لوگ جو بندوں کی مجبوری کا اعتقاد رکھتے ہیں اور ہر
سوال کا جواب یہ دیتے ہیں " ہم تو مجبور ہیں اور یہ تو اللہ تعالیٰ نے
ہماری تقدیر میں ہماری پیدائش سے بھی پہلے لکھ رکھا تھا - ان ہی لوگوں
کو ہم رات دن رزق کے حاصل کرنے میں اسقدر منہمک پاتے ہیں کہ اکثرو بیشتر
وہ حلال و حرام کا فرق بھی اٹھا دیتے ہیں - اب اگر ان کو تلاش رزق میں
اس محنت شاقہ اور سعی بلیغ پر روکا اور ٹوکا جائے تو کہتے ہیں کہ حضرت
رزق حاصل کرنے کی کوشش پر تو ہم مامور ہیں اور یہ تو عالم اسباب ہے -
بغیر اس کے چارہ نہیں اور فوراً اپنی حمایت میں حضرت رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کی حدیث مبارک پیش کرتے ہیں کہ " رزق کی تلاش ، رزق کے
دروازوں سے کرو " اور یہ بھی کہ " اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللہ "

آغا صاحبؒ ان لوگوں پر ایک نہایت مضبوط و مدلل اعتراض کرتے
ہیں " ایسے لوگ ہر کمائی کو اپنی کوشش کی طرف ہی منسوب کرتے ہیں اور

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

یہ نہیں کہتے کہ بس اتنا ہی اللہ تعالیٰ نے ہماری پیدائش سے پہلے ہمارے لئے لکھ دیا تھا -

اسی طرح اگر کوئی چور ان کا مال اٹھا لے جانے کی کوشش کرے تو نہایت مردانگی سے جان دینے اور جان لینے کی حد تک بھی اس کا مقابلہ کریں گے یا اگر کوئی انکی توہین و اہانت کرے گا تو اس سے بڑھ کر یہ جواب دیں گے -

آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایسے اوقات میں انہیں کبھی اپنا " بندہ مجبور " والا عقیدہ یاد نہ رہے گا کہ چور یا ان کی توہین کرنے والا بھی تو ان کے اپنے عقیدے کے مطابق " مجبور محض " اور بے قصور ہے - یہ ہی بات ان کے مزکورہ بالا عقیدے کے فاسق اور گمراہ کن ہونے کی بین دلیل ہے-

اس بحث کو اس جگہ پر لا کر آغا صاحب اختتام کو پہنچاتے ہیں اور آخر میں پہلے اپنے رسالہ زیر تبصرہ کو حضرت شیخ اسمعیل مقری رحمتہ اللہ علیہ کے " قصیدہ تائیہ " پر ختم کرتے ہوئے بیان مسئلہ روح کے بارے میں فرماتے ہیں کہ " اگرچہ اس رسالہ کی ابتداء میں بحث در روح کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن میں اس کو اس لئے چھوڑتا ہوں کہ اول تو بہت کم لوگ اس مسئلے کو سمجھ سکتے ہیں اور دوئم یہ کہ روح کی ماہیت اور حقیقت بیان کرنے پر " نہی " وارد ہو چکی ہے -

اس کے بعد بہ حضور رب العالمین مناجات و دعا و استغفار کرتے ہوئے آغا صاحب اپنے اس رسالہ یعنی " رسالہ تنویر در بیان مسئلہ تقدیر " کو اختتام تک پہنچاتے ہیں -

****

رسالہ تنویر در بیان مسئلہ تقدیر - ص - 23

" طـریـق الـنجات کا تـنقیدی جائزہ "

کتاب " طریق النجات " مصنفہ حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی نقش بندی ، فاروقیؒ دوسو پچیس (225) صفحات پر مشتمل ہے - کتاب کی اصل عربی زبان ہے اور اصل متن کے بالمقابل حضرت مصنفؒ کے لائق فرزند ارجمند حضرت مولانا محمد ہاشم جانؒ کا اردو زبان میں نہایت رواں دواں اور بامحاورہ ترجمہ ہے -

کتاب " طریق النجات " سب سے پہلے " الفقیہ " پریس امر تسر سے 1350 ھ میں شائع ہوئی اور اس کا دوسرا ایڈیشن 1978ء میں استنبول ترکی سے شائع ہوا - اس کتاب میں حضرت مصنفؒ نے نہایت عالمانہ اور فاضلانہ طریقہ پر عقائد اہل سنت و الجماعت کی نہ صرف مدلل اور پرزور تائید فرمائی ہے بلکہ محبت آل و اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت تقلید ، اجماع امت فی مسائل دین ، تقلید آئمہ اربعہ ، بدعت اور بدعات حسنہ اور بدعات سیئہ پر نہایت دقیق بحث کی ہے -

یہ کتاب جناب آغا صاحبؒ کی ایک نہایت پر اثر خدمت دین ہے خصوصاً ایک ایسے تاریک دور میں ، جب کہ بدعات نے دین متین کو گھیر رکھا ہے اور شریعت حقہ کی راہ دھندلی کر دی گئی ہے - اس کتاب کے پہلے حصے میں کتاب لکھنے کی ضرورت اور اس کتاب کے موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے دراصل اس سلسلے میں یہ کہنا نہایت درست اور مناسب ہے کہ حضرت آغا صاحبؒ نے اس کتاب میں اہل سنت و الجماعت فرقہ کے عقائد ناجیہ کی حمایت میں ، اور اس کے مخالفوں کے خلاف ایک مضبوط حصار کھڑا کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ مزکورہ گروہ ناجیہ کے عقائد ، بدعات کی آندھیوں سے خلط ملط ہو کر نہ رہ جائیں - اور اس کے ساتھ ہی ساتھ فرقہ اہل سنت و الجماعت کے لوگوں کے دل اپنے عقائد صحیحہ پر مزید مضبوطی کے ساتھ قائم ہوکر استقلال

اور استقامت کا پہاڑ ہو جائیں ، یہاں تک کہ کوئی مخالف ہوا ان کے قدموں کو جنبش نہ دے سکے ۔ [1]

اس سلسلے میں " تمہید " کے تحت حضرت آغا صاحبؒ خود وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ " جاننا چاہئے کہ اس رسالے (طریق النجات) میں ہمارا روئے سخن ان لوگوں کی طرف ہے جو مدعی اسلام ہیں اور قرآن مجید اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کہ تمامی مخلوقات کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں ، ایمان لا چکے ہیں ۔ لیکن وہ لوگ جو کہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور اپنی ناقص عقل کے دھوکے میں پھنس چکے ہیں ، ہماری یہ گفتگو ان کے ساتھ نہیں ، اس لئے کہ وہ چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں ۔

اس مزکورہ بالا وضاحت کے بعد حضرت مصنفؒ نے عقل انسانی کی تعریف اور تشریح کرتے ہوئے عقل انسانی کو دو اقسام پر تقسیم کیا ہے یعنی " عقل معاش " اور " عقل معاد " پھر وہ " عقل معاش " کے مندرجہ ذیل مزید وضاحت فرماتے ہیں کہ

" عقل معاش وہ عقل ہے کہ جو انسان کو دنیاوی ضروریات اور لازمی اسباب جہاں کے مہیا کرنے کا حکم کرتی ہے اور اس کی تدابیر سمجھاتی ہے یعنی اسباب رزق کا فراہم کرنا ، راحات بدنیہ اور دیگر آسائشات کا مہیا کرنا اور ان کے علاوہ دیگر تمام انسانی حوائج و لوازمات زندگی کا حصول یا ان کے حصول کی کاوشیں وغیرہ وغیرہ ۔ حضرت صاحبؒ کے نقطہ نظر کے مطابق یہ عقل معاش انسانی زندگی کی ضروریات کے حصول کی طرف حکم اور رہنمائی تو ضرور کرتی ہے اور ان چیزوں کے حصول میں مدد بھی دیتی ہے لیکن انسانی زندگی کا اصل مقصد یعنی روحانی مدارج کے ارتقاء اور حصول ، اوصاف ذمیمہ کو اخلاق فاضلہ میں بدل دینے اور روحانی طور پر انسان کو رشک ملائک

طریق النجات ۔ ص ۔ 30

بنانے کے لئے قطعاً ناکافی اور معزور ہے کیونکہ یہ عقل معاش صرف ان ہی
باتوں اور چیزوں کو تسلیم کرتی ہے جن کا کوئی ظاہری ثبوت اور وجود ہو
اور ان کی کوئی ناقابل انکار قسم کی ظاہری دلیل موجود ہو اور ان چیزوں
کو تسلیم نہیں کرتی جو کہ ہماری عام عادات اور روز مرہ کے معمول کے خلاف
ہوں یا وہ اسی دنیا میں یا عالم غیب میں مستور ہوں ۔ اسی وجہ سے حضرت
آغا صاحبؒ نے عقل معاش کو ناقص اور ظاہری یا سطحی عقل قرار دیا ہے اور
اس کے ناقص ہونے کی تائید میں کئی نہایت مدلل اور پر اثر مثالیں بھی پیش
کی ہیں ۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ اب سے کچھ عرصہ قبل تک کیا عقل معاش اس
بات کو تسلیم کرسکتی تھی کہ بھاری اجسام از قسم ہوائی جہاز وغیرہ یوں
ہوا میں آزادانہ اڑتے پھریں گے یا آواز کو " فونو گراف " میں بند کرکے بعد
میں اسی آواز کو بعینہ بغیر کسی کمی بیشی کے سنا جا سکے گا ۔ یا نہایت دور
دراز کے ممالک سے بہ ذریعہ " ریڈیو " یا " ٹیلی فون " کے آواز سنی جا سکے
گی یہ اور ان کی طرح کی اور کتنی ہی چیزیں جو کہ عقل کو دنگ کر دیتی
ہیں ۔ ہماری روز مرہ زندگی کا معمول ہوں گی ۔ آغا صاحبؒ ان امثال پر
زور دیتے ہوئے بطور دلیل فرماتے ہیں کہ کیا کوئی عقل ۔ ما سوا مزکورہ
بالا اشیاء کے خالق کے ان چیزوں کی حقیقت کو سمجھ سکتی ہے ؟ یا کچھ
عرصہ پہلے تک ان کو تسلیم کر سکتی تھی ؟ پھر آغا صاحبؒ دوبارہ ایک سوال
کے انداز میں پوچھتے ہیں کہ کیا ان باتوں کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ اگر
مزکورہ بالا ایجادات کے ظہور سے پہلے کے دانشمند ان کو تسلیم نہیں کرتے
تو ان کا وجود میں آنا بھی ممکن نہ ہوتا ۔ اور پھر اسی سلسلہ کلام کو طول
دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بالکل اسی طرح ۔ یقیناً وہ امور و واقعات عالم
آخروی جو خداوند کریم کی مقدس کتاب ۔ قرآن مجید میں مزکور ہیں ۔
بالکل اسی طرح واقع ہونے والے ہیں چاہے ہماری ناقص عقل معاش ان کو

نہ ماننے اور ان کی مخالفت ہی کیوں نہ کرے ، لیکن وقت موعود پر یہ سب امور ظاہر ہو کر رہیں گے - عقل معاش کی ایک نہایت بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ عام طور پر محسوسات کی عادی ہے ، اس سے آگے نہیں جاتی ، اسی لئے وہ مزکورہ بالا آخروی حقیقتوں کو تسلیم کرنے سے معزور ہے حالانکہ ان امور کو ماننے میں ہی نجات پوشیدہ ہے کہ جن کی خبریں ہمیں قرآن مجید یا حضرت نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہیں - ہمارا ان سب چیزوں پر پختہ ایمان اور تصدیق قلبی کے ساتھ بھروسہ اور اعتقاد ہونا چاہئے ، اس طرح کہ اس میں حیلہ و بہانہ ، فرار یا کسی قسم کے تردد کا شائبہ تک نہ ہو -

وہ واقعات عالم آخرت جن کو عقائد اہل سنت و الجماعت کی بنیاد یا ستون کہا جا سکتا ہے ، ان کو بے چوں و چرا ، بنیاد ایمان و عقائد سمجھتے ہوئے قبول کرنے کے لئے ایک ایسی عقل و دانش کی ضرورت ہے کہ جس کی وسعت قلبی و نظری کا افق عقل معاش کے افق اور پیمانۂ دانش سے زیادہ گہرا بہتر اور وسیع تر ہو - آغا صاحبؒ ایسی عقل کو " عقل معاد " کے نام سے پکارتے ہیں ، یعنی دوسرے الفاظ میں وہ ایسی عقل کو ایک فوقیت والی اور برتر عقل کے نام سے معنون کرتے ہیں - عقل معاش کی مزید وضاحت اور تشریح اس طرح بھی کی جا سکتی ہے کہ یہ عقل انسانوں اور جانوروں سب کو عطا کی گئی ہے اور اس میں کل اقسام جانوروں کی ، جن کا شمار انواع تقریباً اٹھارہ ہزار تک ہے شامل ہیں ، ان میں وہ بھی شامل ہیں کہ جو خشکی یا تری میں رہتے ہیں اور وہ بھی جو کہ ہوا میں زندہ رہتے ہیں نیز وہ بھی کہ جن کے لئے ہوا ، پانی یا خشکی ہلاکت خیز ہیں - یہ سب قدرت الٰہی سے اپنے اپنے رزق کے حصول کے ذرائع اور مکانات سے اور مضرت رساں چیزوں واقف کئے گئے ہیں - اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ ناقص عقل معاش جس میں انسانوں کے ساتھ جانوروں کو بھی شریک بنا دیا گیا ہے ، کیا اس

لائق ہے کہ تصدیق امور آخرت یا ان واقعات اور قصص کی ، جو کہ قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں ، تصدیق اور تصدیق بھی قلبی ، کرسکے؟ مثلاً یہ کہ بنی اسرائیل کے ایک مقتول کا ، گائے کا پارچہ مارنے سے دوبارہ زندہ ہوجانا پھر اپنے قاتل کا نام بتانا ، اور دوبارہ مرجانا ۔ یا حضرت عزیر علیہ السلام کا انتقال کر جانا اور ان کے گدھے کا بھی مرجانا ، پھر سو (100) سال کے بعد بحکم خداوندی ، ان کا دوبارہ جی اٹھنا ، اپنے گدھے کو دوبارہ زندہ ہوتے دیکھنا یا حضرت ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چار مختلف پرندوں کو ذبح کر دینے کے بعد ان کے گوشت کو آپس میں خلط ملط کر دینا اور پھر مختلف پہاڑوں پر ان کے ملے ہوئے گوشت کو رکھ دینے کے بعد ان پرندوں کو پکارنا اور پھر خدا کے حکم سے ہر پرند کا دوبارہ زندہ ہوکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہو جانا ۔ یا پھر اصحاب کہف کا ایک غار میں تین سو نو برس تک سوئے رہنا ، پھر خدا کے حکم کے مطابق زندہ ہو جانا بمعہ قائمی ہوش و حواس و سلامتی بدن اور پھر سب سے بڑھ کر ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ معراج پیش آنا اور اپنے جسم طاہر و اطہر کے ساتھ ساتویں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ تک اور پھر اس سے بھی آگے مقام " قاب قوسین " بلکہ " او ادنیٰ " تک تشریف لے جانا ، اس کے علاوہ اسی سفر معراج کے دوران مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء علیہم السلام کی نماز میں امامت فرمانا ، ان سے ملاقات فرمانا ، جنت اور دوزخ کا معائنہ فرمانا ، ذات باری تعالیٰ سے شرف ہمکلامی سے مشرف ہونا اور ایسے طول طویل سفر سے محض اتنی سی دیر میں واپس اپنے دولت کدہ میں تشریف لے آنا کہ آپ کا بستر راحت ابھی گرم تھا اور دروازے کا کنڈا ابھی ہل رہا تھا ۔

مزکورہ بالا معجزات ، واقعات اور قصص ایسے ہیں کہ عقل معاش ان

کو تسلیم کرنے سے مجبور و معزور ہے کیونکہ ان کا تعلق عالم شہادت یا ظاہری دنیا کی اشیاء سے نہیں بلکہ یہ عالم غیب و عالم آخرت کے واقعات ہیں جہاں تک عقل معاش کی رسائی ہرگز نہیں - برخلاف اس کے " عقل معاد " جو کہ ایسے واقعات کو تسلیم کرنے پر خدا وند عالم کی طرف سے ہدایت یاب اور منصور ہے اور انوار نبوت سے فیضیاب ہوکر ان پر پختہ اور تصدیقی یقین رکھتی ہے ہمیں اس بات کی ترغیب دلاتی ہے کہ ہم عقل معاش کو چھوڑ کر اپنی اصل توجہ اور ہمت عقل معاد کے حصول میں صرف کریں تا کہ انسانیت کے اعلٰی مراتب اور روحانی مدارج حاصل کرسکیں -

آغا صاحبؒ مزید فرماتے ہیں کہ فطرت انسانی میں دونوں قسم کی عقل کا بنیادی مواد موجود ہے - لیکن عقل معاد ، عقل معاش پر نہایت درجہ فوقیت رکھتی ہے - اور ہمیں اس عقل کی اہمیت و افادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ، عقل معاد کے حاصل کرنے اور اس کو قبول کرنے کی کوشش کرنی چاہئے - کیونکہ عقل معاد عالم آخرت کے عیش و آرام کے اسباب مہیا کرنے کی طرف راہنمائی کرتی اور ان کے ثمرات کا یقین دلاتی ہے جیسا کہ اسباب راحت ابدی اور نجات کا پا جانا ، جنت کا حصول اور دخول جہنم اور وہاں کے درد ناک عذاب سے اپنی جان کو چھڑا لینا وغیرہ اور یہ سب امور عقل معاد کی رہنمائی اور تدابیر پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہیں -

حضرت آغا صاحب ایک مرتبہ پھر عقل معاش کے نقص کی دلیل پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عقل معاش تو محسوسات دینوی کی بھی پوری طرح سمجھ اور ادراک نہیں رکھتی ، مثلا وہ ہمیں یہ نہیں سمجھا سکتی کہ آخر ستاروں میں تاثیرات کیوں پائی جاتی ہیں ؟ جڑی بوٹیوں میں آخر مختلف اور مخصوص خواص کیوں موجود ہیں ؟ چقماق پتھر میں آگ کیسے پوشیدہ ہے ؟ مقناطیس آخر ہمیشہ قطب شمال کی طرف ہی کیوں اشارہ کرتا ہے ؟

31 - ص - تحریک الہیات

اور مادہ کھجور آخر نر کھجور کی طرف کیوں کر جھک جاتی ہے ؟ مزید یہ کہ ہماری یہ زمین اتنی بوجھل ہونے کے باوجود آخر ہوا میں کس طرح قائم ہے حالانکہ یہ سب امور ہمارا روز مرہ کا مشاہدہ اور تجربہ ہیں -

سوچنے والی بات یہ ہے کہ جس خدا وند کریم و قادر کی قدرت کاملہ ہمیں عالم شہادت میں دن رات ایسے عجائبات دکھا رہی ہے تو کیا وہی قدرت ان امور آخرت پر جو فی الحال ہماری نظروں سے غائب اور ہماری عقل معاش کی سوچ کے دائرے سے باہر ہیں قادر نہیں کہ ان کو وجود میں لا سکے مزکورہ بالا دلائل کے بعد حضرت آغا صاحبؒ ہمارے دلوں کو عقل معاد کے قبول اور تسلیم کی صلاحیت اجاگر کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اس سلسلے میں ہم یہاں ان کے ہی الفاظ نقل کرتے ہیں کہ " عقل معاش کے ناقص ، قاصر اور کم مایہ ثابت ہوجانے کے بعد ہم پر لازم ہے کہ اس کی پیروی کرنے سے بچیں اور عقل معاش کے زیر تحت ، مصلحت خداوندی میں کمی اور کجی ڈھونڈنے سے باز رہیں تا کہ ہم خلود جہنم سے بچیں - ہمیں ہرگز خدا وند کریم اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو ، عقل معاش کے ترازو میں نہیں تولنا چاہئے تا کہ دنیا اوز آخرت کے خسارے سے محفوظ رہیں - بلکہ ہم کو عقل معاد یا عقل آخروی کی پیروی کرنی چاہئے جو کہ ہماری صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور یہ اندھیروں کا چراغ اور آڑے وقتوں کی مشکل کشا ہے - سبب اس کا بنیادی طور پر یہ ہے کہ دراصل اسلام کی بنیاد ، تسلیم و یقین اور قرآن مجید کی خبروں پر بن دیکھے ایمان لانے اور ان کو بلا حیل و حجت تسلیم کرنے پر ہے اسی لئے انسان سے آخرت میں یہ سوال کیا جائے گا کہ یہ سب خبریں ، امور آخرت کے واقع ہونے کے بارے میں تم نے بلا دلیل طلب کئے ، بلا حیل و حجت تسلیم کی تھیں یا نہیں ؟ یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے ان اخبار کے بارے میں دلیل بھی طلب کی تھی یا نہیں ؟ یہی

وجہ ہے کہ حضرت نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے " سورہ ہود " میں فرمایا گیا کہ " استقامت اختیار کیجئے ، جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے " آپ سے یہ نہیں فرمایا گیا کہ اس پر دلیل بھی طلب کیجئے ۔

کتاب کے دوسرے حصے میں مصنفؒ نے ان عقائد پر نہایت عالمانہ انداز اور جامعیت کے ساتھ بحث کی ہے جو کہ فرقہ ناجیہ ، سواد اعظم یعنی اہل سنت والجماعت کا جزو ایمان ہیں اور درحقیقت اس انداز میں شبہات اور مبہمات کو دور کیا ہے کہ ایک ایک چیز اور عقیدہ کے متعلق قرآن مجید اوراحادیث مبارکہ سے دلائل پیش کئے ہیں مثال کے طور پر سب سے اول عقیدہ توحید اور ذات باری تعالیٰ پر ایمان کا ذکر ہے "امنت باللہ" کے ذیل میں وہ نہ صرف فوری طور پر "اقرار باللسان" اور "تصدیق بالقلب" کی تلقین کرتے ہیں ، بلکہ صفات باری تعالیٰ بھی بیان کرتے ہیں مثلا یہ کہ " اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے اسی کی حمد ہے اور اسی کو ملک سزا وار ہے وہ ہی حیؔ وہ ہی قیوم ، وہ ہی قادراور بے نیاز ہے نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوا۔ اس کا شریک یا اس کا مثیل اور اس کا ہم جنس کوئی نہیں۔ وہ سمیع ، بصیر ، علیم اور متکلم ہے وہ ہی ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے وہ ہی اول ، وہ ہی آخر ، وہ ہی ظاہر

تشریح

فرقہ اہل سنت والجماعت

اس فرقہ کو سواد اعظم بھی کہا جاتا ہے کیونکہ امت مسلمہ کا بڑا حصہ یعنی سواد اعظم فرقہ اہل سنت والجماعت پر ہی مشتمل ہے فرقہ اہل سنت والجماعت کے عقائد یہ ہیں کہ اللہ پر اس کے تمام رسولوں پر قرآن پاک پر فرشتوں پر اور دیگر آسمانی کتب پر حیات بعد الموت پر اور قیامت پر حساب کتاب پر ، پل صراط اور میزان عمل پر ، جنت دوزخ پر ، سوالات قبر پر ، عذاب و ثواب قبر پر ، حوض کوثر پر ، نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر۔ ایمان لانا اور دل سے ان کی تصدیق کرنا ۔

یہ فرقہ نہ صرف قران و
سنت و احادیث کو بلکہ آئمہ
اربعہ کو بھی احکامات دین
کے استباط کے بارے میں
مانتا ہے یعنی اجماع اور قیاس
اور "جماعت" یعنی اس حکم
یا قول کو بھی مانتا ہے جس
کی پیروی مسلمانوں کی بڑی
جماعت نے کی ہو -

وہ ہی باطن ، وہ ہی ازلی ، وہ ہی ابدی
ہے - اس کی ذات اور صفات اور اس کے
افعال میں کوئی اس کا شریک نہیں ، وہ
جو چاہتا ہے کرتا ہے - اس کے فرمان کی
شان یہ ہے کہ جب وہ کوئی چیز پیدا کرنا
چاہتا ہے ، تو فرما دیتا ہے " کن " یعنی
" ہوجا " اور بس پھرچاہے وہ چیز عظیم
ہو یا حقیر پیدا ہو جاتی ہے باری تعالیٰ کا
کوئی جسم نہیں ، کیونکہ جسم کو ترکیب لازم
ہے اور وہ ترکیب سے منزہ ہے - وہ نہ کسی
مکان میں ہے نہ زماں میں ، اس پر کوئی زمانہ نہیں گزرتا ، کیونکہ زمانہ
نام ہے ، دن اور رات کی گردش اور ان کے یکے بعد دیگرے آنے جانے کا
اور اس کی بارگاہ اقدس میں دن اور رات کا کوئی گزر نہیں کیونکہ وہ تو
خود خالق زمانہ اور اس کا گردش دینے والا ہے اس کے مثل کوئی شئے
نہیں - اس کی ذات اور صفات اور اسرار و افعال اور اس کے احکام کی
مصلحتوں اور ان کے جاری ہونے پر غور کرنے میں ، اولین اور آخرین کی
عقول حیران و سراسیمہ اور ہوش پراگندہ ہیں -

اسی طرح " ایمان بالملائکہ " کے ذیل میں وہ فرماتے ہیں کہ
کہہ دو " میں ایمان لایا ، اللّٰہ کے فرشتوں پر ، جس طرح کہ وہ علم الٰہی
میں ہیں اور خصوصاً حاملین عُرش الٰہی پر مقربین الٰہی پر اور آسمانوں میں
تسبیح کرنے والوں پر - اور اس پر یقین رکھو کہ ملائیکہ گناہوں سے پاک اور
اور کھانے پینے ، نرو مادہ ہونے اور خداوند کریم کی نافرمانی سے بری ہیں
اور اسی طرح اللّٰہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی تمام کتابوں پر ایمان

لاؤ یہ سوچ اور سمجھ کر تصدیق قلبی کے ساتھ کے وہ سب آسمانی کتب اور کلام الٰہی ہیں -

اور اصولوں پر ایمان لانے کے بارے میں حضرت آغا صاحب فرماتے ہیں کہ یہ اعتقاد رکھو کہ کل انبیاء علیہم السلام اور رسول ، معصوم ہیں انہوں نے حق تبلیغ ادا کر دیا اور اس میں انتہائی درجہ کی کاوش اور جانفشانی دکھائی اور یہ کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی خصوصاً ہمارے آقا و مولا یعنی حضرت محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو سب انبیاء اوررسولوں پر فضیلت بخشی ، یہاں تک کہ آپ کی اطاعت کو خود اپنی اطاعت قرار دیا - اور آپ کے نور کو سب مخلوقات سے اول پیدا فرمایا اور آپ ہی کے نور سے ، زمین و آسمان پیدا کئے اور تمامی انبیاء اور رسل کو یوم قیامت میں آپ کے ہی جھنڈے کے نیچے جگہ دی اور مزید یہ کہ حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو شفاعت عظمیٰ کا مرتبہ ، عظمت اور منصب عطا فرمایا اور آپ کو اسی دنیا میں معراج عطا فرمائی اور اپنے دیدار جل شانہ سے مکرم و مشرف فرمایا اور اپنے مقام قرب میں " قاب قوسین او ادنیٰ " کا درجہ عطا فرمایا -

اس کے بعد ایمان " بالیوم الآخر " کے بارے میں فاضل مصنف وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس بات پر ایمان لاؤ کہ یوم قیامت برحق ہے جس کی لمبائی پچاس ہزار برس ہوگی ، لیکن قدرت حق سے ، صالحین کے لئے یہ دن اتنا مختصر ہو جائیگا کہ جس قدر وقت میں دو ہلکی رکعت نماز کی ادا کی جا سکتی ہیں اور اس میں حیرت کی قطعاً کوئی بات نہیں کیونکہ خداوند قادر و حکیم زمانے کا خالق ہے وہ جس وقت کو چاہے طویل اور جس وقت کو چاہے مختصر کر دے -

اس کے علاوہ ، جنت و دوزخ کے موجود ہونے اور لوگوں کے ان میں داخل ہونے اور پھر مومن اور کافر ہونے کے ناطے سے ان میں ابداًالاًبلد

تک رھنے کو برحق سمجھے اور پل صراط کے ھونے کو بھی برحق سمجھے ، جو کہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ھے اور جو قیامت کے روز جنت اور دوزخ کے درمیان ، جہنم کے اوپر بچھایا جائے گا - ساری مخلوقات اس پر سے گزریں گی اور پھر حکم خداوندی کے مطابق نیک اور صالح لوگ اس پر سے بخیریت گزر کر جنت میں داخل ھوں گے اور گنہگار اس پل پر سے جہنم میں جا گریں گے -

اس کے علاوہ ، اس بات پر بھی یقین کامل رکھیں کہ خیر اور شر درحقیقت خداوند ذوالجلال کے ھی پیدا کردہ ھیں اور یہ بھی کہ کل مخلوقات کے لئے خداوند کریم ان کے پیدا کرنے سے قبل ھی خیر اور شر مقرر فرما چکا ھے - جیسا کہ خود اس نے بھی فرمایا ھے کہ " اللّٰہ تعالیٰ نے تمھیں پیدا کیا اور تمھارے اعمال کو بھی " اور حضرت نبیٔ کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ھیں کہ " چار چیزیں ایسی ھیں کہ جو ابن آدم پر اس کی ماں کے پیٹ ھی میں لکھدی جاتی ھیں ، یعنی سعادت ، شقاوت ، عمر اور رزق " -

ک / فاضل مصنفؒ نے خیر اور شر کے بارے میں نہایت عالمانہ بحث کی ھے وہ فرماتے ھیں کہ " دراصل شر اس وقت شر اور خیر اس وقت خیر ھوتا ھے کہ جب اس کا تعلق بندوں کے افعال سے ھو ، لیکن اس تعلق سے پہلے شر میں کوئی برائی نہیں ، غالباً حضرت آغا صاحبؒ یہ کہنا چاھتے ھیں کہ شر اپنی ذات میں ایک جامد چیز ھے ، جب تک کہ اس کو استعمال نہ کیا جائے اور یہ کہ عموما ھر چیز کے دو استعمال ھوتے ھیں ، اچھا اور برا اور یہ انسان کی نیت پر منحصر ھے کہ وہ کسی چیز کا استعمال شر کے زیر اثر اور اس کے لئے کرتا ھے یا خیر کے زیر اثر ، اس بات کا فیصلہ ایک نہایت قوی حدیث بھی کر چکی ھے کہ " انما الاعمال بالنیات " یعنی اعمال کا دارومدار نیت پر ھے- دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ھے کہ ھر چیز کو خیر اور شر دونوں مقاصد

کے حصول کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے اور پھر اس کے استعمال کی نیت اور
افعال کے مطابق ہی اس پر خیر یا شر کا لفظ منطبق ہوتا ہے۔ اسی ذیل میں جناب
آغا صاحب نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ " جب شر برا ہے تو پھر اس کی
پیدائش کا فائیدہ کیا ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ " دیکھو سانپ کا زھر انسان کے لئے قاتل
لیکن خود سانپ کے لئے باعث حیات ہے اسی طرح ہوا ، انسان کے لئے باعث حیات
لیکن مچھلیوں کے لئے ہلاکت کا باعث ہے اسی طرح کفر و عصیان میں بھی بہت سے
فوائد ہیں ، جن کو ذات باری تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہیں جان سکتا پھر
بھی ظاہری فوائد کے طور پر کچھ فوائد ذیل میں درج کئے جاتے ہیں -

پہلا فائیدہ ۔ یہ ہے کہ کفر و عصیان ، اللہ تعالیٰ کے اس حکم و برد باری کا پتہ
دیتے ہیں کہ جو وہ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی روا رکھتا ہے اور
اس میں عقلمندوں اور مومنوں کے لئے اشارہ ہے کہ جب دنیا میں
خدا وند کریم اپنے دشمنوں تک پر اتنا مہربان اور رحیم ہے تو
آخرت میں اپنے دوستوں پر کس قدر اور کیا کچھ مہربان اور شفیق
نہ ہوگا - یہ خیال اور حقیقت ان کو خدا وند عالم کی محبت میں اور
آگے بڑھاتی ہے -

دوسرا فائیدہ ۔ یہ ہے کہ اس دنیا میں مسلمانوں کا امتحان ہو جائے کہ وہ چند
روزہ دنیاوی عیش و آرام اور ثروت و مال و جاہ پر فریفتہ ہوتے
ہیں ، یا دائمی ، آخرت کی زندگی کے آرام و سکون کے لئے صرف
خدا کی طرف ہی اپنے دلوں کو متوجہ رکھتے ہیں ، جیسا کہ حق
تعالی کا فرمان عالیشان ہے کہ " کیا لوگوں نے یہ خیال کر لیا ہے کہ
محض " آمنا " کہنے سے چھوڑ دئے جائیں گے اور فتنہ میں مبتلا نہ کئے
جائیں گے اور البتہ اس سے پہلے بھی ہم نے لوگوں کو فتنہ میں
ڈالا ، تا کہ اللہ تعالیٰ سچوں اور جھوٹوں کو جان لے -"

تیسرا فائیدہ ۔ یہ ہے کہ قیامت میں کفار کو گنہگار مومنین کی جگہ فدیہ کر دیا
جا ئیگا ، جیسا کہ احادیث میں وارد ہے ۔ اوریہدرحقیقت اللہ تعالیٰ
کا مومنون پر بڑا احسان ہے ۔
چوتھا فائیدہ ۔ یہ ہے کہ اسلام کا نور کفرو عصیان کے مقابل اور زیادہ روشن
تر ہو جائے ، کیونکہ سب چیزیں اپنی ضد کے ساتھ مقابلہ کرنے سے
ہی جانی جاتی ہیں اور ان کی قدرو اہمیت اعلیٰ طریق پر ظاہر
ہوتی ہے اور اس لئے بھی کہ مسلمان اس بات پر خدا کا شکر ادا
کریں ، کہ پرور دگار عالم نے ان کو کفر و سرکشی سے نجات بخشی
اور اسلام و ایمان کی نعمت عطا فرمائی ۔
پانچواں فائیدہ ۔ یہ ہے کہ اس پیدائش کفرو عصیان سے خدا وند صمد کی
بےنیازی ظاہر ہو ، جو کہ اس کو مخلوقات سے اور ان کے اعمال
سے ہے اور یہ بھی ظاہر ہو کہ اگر ، خدا وند عالم کو بندوں کے
اعمال خیر اور اعمال شر کی ذرہ برابر بھی پرواہ ہوتی تو وہ سب
کو مومن پیدا کر دیتا ، جیسا کہ اپنی بے نیازی کے بارے میں اس
کا فرمان والا شان ہے کہ " تحقیق اللہ کل مخلوق سے غنی اور
بے نیاز ہے " مزکورہ بالا وضاحتوں کے بعد حضرت مصنف دوبارہ
اپنے زیر تبصرہ موضوع یعنی " اعتقاد " کی طرف دوبارہ متوجہ ہو
کر مزید فرماتے ہیں کہ " تم موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر
ایمان لاؤ کیونکہ اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بغیر ایمان
کامل نہیں ہوتا ۔

واضح رہے کہ " حیات بعد الموت " کا مسئلہ ، مسلمانوں اور کفار
کے درمیان ، نہایت طویل عرصے سے متنازعہ ہے ۔ کفار پچھلے زمانے سے لے
کر اب تک اس عقیدہ کے برحق ہونے کا انکار کرتے چلے آرہے ہیں اورمسلمان

یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو ذات والا صفات ، عدم محض سے مخلوقات کو پیدا
کر سکتی ہے - لازماً وہ منطقی طور پر اور فی الحقیقت اس بات پر بہ طریق
اولیٰ قادر و مختار ہے کہ اس انسان کو دوبارہ پیدا کردے - مزید یہ کہ یہ
مسئلہ ان اسلامی مسائل میں سے ہے کہ جن کے اثبات اور حق ہونے کا خود
قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ " انسان کہتا ہے کہ ان ہڈیوں کو بوسیدہ ہونے
کے بعد کون زندہ کرے گا ؟ کہدیجئے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ، کہ
وہ ہی خدا زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا ، اور وہ ہر
چیز کا خالق ہے - "

ع / ۱

حضرت آغا صاحبؒ اس کے بعد ایک دوسرے موضوع یعنی " محبت
آل و اصحاب رسول " صلی اللہ علیہ وسلم " پر بات شروع کرتے ہیں اور
اس کو امور و اعمال ناجیہ میں شمار کرتے ہوئے ، خبردار کرتے ہوئے فرماتے
ہیں کہ " ان امور میں جو کہ ناجی عذاب آخرت ہیں ، ایک نہایت اہم چیز
محبت آل و اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے- جس پر حضرت رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو نہایت ذوق و شوق دلایا ہے- ترغیب دلائی
ہے اور عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے- نہ صرف اتنا ہی بلکہ قرآن پاک بھی
ان حضرات کی تعریف فرماتا ہے - جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ
نمبر1 - " محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ، اللہ کے رسول ہیں اور جو
لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے حق میں نہایت سخت اور آپس
میں نرم دل ہیں - اے مخاطب تو ان کو رکوع اور سجدہ کی حالت
میں دیکھتا ہے کہ وہ اللہ کا فضل اور خوشنودی طلب کر رہے ہیں
سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر نشان ہیں - "
نمبر2 - " اور پہلے پہل سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار اور جنہوں
نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی ، اللہ ان سے راضی اور وہ

سب اللہ سے خوش - اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کررکھے ہیں ، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں -"

اب یہ بات صاف طور پر ظاہر اور عقل والوں پر روشن ہو جاتی ہے کہ جب خداوند کریم نے خود اپنی خوشنودی ، مہاجرین و النصار اور ان کی اخلاص کے ساتھ متابعت کرنے والوں کے لئے ظاہر فرمائی ہے تو خوشنودی صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو کہ مسلمان ہوئے، اور بعد اخلاص و محبت ، ان مہاجرین اور انصار کے تابع ہوئے -

لیکن اس کے برعکس ، وہ لوگ جو ان مہاجرین اور انصار کے ساتھ بغض اور عداوت رکھیں ، تو وہ کبھی بھی اللہ کی خوشنودی کے مستحق نہیں ہو سکتے -

قرآن پاک کے بعد محبت آل و اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید کرنے والی اور اس پر ذوق و شوق دلانے والی ذات خود آں حضرت ص کی ہے جیسا کہ احادیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے کہ

نمبر1 - اللہ پاک نے پہلے مجھے منتخب فرمایا اور پھر میرے لئے ، میرے اصحاب منتخب فرمائے تو جو شخص ان سے محبت کرتا ہے تو میری ہی محبت کی وجہ سے ، اور جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے تو مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ہی رکھتا ہے - "

نمبر2 - " ڈرو اللہ سے ڈرو اللہ سے میرے اصحاب کے بارے میں تم ان کو اپنے اغراض کی آماجگاہ نہ بناؤ ، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ، اللہ کی راہ میں خرچ کردے تو بھی ان اصحاب کے ایک چھوٹے سے پیمانے بلکہ اس سے بھی آدھے کہ برابر بھی ہو سکتا -"

نمبر3 ۔ نیز فرمایا کہ " میرے اصحاب ستاروں کی مانند ھیں ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کروگے ، ھدایت یاب ہوگے ۔ ع ۱

جب آل و اصحاب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف خود قرآن پاک فرما رہا ہے اور خود حضرت نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے محبت کو اپنی ذات برکات سے محبت ، اور ان سے بغض رکھنے کو خود اپنی ذات گرامی سے بغض ، ارشاد فرمایا ہے ، تو کسی مسلمان کو یہ بات کس طرح جائز ہو سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات سے بغض بھی رکھے ، اور اسلام کا دعوی بھی کرے ۔"

عقیدہ محبت آل و اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت کرنے کے بعد ، آغا صاحبؒ نے اولہ اربعہ یعنی کتاب ۔ سنت ۔ اجماع اور قیاس کو تسلیم کرنے ، ان کی ضرورت ہونے اور ان کے درست ہونے کے بارے میں بحث کی ہے اور اس سلسلے میں نہایت مضبوط اور منطقی دلائل دئے ھیں اس سلسلے میں وہ حضرت نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارک بیان فرماتے ھیں کہ " میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی " اس حدیث سے وہ اس طرح استنباط کرتے ھیں کیوں کہ امت مسلمہ کا بڑا حصہ مزکورہ بالا اولہ اربعہ کو مانتا ہے اور مزکورہ بالا حدیث کے مطابق امت مسلمہ کی جماعت یعنی امت کا بڑا حصہ گمراہ نہیں ہو سکتا ، اس لئے اولہ اربعہ کو تسلیم کرنا درست اور جائز ہے کیونکہ امت کا بڑا حصہ راستی پر ہی ہوگا ۔ اسی سلسلہ میں وہ ایک اور حدیث بیان فرماتے ھیں کہ " تم اپنے اوپر میری سنت کو لازم رکھو اور ان خلفاء کی سنت کو ، جو میرے بعد فیض رساں ھیں " اس حدیث کی تشریح اور اس کا تعلق وہ اولہ اربعہ کی تسلیم اور تقلید سے اس طرح ثابت کرتے ھیں کہ بقول آغا صاحب کے کہ " اگر شرع شریف میں دور صحابہ تک اجماع نہ ہوتا ، تو حضرت شارع علیہ السلام خلفائے راشدین اور باقی اصحاب کی

طریق النجات ص ۔ 60

سنت کی پیروی کی تاکید نہ فرمائے - نیز پھر وہ قرآن پاک کا بیان سامنے لاتے ہیں کہ " اگر اس کو (کسی بات کو) پہنچا دیتے وہ اپنے رسول اور اولیٰ الامر تک ، تو اس کی مصلحت علوم کر لیتے ، ان میں سے وہ جو مصلحت علوم کر سکتے ہیں " حضرت صاحبؒ کی وضاحت کے مطابق یہاں پر اولیٰ الامر سے مراد علمائے مجتہدین ہیں - "

ان محولہ بالا احادیث ، آیت قرآنی اور ان کی وضاحت کے بعد انہوں نے ضرورت تقلید اولہ اربعہ پر نہایت مدلل اور فاضلانہ بحث کی ہے اور ضرورت تقلید کو نہایت راستی اور انصاف کے ساتھ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے ثابت کیا ہے -

اس ضمن میں انہوں نے نہایت واضح اور پر اثر انداز میں سب سے پہلے یہ ثابت کیا ہے کہ آخر احادیث مبارکہ کی پیروی کی ضرورت کیوں ہے اس سلسلے میں وہ فرماتے ہیں کہ " قرآن پاک میں نماز ادا کرنے اور زکواۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے - لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ کس وقت کتنی رکعت نماز اور کس طرح ادا کی جائے اور اسی طرح یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ کس مال پر کتنی اور کب زکواۃ ادا کرنی ہے - قرآن پاک کی آیت اور احکامات کی تشریح اور وضاحت ، احادیث شریفہ سے ہوئی - اگر یہ احادیث مبارکہ نہ ہوتیں تو لوگ سخت مشکل و پریشانی میں پڑجاتے - نیز یہ کہ احادیث مبارکہ کی تصدیق خود قرآن پاک فرما رہا ہے کہ ~~کہ~~ ~~ہے~~ جیسا

نمبر1 - " رسول جو کچھ تمہارے پاس لائیں ان کو لے لو اور جن چیزوں سے وہ روکیں ، ان سے رک جاؤ - "

نمبر2 - " جس نے رسول کی اطاعت کی ، بس بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی - "

نمبر3 - " بے شک جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کا اور

چاهتے هیں که فرق نکالیں ، الله اور اس کے رسولوں میں اور کہتے هیں که
هم بعض کو مانتے هیں اور بعض کو نہیں مانتے اور وہ چاهتے هیں کہ نکالیں
کفر اور ایمان کے بیچ بیچ ایک راہ - ایسے لوک یقیناً کافر هیں اور هم نے تیار
کر رکھا ھے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب " بقول مصنف ، احادیث مقدسه کی
اهمیت اور صداقت کے منکرین کے لئے یه آیات ربانی کافی هیں - نیز فرماتے
هیں که شریعت مطہرہ کے بہت سے احکام ، اجمال پر هی باقی تھے ، یہاں
تک که صحابه اور تابعین کے دور میں ان کی وضاحت و تشریح هوئی -

مزکورہ بالا بحث کو سمیٹتے هوئے حضرت آغا صاحبؒ دو نہایت اهم
سوالوں کی طرف توجه کرتے هیں اور اهل اسلام کو عموماً اور فرقه اهل سنت
والجماعت کو خصوصاً ، ان شک پیدا کر دینے والے سوالوں کے خلاف ایک ایسی
مضبوط دلیل مهیا کرتے هیں که کسی بھی صاحبِ نظر کا ظرف اور انصاف اس
کو رد نہیں کر سکتا - مثال کے طور پر پہلا سوال یه اٹھتا ھے که آخر آئمه
دین اور خصوصا " اوله اربعه " کی تقلید کی کیا ضرورت ھے ؟-

حضرت صاحبؒ اس سوال کا نہایت مدلل جواب دیتے هوئے فرماتے
هیں که " جس طرح حدیث پاک قرآن مجید کی تفسیر اور شرح ھے ، اسی
طرح سنت رسول کریم صلی الله علیه وسلم کو سمجھنے کے لئے همیں ان بزرگان
دین کے علم اور اجتهاد کی احتیاج ھے کیونکه حضرت نبیؐ کریم صلی الله علیه
وسلم کی احادیث مبارکه زمانے کے تغیر اور اختلاف کے لحاظ سے " ناسخ اور
منسوخ " اور " مقدم و موخر " اور " راجح و مرجوح " هیں پس احادیث صحیحه
سے احکام کا استنباط ، مجتهدین دین اسلام کا کام ھے اور اس میں هرکس و
ناکس دم نہیں مار سکتا - نیز یه که اگر صرف احادیث مبارکه هی احکامات اسلامی
کے استنباط کے لئے ، زمانے کے تغیر اور تبدیل کے باوجود کافی و شافی
هوتیں تو پھر حضرت رسول کریم صلی الله علیه وسلم کویه فرمانے کی ضرورت

ع ا

پیش نہ آتی کہ " تم پر لازم ہے کہ میری سنت کو اور میرے خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑو -" اور اگر خلفائے راشدین اور باقی اصحاب کی سنت ہی سارے واقعات جزئیہ اسلامیہ کے لئے ، جو کہ خاص خاص اوقات میں پائے جاتے ہیں ، کافی ہوتی تو حضرت نبئی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو یہ فرمانے کی ضرورت ہرگز پیش نہ آتی کہ " بڑی جماعت کی پیروی کرو ، جو اس سے جدا ہوگا وہ آگ میں ڈالا جائے گا -" اور مزید یہ کہ " میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتی -" اس کے علاوہ آپ نے حضرت ابو سعید حذریؓ اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ " لوگ تمہارے پاس تابع ہوکر ، روئے زمین کے اطراف سے کھنچے ہوئے آئیں گے ، تاکہ دین میں فقاہت یعنی دین کی سمجھ حاصل کریں ، تو تم ان سے اچھی طرح پیش آنا -" (ابن ماجہ)

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے کہ " دین میں اور بھی بےشمار صلحاء اور فقہاء گزرے ہیں ، تو یہ کیوں ضروری ہے کہ امت مسلمہ ، بس ان ہی چار طریقوں یعنی حنفی ، مالکی ، شافعی اور حنبلی کی تقلید کرے ؟ کیوں نہ کسی اور صالح بزرگ کے راستے کی تقلید کی جائے -؟

حضرت صاحبؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ " سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ ان چاروں اصحاب کے علاوہ اور کسی بزرگ اور صالح فرد کا مذہب تفصیل کے ساتھ مشہور بھی نہیں ہوا ، اور امت نے انہی چاروں کی تقلید کی ہے - اس وجہ سے ان ہی کی تقلید ہی مناسب اور لازم ہے کیونکہ امت کا بڑا حصہ یعنی " سواد اعظم " ان ہی کا مقلد ہے اور مزید دلیل ان کے قابل تقلید ہونے کی یہ بھی ہے کہ حضرت شارع علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ " میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہ ہوگی " اب دیکھنے والی چیز یہ ہے کہ امت کا بڑا حصہ کس بات اور کس چیز پر جمع ہو رہا ہے ؟ پس اسی چیز کی تقلید ہمارے لئے بھی لازم ہے - اس کے علاوہ مزکورہ فقہاء نے ، فقہ کی

محمد رفیق الخان ۔ یو ۔ 77

کتابیں ، باب باب اور فعل فعل کرکے جمع کیں ، تصنیف کیں ، اور مدون کیں ،
اور اسلام کے راستے کو عامته المسلمین کے لئے آسان کر دیا اور امت نے خوشی
خوشی ان کے مذاھب کو تسلیم کیا ما سوا ان سب باتوں کے ، ان مزکورہ بالا
بزرگوں میں ، بعض فروعی مسائل کے سوا ، کوئی بڑا اختلاف بھی نہیں اور
یہ بھی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیه وسلم کے فرمان مبارک کے موجب ھے
که آپ نے فرمایا " میری امت کا درمیانی اختلاف رحمت ھے۔"

ان مسائل اور سوالات کو فرقه اھل سنت والجماعت کے عقائد کے مطابق
دائرہ شریعت اسلامیه میں رھتے ھوئے حل کرنے اور وضاحت سے سمجھانے کے
بعد حضرت آغا صاحبؒ نے ، ھماری زیر تبصرہ ، اپنی کتاب " طریق النجات "
میں ایک اور نہایت اھم موضوع اور مسئلے یعنی " بدعت " کی طرف توجه فرمائی
ھے اور اس کی اصل و بنیاد اور فروع کو اس تفصیل کے ساتھ سمجھایا ھے
که کوئی پہلو اس مسئله کا تشنه اور باقی نہیں چھوڑا مثال کے طور پر سب
سے پہلو انہوں نے لفظ " بدعت " کی تشریح اور وضاحت کے ذیل میں فرمایا
ھے که " بدعت کا مطلب ، ایسی چیز دین میں پیدا کرنا ، یا جاری کرنا ھے
که جس کی پہلے کوئی نظیر یا مثال موجود نه ھو۔" پھر اس کے ساتھ
ساتھ انہوں نے مخالفین بدعت کی دلیل کے طور پر پیش کی جانے والی یه
حدیث بیان کی ھے که " ھر بدعت گراھی ھے ، اور ھر گمراھی دوزخ میں
ھے۔" حضرت آغا صاحبؒ اس حدیث کی تفسیر کرتے ھوئے فرماتے ھیں که " وہ
چیز یا طریقه جو حضرت شارع علیه السلام کے دور مبارک میں وجود نه رکھتا
ھو اور سنت کے مخالف اور محارض ھو " یعنی اس کا مطب یه ھوا که " جو
چیز دین میں نو پیدا شدہ ھو اور سنت کے مخالف نه ھو وہ بدعت نہیں ، بلکه
" مباحات شرعیه " میں داخل ھے اور اس کی دلیل یه حدیث ھے که " تم
میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو ، جو میرے بعد ھیں لازم پکڑو

اب یہاں یہ بات قطعی طور پر منطقی اور سمجھ میں آجانے والی ھے کہ خلفائے راشدین کی سنت ، عین سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ھو سکتی ، کیونکہ اگر ایسا ھو تو پھر خلفائے راشدین کی تقلید کس طرح کی جا سکتی ھے ؟

پس ثابت ھوا کہ بدعت کی دو قسمیں ھیں ، یعنی بدعت حسنہ ، جیسے نماز تراویح ، حکومت کے لئے دفتر اور عدالتیں بنانا ، قرآن پاک کو مصحف میں میں جمع کرنا مساجد کو منقش کرنا ، مدرسے اور سرائے بنوانا اور علوم دین کی اشاعت کرنا وغیرہ وغیرہ ۔

اور بدعت سیئہ وہ ھے جو کہ سنت کے مخالف ھو اور پہلے اس کی کوئی نظیر موجود نہ ھو ۔ ع ۱

بدعات کے موضوع کے بعد فاضل مصنف نے اعمال بدینہ ، ان کی ادائیگی ان کا پس منظر ، جواز وجود اور ان کے فوائد سے بحث کی ھے ۔ فرماتے ھیں کہ " مسلمان ھونے کے بعد ، انسان مکلف اور مسئول ھے اور علم فقہ دراصل اعمال بدینہ یعنی نماز روزہ ، زکواتہ اور حج کی تفصیل ھے اور ظاھر کی اصلاح کا دارومدار اعمال بدینہ پر ھے اور مسلمانوں پر لازم ھے کہ اعمال بدینہ پر عمل پیرا ھوکر ، مقامات بلند اور درجات عالیہ حاصل کریں اور ان کو ترک کرکے یا ان سے بے نیازی برت کر نقصان نہ اٹھائیں ۔ سارے اعمال کی جڑ اور بنیاد و اصل " اخلاص " ھے اور اخلاص نیت کو صحیح کرنے سے مشروط ھے اوراگر تھوڑا سا نیک عمل بھی ، نیک نیت اور اخلاص کے ساتھ کیا جائے ، تو وہ بغیر اخلاص کے عمل کثیر سے بہتر اور بڑھ کر ھے ۔ کیوں کہ آنحضرت صلعم فرماتے ھیں " سب اعمال کا دارومدار نیت پر ھے " اور ھر آدمی وہ ھی پائیگا جس کی اس نے نیت کی " یہاں آغا صاحبؒ ایک اور نکتہ بیان کرتے ھوئے فرماتے ھیں کہ " یہ ھی وجہ ھے کہ حضرات صحابہ کا ایک " مد " یا اس کا نصف بھی (اور لوگوں کے مقابلے میں) اللہ کی راہ میں جبل احد کے برابر سونا خرچ

85 - ص - محرم الحرام

کرنے سے بہتر ہے "۔ پھر اخلاص کی وضاحت کی ہے کہ اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہایت عاجزی اور سچائی سے ، محض اس کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لئے کی جائے نہ کہ جنت کے لالچ یا دوزخ کے خوف سے ۔

مزید فرمایا کہ اخلاص اور نیک نیتی سے کیا ہوا اعمال بدنیہ کا تھوڑا سا حصہ بھی خداوند کریم کے پاس بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے ۔ پھر فرمایا کہ اعمال بدنیہ میں سے اہم ترین عمل نماز ہے اور خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد ، نماز سے بڑھ کر افضل ، کوئی عمل نہیں ۔ یہ وہ عمل بدنیہ ہے کہ جو سب پر فرض ہے اور اس سے کوئی عاقل ، بالغ مسلمان مستثنیٰ اور آزاد نہیں ، چاہے وہ مسافر ہو یا مقیم آزاد ہو یا غلام ، بیمار ہو یا صحت مند ۔ نماز دین کا ستون اور جڑ و بنیاد ہے اور تمام عبادات کی اصل اور مغز ہے ۔ پھر نماز کی دونوں حالتوں کا ذکر فرمایا ہے یعنی وہ حالت نماز جو شرعاً اختیار کرنی چاہئے اور دوسری وہ حالت نماز جو کہ طریقت اور حقیقت میں بصد اخلاص اور نیت کی مکمل پاکی اور درستگی کے ساتھ ہونی چاہئے ۔

حضرت آغا صاحبؒ نے اعمال بدنیہ کے ذیل میں دن بھر کے اعمال و مشغولیت اور اوراد و وظائف کا ایک نقشہ یا نظام الاوقات بھی بیان فرمایا ہے جس میں انہوں نے حقوق الہٰی اور حقوق العباد پر سب سے زیادہ زور دیا ہے اور طالبان راہ حق و طریقت کے لئے راستہ متعین کیا ہے ۔

نماز کے بعد اعمال بدنیہ کے دوسرے رکن یعنی روزہ کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ " حدیث مبارکہ کے مطابق روزہ دوزخ کی آگ کے سامنے سپر ہے " اس کے علاوہ مزید فرماتے ہیں کہ روزہ وہ عبادت ہے جو کہ تمام عبادات میں سے نفس پر سب سے زیادہ شاق گزرتی ہے اور انسان کو نمود ونمائش

اور ریا کاری سے دور رکھتی ہے - اس کے بعد انہوں نے روزے کی قسمیں یعنی فرض ، واجب اور نفلی روزے بیان کئے ہیں اور ان چیزوں کا ذکر ہے جن کے وقوع پزیر ہو جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا مکروہ ہو جاتا ہے

اس کے بعد انہوں نے حج اور حج کے بعد زکواۃ کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان دونوں ارکان دین اسلام کو تفصیلاً وضاحت اور امثال کے ساتھ بیان کرتے ہوئے ان کے بارے میں نصوص قرآنی اور احادیث مبارکہ ، جو کہ ان سے متعلق ہیں ، بیان فرمائی ہیں - بعد ازاں انہوں نے صدقے کے حسنات اور اقسام بیان کئے ہیں جس میں وہ یہاں تک جا پہنچے ہیں کہ وضاحت کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ " ناجیہ امور میں سے صدقہ بھی ہے " اور مزید فرمایا کہ مخلوق خدا پر رحم کرنا اور خندہ پیشانی سے پیش آنا بھی صدقہ ہے - پھر صدقہ کے آداب بیان فرماتے ہیں کہ حدیث شریف کے مطابق صدقہ اس طرح دیا جائے کہ اگر دائیں ہاتھ سے دیا جا رہا ہو تو بائیں ہاتھ تک کو خبر نہ ہو اور نہ ہی کسی کو صدقہ دینے کے بعد اس پر احسان جتا کر لینے والے کو تکلیف دی جائے - ع/

اعمال بدینہ کے تذکرے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ نے " اعمال قلب و روح کا بیان فرمایا ہے اور درحقیقت یہ ہی موضوع ، زیر تبصرہ کتاب " طریق النجاتؒ کی اصل جڑ اور بنیاد ہے - درحقیقت اس موضوع پر لب کشائی کرنا آسان بات نہیں ، اس کے لئے عمیق علم ، نیت کی راستی اور عقل سلیم کی ضرورت ہے جیسا کہ وہ اس موضوع کی ابتداء سے پہلے اس کی تمہید میں خود فرماتے ہیں کہ " یہ باب ایک ایسا بحر وسیع ہے کہ اس کے ساحل تک توفیق الہٰی کی رہنمائی کے بغیر کوئی ہدایت یابؔ نہیں ہو سکتا " مزید فرماتے ہیں کہ " جاننا چاہئے کہ قلب اور روح ، دو ایسے نام ہیں کہ جو اس باب میں بہت استعمال ہوتے ہیں اور شاذو نادر ہی کوئی ایسا شخص پایا جائے گا ، جو کہ

طریق النجات - ص - 89

ان دونوں الفاظ کے معنی اور حدود سے واقف ہو اور اکثر غلطیوں کا سبب ان کے معنٰی سے ناواقف ہونا ہی ہوتا ہے - لیکن اس باب اور موضوع کے بارے میں جو کچھ بھی مستند علمائے ربانی سے ثابت اور منقول ہے ، وہ میں تمہیں کھول کر بتا دیتا ہوں " اور انہوں نے اس سلسلے میں جو کچھ بیان فرمایا ہے وہ حضرت امام غزالیؒ کی " احیاء العلوم " سے ماخوذ ہے ، جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ " اور جو میں اس سلسلہ یعنی اعمال قلب و روح کے تحت بیان کروں گا اس کا اکثر حصہ ، کتاب " احیا العلوم " سے مختصر کرکے لیا گیا ہے - "

اس موضوع کے اختتام پر حضرت آغا صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ " تم کو اس بات پر یقین رکھنا چاہئے کہ اخلاص جو کہ تمام اعمال بدینہ اور قلبیہ و روحانی کی اصل اور جڑ اور روح ہے ، اس وقت تک مستحکم نہیں ہوسکتا جب تک حق تعالیٰ کے ساتھ اپنے معاملے میں صدق دلی نہ پیدا کی جائے اوراپنے معاملے کی درستی ، اس فن شریف کے جاننے پر موقوف ہے ، اس لئے میں تمہارے سامنے اس فن کا ایک دروازہ کھولتا ہوں ، جس کو میں نے کتاب " حِکَمْ " تصنیف کردہ عارف باللّٰہ حضرت شیخ احمد بن محمد بن عبدالکریم بن عطا اللّٰہ اسکندرانیؒ سے منتخب کیا ہے ، کیونکہ مزکورہ بالا کتاب اس فن کا لب لباب ہے -

ع / ا

اس کے بعد حضرت آغا صاحبؒ نے مزکورہ کتاب کے ایکسوچھیاسی (186) نصائح اور اقوال نقل کئے ہیں- جن کا موضوع صبر، شکر ، ذکرالٰہی توکل علی اللّٰہ - اخلاص اور دعاء ہے - مزید یہ کہ اس کے بعد حضرت آغا صاحبؒ نے صاحب کتاب حضرت شیخ عطا الٰہی اسکدرانیؒ کی اکتیس (31) مناجاتیں نقل کی ہیں ، جو نہایت رقت آمیز ، اثر انگیز ہیں- اور جن میں ذات خدا وندی پر بھر پور توکل اور اس کی رحمت واسعہ پر مکمل بھروسہ ظاہر کیا گیا ہے-

کرتی النجات - ص - 172 تا 195

ان مناجات کے بعد خود حضرت آغا صاحبؒ نے اپنی مناجات به درگاه قاضی الحاجات نهایتِ عاجزانه اور پر تاثیر انداز میں پیش کی هیں مثلاً

نمبر1 ۔ اے میرے پروردگار اگر تو مجھے عذاب دے تو به سبب ان گناهوں کے جو مجھ سے هوئے میں سزا وار هوں ۔

نمبر2 ۔ اے پروردگار تیرا نافرمان بنده ، تیرے دربار میں حاضر هے۔ اس حال میں که اپنی خطاؤں کا اقرار کرتا هے اور تجھے پکار رها هے اگر تو اس کو بخشش دے گا ، تو ، تو اس بخشش کے هرطرح لائق هے اور اگر تو اس کو هنکا دے گا ، تو تیرے سوا ، اس پر بھلا کون رحم کرے گا ۔"

نمبر3 ۔ لوگ مجھے اچھا اور نیک خیال کرتے هیں اور میں سب سے برا هوں اگر تو نے مجھے عفو نه فرمایا "۔

****

تبصرہ برکتاب

" سفر نامہ عراق وشام براستہ نجد بیت الحرام "

اس سفر نامے کے مصنف حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی ہیں
یہ سفرنامہ 126 صفحات پر مشتمل ہے - سفرنامہ کی اصل زبان فارسی ہے اور
اس کو سندھی زبان میں جناب " ماسٹر اللہ بخش صاحب " نے ترجمہ کیا ہے
یہ سفرنامہ انڈس پرنٹرز رسالہ روڈ حیدرآباد سے شائع کیا گیا ہے-

سفرنامہ میں حضرت آغا صاحبؒ نے اپنے سفرحرمین شریفین " ،
" سفر عراق و شام کی زیارات " اور سفر بیت المقدس اور وہاں کی زیارات
کے احوال نہایت مفصل ، واضح اور پر تاثیر انداز میں بیان فرمائے ہیں اور
جا بجا یہ کوشش کی ہے کہ قاری کو مذکورہ بالا مقامات اور وہاں کی زیارات
کے بارے میں زیادہ سے زیادہ اور انتہائی مفید معلومات بہم پہنچائی جا سکیں-

درحقیقت یہ تمام سفر اس پر آشوب و خطرناک دور میں کئے گئے
ہیں کہ جبکہ ایک طرف تو سفر نہ صرف انتہائی دشوار، سفری سہولتیں نہ
ہونے کے برابر، اور مشکلات بے تحاشا تھیں، بلکہ اسی دوران جنگ عظیم اول
شروع ہو چکی تھی - جس کی وجہ سے سفر دشوار تر ہو گئے تھے - ہمیں
تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ صرف حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کا جذبہ ایمانی ، شوق
زیارات اور حوصلہ بلند تھا جس کی وجہ سے وہ مذکورہ بالا حالات کے
باوجود کسی مشکل ، کسی تکلیف کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنے رفیقوں
کے ہمراہ اس سفر مبارک پر نکل کھڑے ہوئے ساتھ ہی ساتھ ہمیں ان کے
رفیقوں کے جذبے کی داد بھی دینی پڑتی ہے جو کہ بغیر کسی شکوہ و شکایت
کے قدم قدم پر حضرت آغا صاحبؒ کے ساتھ رہے -

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

" آغــاز ســفــر " ع ١

حضرت آغا صاحبؒ اس مبارک سفر پر اپنے گھر " ٹنڈو سائیں داد " سے 1332ھ کی 23 تاریخ کو شعبان معظم کے مہینے میں بمطابق 17 جولائی 1914ء بروز جمعرات کو روانہ ہوئے ۔ آپ کے ہمراہ جملہ 18۔ افراد شامل سفر تھے جن میں حضرت آغا صاحبؒ کے فرزند مکرم عبداللہ جان سرہندی ۔ آغا صاحبؒ کے ساتھی و مرید میاں غلام دستگیر صاحب ، سید میاں ، عبداللہ شاہ صاحب سیوھانی ، سید فضل علی شاہ صاحب ، وڈیرو محمد حسن مہیر صاحب اور قاضی نظر محمد صاحب وغیرہ بطور خاص شامل تھے ۔

حضرت آغا صاحبؒ اپنے گھر سے نکل کر اسی روز کراچی پہنچے تا کہ وہاں سے بذریعہ بحری جہاز اپنے سفر پر روانہ ہوں ۔ کراچی سے ہفتہ کے دن حضرت آغا صاحبؒ وغیرہ بحری جہاز " ڈامر" میں "بصرہ" کی سمت روانہ ہوئے ۔ یہ جہاز رایستے کی مختلف بندرگاہوں مثلا ابو شائر اورمحمدہ سے ہوتا ہوا بدھ کے دن تقریباً 4 بجے بصرہ پہنچا ۔ ع ٢

بصرہ پہنچنے کے اگلے دن ہی سے رمضان مبارک شروع ہوگیا حضرت آغا صاحبؒ کے کچھ ساتھیوں نے روزے رکھے اور کچھ نے سخت گرمی اور سفر کی شدت کی وجہ سے رخصت شرعی کو اختیار کیا ۔ لیکن عالی حوصلہ حضرت آغا صاحبؒ نے نہ صرف روزے رکھے بلکہ ساتھ ہی ساتھ اپنے رفیقوں کی حتیٰ الامکان خدمت بھی بہ حسن و خوبی بجا لائے اور حق رفاقت ادا کیا ۔

ع ٣ حضرت آغا صاحبؒ بصرہ میں دو (2) صحابہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ، یعنی حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت طلحہؓ الخیر کی زیارت کرنا چاہتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ حضرت امام حسن بصریؒ کی زیارت بھی کرنا چاہتے تھے لیکن بدقسمتی سے ان دنوں اعرابی لوگوں کی شورش کے باعث یہ راستہ بند تھا اس لئے وہاں جانا ممکن نہ ہوسکا جس کا حضرت آغا صاحبؒ

کو نہایت افسوس ہوا - مذکورہ بالا زیارات بصرہ سے چھ (6) میل کے فاصلے ہیں -

" سفر بغداد "

حضرت آغا صاحبؒ بصرہ سے اتوار کی شب بحری جہاز میں سوئے بغداد روانہ ہوئے - راستے میں حضرت آغا صاحبؒ نے " مدائن شہر " کے نزدیک مشہور و قدیم ایرانی بادشاہ "نو شیرواں" کے مشہور زمانہ سفید محلات کے آثار قدیمہ بھی دیکھے جو کہ اب آثار عبرت ہیں - مزید یہ کہ دریائے دجلہ میں جہاز میں سفر کرتے ہوئے حضرت آغا صاحبؒ نے حضرت حذیفہؓ بن یمانی ، صحابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار پر انوار بھی دیکھا - جس کے نزدیک ہی حضرت سلمان فارسیؓ کا مزار پر انوار بھی واقع ہے - حضرت آغا صاحبؒ نے چلتے ہوئے جہاز ہی میں سے ان دونوں صحابہ کرام کے مزارات پر فاتحہ پڑھی - حضرت آغا صاحبؒ 9 رمضان مبارک بروز ہفتہ بغداد شریف پہنچے اور وہاں پر انہوں نے " سید عبدالسلام " کے مکان پر قیام کیا - ع۱

حضرت آغا صاحبؒ بغداد شریف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ " بغداد کا شہر خلیفہ ابو جعفر منصور " کا آباد کیا ہوا ہے - اس شہر کے وسط سے دریائے دجلہ گزرتا ہے - شہر نہایت آباد اور بھر پور ہے اور نئے بغداد اور پرانے بغداد دو حصوں میں منقسم ہے - نیا بغداد ، پرانے بغداد سے زیادہ آباد و پر رونق ہے -

" بیان زیارات بغداد " ع۲

بغداد شریف میں قیام کرنے کے فوراً بعد حضرت آغا صاحبؒ بمعہ اپنے رفیقوں کے حضرت پیران پیر ، شیخ الشیوخ حضرت محی الدین عبدالقادرؒ الجیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے اور فاتحہ پڑھی - آغا صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الشیوخؒ کے روضہ مبارک کا دروازہ اس

۱. سفر نامہ شاہ دراز - ص - 20
۲. ایضاً ص 22 تا 27

وقت بند تھا جو کہ نماز فجر اور نماز ظہر کے بعد آدھے گھنٹے کے لئے کھولا جاتا ہے لیکن عصر کی نماز سے ایک گھنٹہ قبل یہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے جو کہ مغرب تک کھلا رہتا ہے اس کے بعد یہ دروازہ مقفل کر دیا جاتا ہے حضرت محبوب سبحانیؒ کی خانقاہ عالیشان اور آپ کی مسجد بلند مینارے والی ہے -

مزید زیارات کی تفصیل اس طرح ہے کہ - حضرت آغا صاحبؒ نے دریائے دجلہ کے کنارے حضرت سید شیخ سلطان علیؒ کے مزار کی زیارت کی - اس کے بعد حضرت حبیب عجمیؒ ، حضرت شیخ سیدؒ صالح ابن حضرت محبوبؒ سبحانی ، حضرت شیخ معروف کرخیؒ کی زیارات کیں - آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بروایات حضرت شیخ معروف کرخیؒ کی تربت اجابت دعا کے لئے تریاق ہے - مزید برآں حضرت آغا صاحبؒ نے ہارون رشید خلیفہ کی بی بی ملکہ زبیدہ کی تربت کی زیارت کی - ان کے علاوہ حضرت ذوالنون مصریؒ ، حضرت جنید بغدادیؒ ان کے پیرو مرشد حضرت سری سقطیؒ ، حضرت بہلولؒ دانا اور حضرت شیخ ابراہیم خواصؒ کے مزارات کی بھی زیارات کیں - مزید برآں حضرت یوشع بنی علیہ السلام کے مزار کی بھی زیارت کی - دیگر زیارات جو حضرت آغا صاحبؒ نے کیں ان میں زیارات مزارات میں ، حضرت امام اعظم امام نعمان بن ثابت ابو حنیفہؒ اور حضرت شیخ شبلیؒ کے مزار کی زیارتیں بھی شامل ہیں -

" زیارت کاظمین شریفین " ع / ا

حضرت آغا صاحبؒ زیارات بغداد سے فارغ ہوکر " کاظمین " کے شہر تشریف لے گئے جو کہ بغداد سے کچھ دور واقع ہے اور وہاں پر آغا صاحبؒ قبلہ نے حضرت امام موسی کاظمی بن حضرت امام جعفر صادقؒ کی اور ان کے پوتے حضرت امام محمد تقیؒ کے مزارات کی زیارتوں کا شرف حاصل کیا - ان دونوں زیارتوں سے فارغ ہوکر آغا صاحبؒ قبلہ نے اسی جگہ موجود حضرت

امام ابو یوسفؒ کے مزار کی بھی زیارت کی جو کہ امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ھیں -

واضح رھے کہ حضرت آغا صاحبؒ قبلہ نے مذکورہ بالا تمام زیارات روزے کی حالت میں کیں اور کسی قسم کی تھکاوٹ یا تکلیف کا اظہار نہیں کیا -

حضرت آغا صاحبؒ بغداد شہر سے تین (3) میل باھر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مزار کی زیارت کے لئے بھی تشریف لے گئے ان تمام زیارات میں آغا صاحبؒ کے تمام رفیق ان کے ھمراہ رھے -

ان تمام زیارات پر حاضر ھونے اور فاتحہ پڑھنے کے بعد بھی حضرت آغا صاحبؒ معذرت کرتے ھوئے فرماتے ھیں کہ ھو سکتا ھے کہ بغداد شریف میں اور بھی کچھ زیارتیں ھوں جو کہ اس عاجز سے رہ گئی ھوں - حضرت آغا محمد حسن جان صاحب سرھندیؒ اور ان کے رفقاء نے بغداد شریف کی زیارتوں سے فارغ ھوکر کربلا معلی کا رخ کیا -

" احوال سفر کربلائے معلٰی " ع ۱

اس سفر کے ذیل میں بیان کیا ھے کہ ماہ رمضان کی 14 تاریخ بروز جمعرات حضرت آغا صاحبؒ اپنے ساتھیوں کے ھمراہ کربلائے معلٰی کی زیارتوں کے لئے نکلے اور گھوڑا گاڑیوں میں سوار ھوکر اگلی صبح کو کربلائے معلی پہنچے شہر سے تقریباً 4 میل پہلے حضرت عون بن حضرت علیؓ کا روضہ مبارک ھے اسی مقام پر ان کی شہادت ھوئی تھی - یہاں حضرت آغا صاحبؒ اور ان کے ساتھیوں نے فاتحہ پڑھی اور پھر کربلا کے شہر میں داخل ھوکر " خیر پور " سندھ کے رئیس " فیض محمد " کی قیامگاہ پر قیام کیا جو کہ وھاں اس وقت کے پرانے مقیم تھے -

تقریبا ایک گھنٹے کے آرام کے بعد حضرت آغا صاحبؒ زیارتوں کے لئے نکلے اور حضرت امام حسین سید الشہداؓ کے مزار مبارک پر حاضر ھوئے بہ قول

۱. سفرنامہ ... ص ۳۳

حضرت آغا صاحبؒ اس مزار مبارک پر اس قدر زورو شور اور گریہ و زاری کے ساتھ اہل تشیع حضرات مرد و زن گریہ کناں تھے کہ جس سے زیادہ امکان و تصور سے باہر ہے - حضرت سید الشہدا کے مقبرہ شریف کے اندر ہی آپ کے دو صاحبزادگان یعنی حضرت سید علی اصغرؓاور حضرت سید علیؓ اکبر کے مزارات مبارک ہیں اور اسی مقبرے میں دوسری جانب ایک چاندی کے کٹھرے کے اندر حضرت قاسمؓ بن امام حسنؓ اور دشت کربلا کے دوسرے شہدا کرام مدفون ہیں - آغا صاحبؒ فرماتے ہیں اور برحق فرماتے ہیں کہ درحقیقت یہ ایسی جگہ ہے کہ جہاں آنسوؤں کے بدلے خون رونا زیبا اور روا ہے -

اس زیارت کے بعد حضرت آغا صاحبؒ حضرت عباسؓ علمدار ابن حضرت علی ابن ابی طالبؓ کی زیارت کے لئے شہر کے دوسری طرف تشریف لے گئے اور وہاں فاتحہ پڑھی - ع/

حضرت آغا صاحبؒ اس بات کے نہایت خواہشمند تھے کہ "نجف اشرف" میں روضہ حضرت خلیفہ چہارم امام علی ابن ابو طالبؓ کی بھی زیارت سے مشرف ہوا جائے لیکن بدقسمتی سے ان دنوں جنگ عظیم کی وجہ سے گھوڑے گاڑیوں کو فوجی سامان و افراد کی نقل و حمل کے لئے بیگار میں پکڑا جا رہا تھا اس لئے کوئی بھی گھوڑا گاڑی بان نجف اشرف جانے کے لئے تیار نہ ہوا - ناچار حضرت آغا صاحبؒ زیارت " کاظمین " کے بعد واپس بغداد لوٹ گئے -

" سـفر بیت اللہ کا بـیان "

حضرت آغا صاحبؒ بغداد سے شام کے شہر " حلب" جانا چاہتے تھے تاکہ اپنے سفر کے اگلے مرحلے میں شام کی زیارات پر حاضری دیتے ہوئے وہاں سے حج بیت اللہ کے لئے حجاز مقدس چلے جائیں لیکن اسی دوران سلطنت عثمانیہ ترکیہ بھی جنگ عظیم میں کود پڑی اور اس نے عراق پر چڑھائی کردی ملک کے حالات بگڑ گئے اور عام فوجی بھرتی ہونے لگی - درایں حالات حضرت

آغا صاحبؒ نے سات آٹھ دن اس کوشش میں صرف کئے کہ شام جانے کی کوئی سبیل نکلے لیکن کچھ نہ ہو سکا مجبورا یہ سوچا کہ واپس " بمبئی " چلا جائے اور وہاں سے حاجیوں کے جہاز میں بیٹھ کر حجاز مقدس چلا جائے - لیکن اس سلسلے میں بھی یہ پریشان کن خبر سننے میں آئی کہ انگریز حکومت نے حاجیوں کے لئے جہاز فراہم کرنا بند کر دئے ہیں اور بمبئی سے بھی حجاز جانے کے لئے جہاز دستیاب نہیں ہیں -

مذکورہ بالا حالات میں حضرت آغا صاحبؒ اور ان کی جماعت نے ناچار واپس بغداد سے بذریعہ بحری جہاز بمبئی اور وہاں سے وطن جانے کا فیصلہ کیا اور یہ جماعت بغداد سے بصرہ کی سمت روانہ ہوئی لیکن چوتھی رات کو جب جہاز بصرہ پہنچا تو سب مسافروں کو جہاز والوں نے بصرہ کے سمندر میں ایک دوسرے چھوٹے جہاز میں یہ کہہ کر اتار دیا کہ جہاز میں کچھ خرابی ہو گئی ہے جس کو درست کرنے کے بعد سب لوگوں کو دوبارہ سوار کیا جائے گا لیکن ساری رات اس چھوٹے جہاز میں کاٹنے کے بعد پتہ چلا کہ درحقیقت سمندر میں " جرمنی " کے جہاز دیکھے گئے ہیں اس لئے سفر کو خطرناک سمجھتے ہوئے ملتوی کر دیا گیا ہے - ان حالات کے پیش نظر حضرت آغا صاحبؒ مجبوراً چھوٹے جہاز سے بندرگاہ پر آئے اور اپنے قیام کا انتظام کیا - حضرت آغا صاحب نے ان حالات میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں اپنی حالت زار ایک فریاد کی صورت میں نعتیہ انداز میں پیش کی اور ڈاک کے ذریعے جناب شمس الدین مدنی کو مدینہ شریف میں اس درخواست کے ساتھ روانہ کی کہ یہ منظوم فریاد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی جالیوں سے اندر داخل کر دی جائے - یہ منظوم فریاد جو کہ عربی زبان میں ہے ترجمہ کے ساتھ ذیل میں لکھی جا تی ہے -

ع ا

" منظوم فریاد حضرت آغا صاحب بحضور حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم "

****

یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ خُذْ بِیَدِیْ	مَا بِعَجْزِیْ سِوَاکَ مُسْتَنَدِیْ
کُنْ رَحِمًا لِذَلَّارَتِیْ وَاشْفَعْ	یَا شَفِیْعَ الْوَرٰی اِلَی الصَّمَدِیْ
اِعْتِصَامِیْ سُوٰی جِنَابِکَ لِیْ	لَیْسَ یَا سَیِّدِیْ اِلٰی لِاُحْدِیْ
صَلَوَاتِیْ عَلَیْکَ فِیْ الْمَلَوَیْنِ	کَانَ مُتَجَاوِزٌ عَنِ الْعَدَدِیْ
وَعَلَی الصَّحْبِ کُلِّھِمْ اَجْمَعْ	ھُمْ نُجُوْمُ الْھُدٰی وَالرَّشَدِیْ
وَعَلَی التَّابِعِیْنَ ھُمْ کَانُوْا	لِخِیَامُ السُّدَادِ کَالْوَتَدِیْ
اِسْتَغِیْثُوْا الْعَاجِزُ مُضْطَرٌ	شُرُوْرٌ ذَیْلَکُمْ اِلَی الْمُدَدِیْ

ترجمہ ۔ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم میری دستگیری فرمائیں کہ آپ کے سوا میری کوئی پناہ نہیں ۔ میری ذلت و غربت پر رحم فرمائیے ۔ رحیم و شفیع عالم آپ خدا وند کریم کے دربار میں میری سفارش فرمائیے ۔ میرے سردار آپ کی چھاؤں کے سوا میرے لئے کوئی سایہ نہیں ۔ میری صلواتیں دن رات آپ پر ، بے حد و بے حساب ہوں ۔ اور آپ کے تمام صحابہ کرام پر ہوں جو کہ صراط مستقیم کے تارے ہیں اور آپ کے تابعین پر ہوں جو کہ سچائی کے خیمے کی میخیں ہیں ۔ مجھ عاجز اور پریشان کی فریاد رسی فرمائیے اور میری مدد کے لئے اپنا دامن مبارک میرے ہاتھ میں دیجیئے ۔

حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ قدرت خدا وندی سے یہ رحمت ہم پر ہوئی کہ " انگریزی کونسل خانہ " کے توسط سے ہمیں تقریباً فوراً ہی بزریعہ بحری جہاز " کویت " بندرگاہ تک جانے کی سبیل بن گئی ۔ اس طرح حضرت آغا صاحبؒ اور ان کی جماعت کویت تک پہنچ گئی لیکن وہاں پہنچ کر پھر یہ معلوم ہوا کہ بمبئی سے جدہ تک کا بحری راستہ بند ہے کیونکہ جنگ کی

شورش سمندر میں بھی زیادہ بڑھ گئی ہے -

ان حالات میں ناچار ہوکر حضرت آغا صاحبؒ " کویت " سے خشکی کے راستے " نجد " جانیوالے ایک قافلے میں شامل ہوگئے - اس سلسلے میں حاکم شہر کے روبرو حضرت آغا صاحبؒ کی جماعت اور میر قافلہ کے درمیان ایک معاہدہ لکھا گیا اور اس پر حاکم شہر نے بطور گواہ کے اپنے دستخط ثبت کئے اور اپنی مہر لگائی -

" کویت کے باشندوں کے مذہبی رحجانات "

اس ضمن میں حضرت آغا صاحبؒ لکھتے ہیں کہ " کویت کے اکثرباشندے حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کے ماننے والے ہیں تھوڑی سی تعداد حضرت امام محمد بن محمد ادریس شافعیؒ کے مقلدین کی بھی ہے - کویت کی بندرگاہ کیونکہ نجد کے علاقے سے قریب ہے اس لئے یہاں کے باشندوں پر " نجدیوں" کے عقائد غالب ہیں خصوصا استمداد اولیاء اور دوران سفرزیارات مزارات اولیاء کرام یعنی " شدر حال " اور ندا غیب یعنی غیر اللہ سے امداد کے مسئلوں پر ان کا مسلک - فرقہ اہل سنت و الجماعت کے مسلک کے بالکل بر خلاف ہے - اسی سلسلے میں حضرت آغا صاحبؒ ایک نجدی نابینا عالم سے اپنا مذاکرہ بھی نقل کرتے ہیں-

---

اس دور کے رواج کے مطابق یہ معاہدہ حاکم شہر کے روبرواس لئے لکھا جاتا تھا تاکہ قافلہ سالارقانونی طورپربھی اس بات کا پابند ہوجائے کہ وہ مسافروں کو بخیر و عافیت بمعہ ان کے مال ومتاع کے منزل تک پہنچائے ، الا یہ کہ کوئی ایسی صورت پیدا ہوجائے کہ جس میں میرقافلہ خود گھیرا جائے یا مجبورو بے بس ہوجائے اوراس مصیبت کی کوئی شہادت یا گواہی بھی موجود ہو- منزل پرپہنچنے کے بعد مسافران قافلہ- میرقافلہ کوایک تحریر دیتے تھے جس میں بحفاظت بمعہ مال ومتاع منزل تک پہنچ جانے کی تصدیق و اعتراف ہوتا تھا- یہ تحریر قافلے کی واپسی پر حاکم شہر کو پیش کی جاتی تھی - تبصرہ نگار

ع/۱

" حضرت آغا صاحبؒ کا نا بینا نجدی عالم سے مذاکرہ "

دوران قیام کویت ایک نا بینا نجدی عالم حضرت آغا صاحبؒ قبلہ سے ملاقات کے لئے آیا اور دوران گفتگو اس سے حضرت آغا صاحبؒ کا درج ذیل مذاکرہ ھوا -

نابینا نجدی عالم - آپ کا مذھب اور مسلک کیا ھے ؟

آغا صاحبؒ قبلہ - حنفی و اھل سنت والجماعت اور تابع حضرت منصور ماتریدیؒ -

نابینا عالم - توسل کے بارے میں آپ کا کیا عقیدہ ھے ؟

آغا صاحبؒ - میں توسل کو جائز سمجھتا ھوں -

نابینا عالم - توسل کے مسئلے کے جواز میں قرآن پاک کی کوئی آیت یا حدیث صحیح بیان کریں -

آغا صاحبؒ - يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

ترجمہ - اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو -

نا بینا عالم - اس آیت کریمہ میں وسیلہ سے مراد اعمال ھیں نہ کہ افراد

آغا صاحبؒ - کیا آپ کے نزدیک خلفاء راشدین کی سنت کی کوئی دلیل قابل قبول ھے ؟

نابینا عالم - ھاں قابل قبول ھے -

آغا صاحبؒ - کیا آپ نہیں جانتے کہ خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروقؓ نے یعنی خشک سالی کے سال میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حضرت عباسؓ کا وسیلہ لے کر دعا فرمائی تھی کہ " اے اللہ تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے طفیل بارش برسا - یہ دلیل بیان فرمانے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ نے نابینا عالم سے پوچھا کہ اب آپ فرمائیں کہ حضرت عباسؓ کا وجود مبارک بدن ھے یا عمل ؟

سفرنامہ عراق و شام ۔ مئی ۔ ۷۴ء ۔ ۷۵ء

نابینا عالم = ہر چند کہ یہ واقعہ درست ہے لیکن "ممات" کا وسیلہ لینا جائز نہیں اور اس وقت حضرت عباسؓ زندہ تھے اور اگر "ممات" کا وسیلہ لینا جائز ہوتا تو حضرت عمرؓ نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لیا ہوتا نہ کہ حضرت عباسؓ کا

آغا صاحبؒ ۔ یا شیخ یہ بتائیں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کی حالت میں زیادہ افضل ہیں یا حضرت عباسؓ اپنی حیات کی حالت میں زیادہ افضل ہیں ۔؟

نابینا عالم ۔ یقیناً حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کی حالت میں حضرت عباسؓ سے ان کی حیات کی حالت میں زیادہ افضل ہیں ۔

اس جواب پر حضرت آغا صاحبؒ نے اس نابینا نجدی عالم کی نہایت عالمانہ طریق پر گرفت کرتے ہوئے فرمایا کہ

" شیخ جائے انصاف ہے کہ جب کم فضیلت والے کا وسیلہ لینا جائز ہے تو زیادہ فضیلت والے کا وسیلہ لینا کیوں کر جائز نہ ہوگا

اس پر نابینائے مزکور شرمندہ ہوکر خاموش ہوا اور پھر حضرت آغا صاحبؒ سے دوسرا سوال کیا کہ

نابینا عالم ۔ تم لوگ ندائے غیب کرتے ہو جو کہ شرک ہے ۔

آغا صاحبؒ ۔ صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے نماز میں دوران " اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ " آیا ہے کہ نہیں جو کہ پوری ندائے غیب ہے ۔

نابینا عالم ۔ یہ ندائے غیب فقط نماز کی حد تک جائز ہے اور نماز سے باہر جائز نہیں ہے ۔

آغا صاحبؒ - آپ کا امام جزریؒ کی کتاب " حصن الحصین " کی حدیث" اذ الفلت دابہ احد کم فلیناد اعینوی یا عباد اللہ رحمکم اللہ " کے بارے میں کیا خیال ہے -

نا بینا عالم - یہ حدیث صحیح نہیں ہے -

آغا صاحبؒ - اچھا آپ ندائے غیب کی حرمت پر کوئی دلیل پیش کریں -

نا بینا عالم - فَلاَ تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَداً (القرآن) ترجمہ - اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو اللہ کے ساتھ نہ پکارو -

آغا صاحبؒ - اس آیت کریمہ سے مراد یہ ہے کہ عبادت میں اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکار کیوں کہ اس آیت کے ساتھ ہی لفظ " اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ " بھی آیا ہے جس کا مطلب ہے کہ مساجد صرف اللہ کے لئے ہے -

اس جواب پر وہ نابینا نجدی اس بحث کو بھی چھوڑنے لگا اور پھر حضرت آغا صاحبؒ قبلہ سے معلوم کیا کہ " آپ کہاں کا ارادہ رکھتے ہیں ؟

آغا صاحبؒ - حج کا ارادہ رکھتا ہوں -

نابینا عالم - حج کے بعد کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں ؟

آغا صاحبؒ - حج کے بعد مدینہ مطہرہ کی زیارت کا ارادہ ہے -

نابینا عالم - زیارت مدینہ شریف سے آپ کی کیا مراد ہے ؟

ترجمہ - جب دوران سفر تم میں سے کسی کی سواری کا جانور بھاگ جائے تو وہ اس طرح آواز لگائے کہ اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو - اللہ تم پر رحم فرمائے -

حصن حصین صفحہ نمبر 263 - حصن حصین - ترجمہ مولانا محدث مفتی محمد عاشق الہی - دارالاشاعت مولوی مسافرخانہ کراچی -

آغا صاحبؒ ۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آستانہ بوسی اور آپ کے حضور کھڑے ہوکر سلام پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

نابینا عالم ۔ غلط ارادہ ہے۔ خاک سے کیا حاصل ہوگا ؟ (نعوذ باللہ)

آغا صاحبؒ ۔ اس پر آغا صاحبؒ قبلہ کو نہایت طیش آیا لیکن ضبط کرتے ہوئے پھر نابینا سے پوچھا کہ حدیث " مَنْ زَارَ قَبْرِی وَجَبَتْ لَہُ شِفَاعَتِی " اور" بین قبری و منبری روض من ریاض الجنت " کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ۔؟

نابینا عالم ۔ یہ احادیث درست نہیں ہیں ہاں اگر آپ مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے کے ارادے سے جانا چاہتے ہیں تو جائز ہے کیوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سواریاں کسی مسجد کے لئے نہ کسی جائیں مگر تین مساجد یعنی مسجد الحرام ، مسجد نبویؐ اور مسجد اقصیٰ ۔

اس پر حضرت آغا صاحب نے اس نابینا کی دوسرے طریقے پر گرفت کرنے کے لئے پوچھا ۔

آغا صاحبؒ ۔ یا شیخ آپ کیا کاروبار کرتے ہیں ۔؟

نابینا عالم ۔ تجارت کرتا ہوں اور اس سلسلے میں بمبئی اوردوسرے شہروں میں جاتا ہوں ۔

آغا صاحبؒ ۔ اے شیخ اگر بقول تمہارے " شدرحال " اگر صرف تین مساجد کیلئے جائز ہے تو پھر آپ تجارت کیلئے مسافری کیوں کرتے ہیں کیوں کہ شدرحال کے بغیر سفر نا ممکن ہے اس بات پر وہ نابینا عالم کچھ دیر کے لئے خاموش ہوا۔ آغا صاحب نے اس سے مزید سوال کیا کہ

---

1 ۔ ترجمہ ۔ جس نے میری قبر کی زیارت کی ، اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی ۔

2 ۔ ترجمہ ۔ میری قبر اور منبر کے درمیان کا ٹکڑا۔ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے

آغا صاحبؒ ۔ آپ میرے پاس کس کام کے لئے آئے ھیں ۔ ؟

نابینا عالم ۔ آپ کی زیارت کے لئے آیا ھوں ۔

آغا صاحبؒ ۔ اے شیخ کتنی عجیب بات ھے کہ آپ خود تو مجھ ناچیز کی زیارت کے لئے آئے ھیں اور مجھ کو رحمت عالم سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے روکتے ھیں جو کہ سیدالاولین و سیدالاخرین صلی اللہ علیہ وسلم ھیں ۔

یہ ایسا بھرپور جواب تھا اوراعتراض تھا کہ نابینا مذکور سے اس کا کوئی جواب بن نہ پڑا اور سیدھا اٹھ کر رخصت ھوگیا اورمذاکرہ ختم ھوگیا ۔

" سفر حجاز کا بیان " ع / ۱

حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کا قافلہ شوال کی 29 تاریخ بروز اتوار کویت سے روانہ ھوا ۔ اور راستے کی مشکلات و تکلیفات ، پانی کی نایابی اور سفر کی دشواریاں برداشت کرتا ھوا ذوالعقد کی 15 تاریخ بروز بدھ کو " قصیم " کے شہر پہنچا جو کہ علاقہ نجد کا ایک بڑا شہر ھے ۔ وھاں معلوم ھوا کہ قصیم کے شہر سے حج کا بڑا قافلہ 19 ذوالعقد کو روانہ ھوگا اور آغا صاحبؒ والا قافلہ بھی اسی قافلے کے ساتھ مل کر آگے روانہ ھوگا ۔ اس مجبوری کے تحت حضرت آغا صاحبؒ کو چند روز " قصیم " کے شہر میں رکنا پڑا ۔ بالاخر ذوالعقد کی 21 تاریخ کو بروز ھفتہ مذکورہ بالا قافلہ روانہ ھوا اورآغا صاحبؒ والا قافلہ بھی اس کے ساتھ شامل ھو گیا ۔ کچھ آگے چل کر اس قافلے میں " بریدہ شہر " اور " زلفی گاؤں " کے قافلے بھی شامل ھوگئے یہ دونوں مقامات علاقہ " نجد " کے ھیں ۔

یہ بڑا قافلہ کئی دنوں کے انتہائی سخت اور تھکا دینے والے سفر کے

سوز نامۂ عراق و تاک ۔ ص ۔ 63

بعد اور راستے کی سختیاں اور تکلیفیں برداشت کرتا ہوا آخر کار "کوہستان تہامہ تک پہنچا جو کہ " طائف " کے شہر سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے اس جگہ پر اتر کر سب لوگوں نے احرام باندھے کیوں کہ یہ جگہ " شرعی میقات " بھی ہے - بعد غسل ، نماز شکرانہ اور احرام باندھنے سے فارغ ہوکر یہ قافلہ اسی وقت دوبارہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ " لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ " کی روح برور صدائیں بلند کرتا ہوا مکہ مکرمہ کی سمت روانہ ہو گیا -

" ادائیگی حج " ع ۱

آغا صاحبؒ کا قافلہ ماہ ذوالحج کی سات تاریخ بروز منگل مکہ مکرمہ میں داخل ہوا - آغا صاحبؒ اور ان کی جماعت نے محلہ " مسفلہ " میں ایک جگہ کرایہ پر حاصل کرکے وہاں قیام کیا - فوراً بعد تمام جماعت نے تازہ وضو کرکے حرم شریف میں حاضری دی اور طواف قدوم یعنی حاضر ہونے کا پہلا طواف ادا کیا خوش قسمتی سے اسی رات حضرت آغا صاحبؒ قبلہ کے برادر حقیقی حضرت محمد حسین جانؒ بھی تشریف لے آئے جو کہ اپنی جماعت کے ساتھ بمبئی سے جدہ بزریعہ بحری جہاز ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ میں حج کے ارادے سے چلے تھے حضرت آغا صاحبؒ کو ان کے آنے کی نہایت خوشی ہوئی اور ان سب نے مل کر اسلام کا ایک رکن عظیم یعنی حج بہ توفیق الٰہی ادا کیا - اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

" سفر مدینہ شریف " ع ۲

ادائیگی حج کے بعد حضرت آغا صاحبؒ اور ان کی جماعت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری کے لئے مدینہ منورہ کے سفر پر نکلے اور دو محرم بروز ہفتہ مدینہ شریف میں حاضر ہوئے - اگرچہ خود آغا صاحب نے مدینہ مطہرہ میں تقریباً ایک ماہ قیام فرمایا لیکن آغا صاحبؒ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ مدینہ شریف میں حاضری دینے کے بعد واپسی کے سفر کے پہلے مرحلے کے طور پر اونٹوں کے اس قافلے کے ساتھ ہو گئے جو کہ

۱- سفرنامہ عراق و شام ص 69

۲- سفرنامہ عراق و شام ص 71

واپس مکہ مکرمہ جا رہا تھا تاکہ وہاں سے جدہ کے راستے بحری جہاز سے بمبئی واپس پہنچا جا سکے ۔

" ایک انـدوہـناک واقـعـہ " ع[1]

حضرت آغا صاحبؒ انتہائی رنج و غم کے ساتھ رقم فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا قافلے پر غالباً ساربانوں کی سازش و اعانت سے راستے میں بدوؤں نے سخت حملہ کر دیا ۔ اکثر اہل قافلہ کو زخمی کیا ، کچھ کو قتل بھی کیا اور ان کا سب مال و متاع لوٹ لیا ۔ ناچار اس قافلے کے باقی ماندہ افراد لٹے پٹے دوبارہ مدینہ شریف میں جان بچا کر حاضر ہوئے اور روضہ رسول کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے سامنے زاری کرتے ہوئے اپنا حال اور سرگزشت بیان کی ۔ حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب بدوؤں کے اس قسم کے حملے زیادہ ہوگئے توآخرکار مظلوموں کی فریاد باب اجابت کو پہنچی اور نجدی حکومت نے ان بدوؤں اور راہزنوں کو ختم کر دیا ۔ حضرت آغا صاحبؒ نے دوران قیام مدینہ شریف جناب ڈاکٹر شیخ شمس الدین سندھی کی رہائش گاہ پر قیام کیا جو کہ حضرت آغا صاحبؒ سے دیرینہ مراسم رکھتے تھے ۔

" سـفـر بـیت الـمـقدس " ع[2]

مدینہ منورہ سے جب حضرت آغا صاحبؒ نے روانگی کا قصد فرمایا تاکہ وطن واپس پہنچا جا سکے تو ایک جماعت نے حضرت آغا صاحبؒ کے برادر حقیقی حضرت آغا محمد حسین جانؒ کی قیادت میں "جدہ" سے "بمبئی" بزریعہ بحری جہاز جانا پسند کیا اور وہ سوئے "جدہ" روانہ ہوگئے ۔ اس کے برخلاف کیونکہ حضرت آغا صاحبؒ اور ان کی جماعت کے باقیماندہ افراد زیارت بیت المقدس کا شوق رکھتے تھے اس لئے وہ حضرت آغا صاحبؒ کی قیادت میں مدینہ منورہ کے ریلوے اسٹیشن سے ٹکٹیں خرید کر "عمان" جانیوالی ریل گاڑی میں بیٹھ گئے تاکہ وہاں سے "حیفہ" تک پہنچا جا سکے ۔ یہ جماعت راستے کی سختیاں

۱۔ سفرنامۂ عراق و شام ۔ ص 73
۲۔ ایضاً ۔ ص 76

اور ریل گاڑی کے انتظام کی کوفت برداشت کرتے ہوئے کئی دنوں کے بعد جب حیفہ پہنچی تو معلوم ہوا کہ " حیفہ " کی بندرگاہ سے مصر کی بندرگاہوں یعنی " پورٹ سعید " اور " اسکندریہ " کی طرف جانے والے جہاز جنگ کی شورش کی وجہ سے بند ہو چکے ہیں اس موقع پر کئی دن تک بحری جہاز کے سفر کے انتظار میں حضرت آغا صاحبؒ نے کافی کوشش کی لیکن ان کو بحری جہاز دستیاب نہ ہو سکا مجبوراً یہ جماعت " حیفہ " سے بیت المقدس جانے والی ریل گاڑی میں سوار ہوگئے اور آخر کار ایک درمیانی ریلوے اسٹیشن " سیلہ" تک پہنچے جہاں پر نہایت تنگی و دشواری کے ساتھ ایک عرب شخص کی جھونپڑی میں سب نے رات بسر کی - دوسری صبح کو تمام جماعت گھوڑے گاڑیوں پر سوار ہوکر عازم بیت المقدس ہوئی اور دو دن کے تھکا دینے والے سفر کے بعد بیت المقدس پہنچی جہاں سب نے " زاویۂ ہندی " نامی جگہ یعنی سرائے میں قیام کیا -

" بیت المقدس کا تعارف " ع/

حضرت آغا صاحبؒ بیت المقدس کے تعارف کے ذیل میں اس طرح رقم طراز ہیں کہ

" بیت المقدس کا شہر حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں انتہائی بھرپور طریقے سے آباد رہا - پھر کافر بادشاہ " بخت نصر " کے دور میں ویران کیا گیا بعد ازاں یہ شہر بنی اسرائیل کے ہاتھ آیا اور دوبارہ آباد ہوا پھر خلیفہ دوئم حضرت عمر بن الخطابؓ کے دور میں یہ شہر مسلمانوں کے قبضے میں آیا پھر بنو امیہ کے خلفاء خصوصا ولید بن عبدالملک نے اس شہر کی تعمیر و ترقی میں کافی حصہ لیا اور نہایت شاندار عمارات تعمیر کرائیں - نیز " مسجداقصیٰ کی بھی مرمت کروائی جو کہ " بخت نصر بادشاہ " کے دور میں خراب کر دی گئی تھی - اس کے بعد سلطان عادل صلاح الدین ایوبیؒ نے 580ء میں ان عمارات

سونا ئیڈ حرارت و تنام - ص - 88

کی دوبارہ مرمت کروائی ۔

"مسجد اقصیٰ کا بیان" ع/۱

اس ضمن میں حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ " موجودہ مسجد اقصیٰ کی بنیاد حضرت سلیمان علیہ السلام کی بنوائی ہوئی اصل مسجد کی بنیاد پر ہے اس مسجد کی کشادگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ " دہلی کی شاہجہانی مسجد " اور لاہور کی بادشاہی مسجد دونوں اس مسجد اقصیٰ کے ایک کونے میں آسکتی ہیں ۔ اسی مسجد میں ایک بہت بڑا پتھر ہے جس کو " صخرہ شریف " کہتے ہیں ۔ اس پتھر کے درمیان میں ایک اتنا بڑا سوراخ ہے کہ جس میں سے ایک آدمی گزر سکتا ہے ۔ مشہور ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں مسجد اقصیٰ میں اسی سوراخ کے مقام سے آسمانوں کی جانب عروج فرمایا تھا ۔ اسی مسجد اقصیٰ میں وہ جگہ " صخرہ شریف " کے نزدیک واقع ہے جہاں تشریف فرما ہوکر حضرت داؤد علیہ السلام حکمرانی فرمایا کرتے تھے ۔ اسی مسجد میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی قبر مبارک اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گہوارہ بھی موجود ہے ۔ مسجد اقصیٰ کے باہر ذرا سی دور پر ایک نہایت گہری وادی ہے جس کو عوام الناس " وادی جہنم " کہتے ہیں اور مشہور ہے کہ بروز حشر پل صراط اسی وادی کے اوپر بچھایا جائے گا ۔ واللہ اعلم بالصواب

"طور سینا کا بیان" ع/۲

مذکورہ بالا " وادی جہنم " کی دوسری طرف " جبل طور " یعنی " طور سینا " واقع ہے ۔ اس جبل کے برابر میں حضرت مریم صدیقہ بنت عمران و والدہ ماجدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر مبارک ہے ۔ اسی

۱۔ سفرنامۂ عراق و شام ص ۹۰
۲۔ ایضاً ص ۹۶

جبل کے اوپر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ، حضرت سلمان فارسیؓ کی قبر مبارک ہے - اسی قبر کے نزدیک حضرت رابعہ بصریہؒ کی قبر مبارک ہے - اور اسی جگہ " مصعد عیسیٰ " علیہ السلام ہے یعنی وہ جگہ جہاں سے بروایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا - مزید یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی قبر مبارک اور ان کی مسجد واقع ہیں -

" بیت اللحم اور بلد الخلیل کا تذکرہ "

حضرت صاحبؒ اور ان کی جماعت بیت المقدس سے چھ میل دور بیت اللحم بھی گئے جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا مقام ہے وہاں اسں مقام پر جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گھر کہلاتا ہے تمام جماعت نے فاتحہ پڑھی اس کے بعد بیت اللحم سے بارہ میل دور یہ جماعت ایک پہاڑ پر پہنچی جہاں کہ حضرت یونس متی علیہ السلام کی تربت اور مسجد واقع ہے اس زیارت سے فارغ ہوکر یہ تمام اصحاب مزید آگے " بلد الخلیل " کے مقام پر گئے جو کہ حضرت ابراہیم ابو الانبیاء خلیل اللہ علیہ الصلوات والسلام کا شہر ہے اور وہیں ان کا مرقد منور بھی واقع ہے -

" زیارات بلد الخلیل کا تذکرہ "

بلد الخلیل میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے مرقد منور کے ساتھ ہی آپ کی زوجہ حضرت سارہؓ کا مرقد منور ہے - ان مراقد سے کچھ آگے حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کی بی بی کی قبریں ہیں دوسری طرف ایک احاطہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی بی بی کی قبریں ہیں - اور

---

۱ - حضرت صاحبؒ فرماتے ہیں کہ زیادہ درست یہ ہی روایت ہے اور وہ جو ہم نے آگے لکھا ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ کی قبر مبارک "دجلہ دریا" کے کنارے پر ہے وہ اتنا درست نہیں معلوم ہوتا -

ان سے کچھ دور حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر مبارک موجود ہے - خاندان نبوتِ عالیشان کے یہ مراقد ایک دوسرے کے نزدیک ہی واقع ہیں - مذکورہ بالا زیارات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ اور ان کے اصحاب کا زیارات بیت المقدس کا سفر بھی پورا ہوا اور تمام جماعت نے وطن واپس جانے کے لئے تیاری شروع کی -

" واپسی کا سفر " ع/

حضرت آغا صاحبؒ قدس شریف کی زیارات سے ماہ صفر کی 19 تاریخ کو فارغ ہوئے - اور پھر واپسی کے سفر میں کئی دنوں کے سفر اور ریل گاڑیوں کے آمد کے انتظار کی تکلیف برداشت کرتے ہوئے راستے کے شہروں مثلاً "نا بلس" "سیلہ" اور "عفولہ" سے گزرتے ہوئے آخر کار "حیفہ" کی بندرگاہ پر پہنچے - دوسری صبح کو حضرت آغا صاحبؒ سفر کی تفصیلات معلوم کرنے جہاز ران کمپنی کے دفتر گئے تو معلوم ہوا کہ جہاز میں سوار ہونے کے لئے مقامی گورنر یا عامل کا اجازت نامہ ضروری ہے اور جہاز جنگ کی شورش کی وجہ سے "پورٹ سعید" کے راستے کے بجائے " بیروت" کے راستے " اسکندریہ " جائے گا - چارو ناچار یہ ساری باتیں قبول کرنے کے بعد اور مقامی گورنر سے اجازت نامہ لے لینے کے بعد حضرت آغا صاحب اگلے دن صبح کو بحری جہاز میں سوار ہوئے اور ایک دن کے سفر کے بعد دوسری صبح کو " اسکندریہ " پہنچے -

اسکندریہ میں حضرت آغا صاحبؒ اور ان کے ہمراہان نے مختصر سے قیام کے بعد سفر کے اگلے مرحلے کو طے کرنے کے لئے ریل گاڑیوں کا سفراختیار کیا اور پورٹ سعید پہنچے - وہاں پر انہوں نے " انگلش قونصل خانہ " سے اجازت سفر لینے کے بعد جہاز " روم " میں سوار ہوئے اور بمبئی کی طرف چل پڑے - یہ جہاز " سویز " اور " عدن " کی بندگاہوں سے ہوتا ہوا چھٹے دن صبح کے وقت بخیرو عافیت بمبئی پہنچ گیا -

بمبئی میں حضرت آغا صاحبؒ کے جہاز کے پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد ہی ان کے برادر حقیقی حضرت خواجہ محمد حسینؒ جان صاحب اور ان کے ہمراہیوں کی وہ جماعت بھی بزریعہ بحری جہاز بمبئی پہنچ گی جو کہ مدینہ شریف میں ان سے جدا ہوکر " جدہ " سے بمبئی کے بحری سفر پر نکلی تھی ان سب حضرات کے اسی دن بمبئی پہنچنے پر حضرت آغا صاحبؒ کو نہایت خوشی ہوئی -

یہ حضرات بمبئی سے ایک ساتھ ریل میں بیٹھ کر اپنے گھر یعنی " ٹنڈو سائیں داد " کے لئے نکلے اور مختلف اسٹیشنوں سے ہوتے ہوئے " مارواڑ " کے " جنکشن " پر پہنچے - یہاں پر حضرت آغا صاحبؒ کے عزیزوں اور مریدوں کی ایک کثیر تعداد نے ان کا استقبال کیا لیکن اس خوشی کے ساتھ ساتھ حضرت آغا صاحبؒ کو یہاں پر دو نہایت غم انگیز خبریں بھی ملیں - اول تو یہ کہ حضرت آغا صاحبؒ کی والدہ ماجدہ نے ماہ رواں کی پہلی تاریخ کو داعی اجل کو لبیک کہا اور دوئم یہ کہ آغا صاحب کے مرید عزیز " حکیم سید غلام شاہؒ " نے بھی ٹنڈو محمد خان میں پانچ چھ دن قبل انتقال کیا - لیکن آغا صاحب نے صبر جمیل کا مظاھرہ کرتے ہوئے ان دونوں وحشت خیز خبروں کو سننے کے باوجود موضیٔ مولا کے آگے سرتسلیم خم کر دیا -

دوسرے دن " مارواڑ جنکشن " سے روانہ ہوکر یہ سب حضرات " چھور " کے اسٹیشن سے گزرتے ہوئے " میرپورخاص " آکر ٹھہرے جہاں ان سب کا استقبال حضرت آغا صاحبؒ کے فرزندوں عبدالسلام جان ، محمد اسمٰعیل جان ، یعقوب جان اور محمد ہاشم جان کے ہمراہ دیگر عزیزوں اور مریدوں نے کیا - اسی دن دوپہر کے وقت یہ جماعت " میرپور خاص سے روانہ ہوکر حیدرآباد پہنچی اور اسٹیشن کے ساتھ والے باغ میں قیام کیا اور دوپہر کا کھانا تناول کیا - یہاں پر حضرت آغا صاحب کے ایک اور صاحزادے جناب عبدالستار

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

جان بھی دوسرے مریدوں کے ساتھ استقبال کو آگئے ۔ ع[1]

حیدرآباد کے اسٹیشن سے یہ سب حضرات " ٹنڈو محمد خان " بزریعہ ریل گاڑی پہنچے اور بعد ازاں وہاں سے اپنی رہائش گاہ " ٹنڈو سائیں داد " بخیر و عافیت پہنچ گئے یہ جماعت ربیع الاول کی 17 تاریخ کو بخیر و عافیت اپنی رہائش گاہ پر پہنچ گئے ۔ اور اس طرح حضرت آغا صاحبؒ کا یہ مبارک سفر بحسن و خوبی اختتام پذیر ہوا ۔

--- اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ---

1. سفر نامہ عرب و عجم ۔ ص ۔ 126

تبصرہ بر کتاب " شرح حکم عطا اللہ اسکندری "

کتاب " حکم عطا الہلی اسکدری " مصنفہ حضرت احمد بن محمد بن عبدالکریم بن عطا اللہ الاسکندری ، کنیت " ابوالفضل " اور لقب " تاج الدین " ہے مزکورہ کتاب کی " شرح " جو کہ حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی کی تالیف ہے اور جو کہ فی الوقت زیر تبصرہ ہے ، خوشگوار و معتبر معلوم ہوتا ہے کہ تبصرہ سے پہلے صاحب کتاب اور خود کتاب کے بارے میں کچھ تفصیل صاحبان ذوق اور سالکین راہ سلوک کو بہم پہنچائی جائے ۔

۱/ مصنف کتاب یعنی حضرت عطا اللہ الاسکندری " شاذ ی " اور " مالکی " مسلک کے متبعین میں سے ہیں ۔ آپ 16 جمادی الثانی 709ھ بمطابق 21 نومبر 1309ء کو " قاہرہ " میں واصل بحق ہوئے اور قاہرہ سے متصل ایک مقام " قرافتہ الصغری " میں مدفون ہوئے ۔ آپ " تفسیر " ، حدیث " ، نحو ، اصول اور فقہ کے علاوہ دوسرے علوم میں بھی درجۂ کمال پر فائز تھے ۔ آپ اوائل عمر میں صوفیہ کی صحبتوں سے پرہیز کرتے تھے اور کچھ خاص التفات نہ رکھتے تھے ۔ لیکن بہ امر تقدیر " حضرت شیخ الشیوخ ابو العباس مرسی " کی صحبت میں حاضر ہوئے اور آخر کار انہی کے رنگ صحبت میں رنگے گئے ۔

حضرت ابن عطا اللہ اسکندری کو قاہرہ اس درجہ عزیز تھا کہ تمام مدت عمر آپ قاہرہ سے باہر تشریف نہ لے گئے اور ساری عمر اسی شہر دلپذیر میں گزار دی ۔ آپ مشہور عالم " جامعہ الازہر " میں عرصے تک منبر وعظ و ارشاد کے حامل رہے ۔ آپ کا حلقہ درس و ارادت نہایت وسیع اور آپ کے مواعظ و ارشادات نہایت درجہ اثر انگیز ہوتے تھے جو کہ حاضرین کے دلوں میں گداز و حلاوت پیدا کرکے ان کو خداوند جل شانہ کی طرف سبقت کرنے پر ابھارتے تھے ۔

حضرت ابن عطا اللہ اسکندری کے استاد گرامی قدر یعنی حضرت شیخ

شرح حکم العطائیہ ۔ ص ۔ 13

الشیوخ ابوالعباس مرسیؒ " ساتویں صدی ہجری کے عظیم روحانی پیشوا اور اکابر عارفین میں سے تھے - جب حضرت عطا اللہ اسکندریؒ نے اپنی کتاب یعنی " الحکم العطائیہ " مکمل کرنے کے بعد اپنے انتہائی ذی علم و وقار اور نہایت بلند پایہ صوفی استاد مکرم کی خدمت میں پیش کی تو انہوں نے کتاب کے بغور مطالعہ کے بعد جو کچھ فرمایا وہ یقیناً حضرت عطا اللہؒ جیسے بلند پرواز شاگرد کے لئے قابلیت اور لیاقت کی ایک نہایت روشن سند ہے آپ کے استاد حضرت ابو العباس مرسیؒ نے فرمایا کہ

" لَقَدْ اَتَیْنَا یَا بُنَیَّ فِیْ ہٰذا کُرَاسۃٌ بِمَقَاصِدِ اَحِبَّا وَ زِیَادَۃٌ ، " ع ۱

یعنی - اے بیٹے بے شک تو نے اس کتاب میں تمام دوستوں (صوفیائے کرام) کے مقاصد پورے کر دئے بلکہ اس سے بھی زیادہ کیا -"

ایسے عظیم استاد سے اتنی بڑی اور نہایت واضح سند قبولیت و تعریف کے بعد اس کتاب " الحکم العطائیہ " کے بارے میں مزید کسی تعریف و توصیف کی ضرورت باقی نہیں رہتی - حضرت عطا اللہ اسکندریؒ " کی دوسری مشہور تصانیف جو کہ تصوف اور معرفت کے موضوع پر ہیں ان میں خاص طور پر " لطائف المنن " فی المناقب المرسی و ابی الحسن " اور " التنویر فی اسقاط القدبیر " نامی کتابوں کا شمار علم تصوف کی جلیل القدر کتابوں میں ہوتا ہے مزید یہ کہ مواعظ و نصائح پر مبنی ایک اور کتاب " تاج العروس " کا شمار بھی آپ کی نہایت بلند پایہ کتابوں میں ہوتا ہے -

کیونکہ کتاب " الحکم العطائیہ " اپنے مطالیب صوفیانہ اور علم و تصوف پر ایک نہایت پر تاثیر کتاب ہے اور دلوں پر نہایت درجہ اثر و رقت طاری کرتی ہے ، اسی لئے یہ گردہ صوفیاء اور علماء میں نہایت مقبول و مشہور ہوئی - یہاں تک کہ مختلف ادوار میں مختلف صاحبان علم و معرفت نے اس کی جدا جدا شرحیں لکھیں جن میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں -

ع ۱ شرح حکم ۱ - ص - ۱۷

1 - " غیب المواهب العلیه فی شرح الحکم العطائیه " کے /
از علامہ محمد بن عباد نفری رندی شاذی (متوفی 792ھ)

2 - "شرح الحکم " از علامہ شیخ عبداللہ شرقادیؒ - یہ شرح 1204ھ میں لکھی گئی اور شرح علامہ نفری کے حاشیہ پر چھپی -

3 - " المحکم فی شرح حکم " (بزبان ترکی) از حافظ احمد ماہر قسطمونی

4 - "/کمال ایشم " 1354 میں یہ کتاب تیسری مرتبہ " خواجہ برقی پریس دہلی " سے شائع ہوئی - اس کتاب کے ناشر مولوی عبدالمجید بچھرایونی کے رائے ملاحظہ ہو -

یہ کتاب " الحکم " مصنفہ حضرت شیخ عطا اللہ اسکندریؒ ، عربی زبان میں تھی - جس کی " بتویب " حضرت شیخ مولانا علی متقیؒ (متوفی 975 نے " بتویب الحکم " کے نام سے تھی اور حضرت الحاج " حافظ خلیل احمد صاحبؒ نے سہارنپور سے اس کا اردو ترجمہ " اتمام النعم " کے نام سے فرمایا تھا بعد ازاں محمد عبداللہ گنگوہیؒ نے 1337ھ بمطابق 1918ء میں اس کی پھر مفصل شرح فرمائی اور اس شرح کو " اکمال ایشم اتمام النعم " ترجمہ اردو " بتویب الحکم " کے نام سے ملقب کیا -

اور اب خود حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کی رائے اور ذوق و شوق اس کتاب کی شرح لکھنے اور کتاب کی اہمیت کے بارے میں ملاحظہ ہو - حضرت آغا صاحب اس کتاب کی شرح کے دیباچہ میں رقم طراز ہیں کہ " یہ بات برادران اسلام سے عموماً اور اخوان طریقت سے خصوصاً پوشیدہ نہ رہے کہ کتاب مستطاب حکم شیخ العارفین ، امام المحققین ، ابوالفضل تاج الدین احمدؒ بن محمدؒ بن عبدالکریمؒ بن عطا اللہ اسکندریؒ (اللہ ان کی قبر کو منوّر کرے) کی بہترین تصانیف میں سے ایک عمدہ تصنیف ہے جسے علم توحید اور بندوں کے اپنے رب سے معاملات جیسے نفیس موضوع پر دانائی کا نچوڑ

بشرح حکم العطائیہ ص 16/25

اور گلاب کا عطر سمجھنا چاہئے ۔ باوجو یکہ اس کتاب کی عبارتیں مختصر ہیں لیکن مضامین کی بلندی ، معانی کی کثرت ، اشاروں کی لطافت اور بشارتوں کی رفعت ایسی صفات ہیں ، جن کو تحریر میں نہیں لایا جا سکتا "

کتاب الحکم العطائیہ " کی اہمیت کے بارے میں حضرت آغا صاحبؒ کی رائے اوپر گزری ۔ آئیے اب یہ دیکھیں کہ آخر حضرت آغا صاحبؒ نے اس کتاب کی ایک اور مزید شرح طالبین میں متعارف کرانے اور اس قدر مشقت برداشت کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی ۔

حضرت آغا صاحبؒ اپنی شرح کی ضرورت بیان فرماتے ہوئے مزکورہ بالا دیباچہ میں ہی آگے چل کر وضاحت کرتے ہیں کہ ؏[1]

" اگرچہ عربی زبان میں اس کتاب کی متعدد شرحیں لکھی جا چکی ہیں اور فقیر محمد حسن مجددیؒ (آغا صاحب) کو 1342ھ میں ان میں سے بعض شرحیں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے ۔ لیکن اس کے باوجود دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر ان بلند پایہ عبارتوں کی شرح فارسی میں لکھی جائے تو بلا شبہ طالبان حق کے لئے نہایت مفید اور نافع ثابت ہو کیونکہ فی زمانہ عربی زبان میں لکھی ہوئی عبارتوں کا سمجھنا ، اکثر طبیعتوں پر مشکل اور گراں ہوتا ہے ۔ اس لئے میں نے اپنی علمی کم مائگی اور بے پناہ رکاوٹوں کے باوجود اللہ تعالٰی کے فضل عمیم پر توکل کیا اور مزکورہ سال کے ماہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو فارسی شرح کا اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھنا شروع کی "۔حضرت ممدوح آغا صاحبؒ قبلہ کی یہ رائے نہ صرف ہمیں کتاب " الحکم العطائیہ " کی اہمیت سے کما حقہ آگاہی بخشتی ہے بلکہ اس بات سے بھی روشناس کراتی ہے کہ در حقیقت حضرت آغا صاحب قبلہؒ نے یہ فارسی شرح لکھ کر طالبان حق اور سالکین راہ معرفت پر کتنا بڑا احسان فرمایا ہے ۔

شرح حکم العطائیہ - ص - ۳

حضرت آغا صاحبؒ کی یہ شرح 439 صفحات پر مشتمل ہے (اردو ترجمہ اور اس اردو ترجمہ کو حضرت آغا محمد حسن جانؒ اکیڈمی ، حیدرآباد سندھ نے شائع کیا ہے 1986ء میں -

دراصل ، اگرچہ کتاب " الحکم العطائیہ " کی جو شرحیں مختلف ادوار میں لکھی گئی اور جیسا کہ ظاہر ہے کہ ان شرحوں کے لکھنے والے بھی اپنے اپنے ادوار کے نہایت جید فضلاء و علماء اور صاحب مقام صوفیاء کرام تھے لیکن اس وقت ہمارے زیر تبصرہ وہ شرح ہے جو کہ حضرت آغا محد حسنؒ جان سرہندی نے لکھی اور ہمارا مقصود و مطلوب یہ ہے کہ طالبان حق اور سالکان راہ سلوک کے سامنے یہ بات نہایت مدلل اور پر اثر انداز میں ثابت کی جائے کہ حضرت آغا صاحبؒ کی ذات با برکات کس قدر خوبی اور گہرائی اور گیرائی کے ساتھ اور اختصار کے فخر کے ساتھ اس کتاب کے مطالیب کو قاری کے سامنے لاتی ہے ، بغیر اس کے کہ کوئی عبارت بے اثر یا بے ربط ہو جائے یا مفہوم مطالیب فوت ہو جائے - نیز ہمیں یہ بھی ثابت کرنا ہے کہ حضرت آغا صاحبؒ کی ذات والا صفات علم تصوف میں کس قدر دقیق نگاہ اور کیسا بلند مرتبۂ روحانی رکھتی ہے - اور مزید یہ کہ ان کو معنٰی و مطالیب صوفیانہ اور صوفیا کے درمیان مروج اصطلاحات پر کس قدر عبور اور زبان و بیان پر کس قدر اختیار حاصل ہے -

اس کتاب الحکم اعطائیہ میں مواعظ و نصائح کو حکمت کا نام دیا گیا ہے اور فی الحقیقت یہ مناسب ترین نام ہے کیونکہ حکیم ہوتا ہی وہ ہے جو کہ اچھا اور برا پہچانے اور زندگی کے اصل مقصد پر نظر رکھے -

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ کے اردو ترجمہ کے لحاظ سے ان کی لکھی ہوئی شرح کو جو کہ 286 (دوسو چھیاسی) حکمتوں پر مشتمل ہے مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت تقسیم کیا جا سکتا ہے -

1 ۔ توکل علیٰ اللہ

2 ۔ تسلیم و رضا بر رضائے الٰہی

3 ۔ عاجزی و انکساری در عبادات

4 ۔ محبت و عرفان الٰہی

5 ۔ درستگی اخلاق عالیہ در تصوف

6 ۔ حصول درجات عالیہ دربارگاہ خداوندی

اب قابل غور اور دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہم جدا گانہ طور پر اس بات پر گہرائی اور گیرائی کے ساتھ غور کریں کہ حضرت آغا صاحب قبلہؒ نے مزکورہ بالا عنوانات کے تحت بیان کردہ حکمتوں کی کس انداز میں تشریح فرمائی ہے ؟ اور ان کی تشریحات سے طالبان حقیقت اور سالکان راہ سلوک کس حد تک فیض یاب اور مستفید ہو سکتے ہیں؟، با الفاظ دیگر حضرت آغا صاحب مزکورہ بالا مقصود کے حصول میں کس حد تک کامیاب و کامران رہتے ہیں اس بات کا تجزیہ کرنے کا بہترین پیمانہ اور طریقہ یہ ہی ہو سکتا ہے کہ حضرت آغا صاحب کی بیان کردہ تشریحات کا مطالعہ بہ نظر غائر اور خالصتاً سلوک و تصوف کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں کیا جائے ۔ ہم ذیل میں مزکورہ بالا عنوانات کو یکے بعد دیگرے حضرت آغا صاحب کے الفاظ کی روشنی میں مطالعہ کرتے ہیں کہ ۔

" تــوکل عـلیٰ اللہ "

اس عنوان کے تحت بیان کردہ حکمتوں اور ان کی تشریحات کو جب ہم بہ نظر غائر مطالعہ کرتے ہیں تو نہایت انصاف اور غیر جانبداری کے ساتھ یہ یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حضرت آغا صاحبؒ نے صاحب کتاب یعنی حضرت عطا الٰہی اسکندریؒ کی بیان کردہ حکمتوں کا اپنی تشریحات سے نہ صرف کما حقہ حق ادا کیا ہے بلکہ ان کو قارئین اور طالبین کے لئے انتہائی سہل الفاظ میں

ڈھال کر یہ کوشش کی ہے کہ ان حکمتوں سے زیادہ سے زیادہ طالبان حق فائیدہ اٹھائیں -

مثال کے طور پر اس عنوان کے تحت حکمت اول یہ ہے کہ

" صدور گناہ کے بعد امید (یعنی امید مغفرت) میں کمی آ جانا اپنے اعمال پر بھروسہ کرنے کی علامت ہے -"

درحقیقت یہ حکمت بندے کو مکمل طور پر اپنے آپ کی رحمت الہیٰ سے وابستہ رکھنے پر زور دیتی ہے اور اپنے نیک اعمال پر فخر و غرور سے روکتی ہے - اس حکمت کے ذیل میں توکل علیٰ اللہ کے زیر سایہ حضرت آغا صاحبؒ تشریح فرماتے ہیں کہ ع/

عارفان الہیٰ کو نہ تو اپنے اعمال نیک و خیر پر بھروسہ ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اپنے ان اعمال کو بارگاہ خداوندی سے جزا کے لائق سمجھتے ہیں انہوں نے سر تسلیم و رضا احکام قضا و قدر کے آگے اس طرح جھکا رکھا ہے کہ گویا وہ عبادات کے ادا کرنے سے نہ تو خوش ہوتے ہیں اور نہ ہی ترک عبادات سے غمگین و ملول ہوتے ہیں - دراصل انہوں نے پورے طور پر خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے - اب اگر لغزش و گناہ ہونے کی صورت میں اگر کسی نے اللہ تعالیٰ سے رحم وعفو اور بخشش و درگزر کی امید میں کمی کی یا خود میں کمی پائی تو سیدھے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہی نکلتا ہے کہ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے امید کم تھی اور اپنے اعمال صالحہ پر بھروسہ زیادہ -

مزید برآں اس سوچ میں اس قدر خرابی ہے کہ انسان کے دین اور ایمان میں خلل واقع ہوتا ہے کیونکہ جب انسان کی امید نجات اعمال صالحہ کی بنیاد پر ہوگی تو لازماً اعمال صالحہ میں کمی آجانے یا صدور گناہ کے بعد انسان کی امید نجات مدھم پڑ جاتی ہے اس طرح شیطان مردود انسان کو دو طریقے

شرح حکم الحاشیہ ص 58

پر نقصان پہنچاتا ہے۔اول تو صدور گناہ پر کاربند کرکے اس کے دل سے خوف الٰہی نکالنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر دوسرے یہ کہ صدور گناہ کے بعد اپنے اعمال صالحہ پر بھروسہ کرنے کی وجہ سے امید نجات میں کمی کا وسوسہ پیدا کرکے - یعنی بالفاظ دیگر " خوف " اور " رجا " دونوں حالتوں سے انسان کو دور کرکے اس کو تباہ کر دیتا ہے - جیسا کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ

" اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَ رَّجَاءْ "

ترجمہ - " ایمان خوف و رجاء کے درمیان کی حالت ہے "

اسی طرح دوسری حکمت درباب توکل علیٰ اللہ - حکمت نمبر (5)

" اِجْتِھَادُ کَ فِیْمَا ضِمْنَ لَکَ وَ تَقْصِیْرُ کَ فِیْمَا طَلَبُ مِنْکَ دَلِیْلٌ عَلٰی اِنْطِمَاسِ الْبَصِیْرَۃِ مِنْکَ

" یعنی ان کاموں (حصول رزق) میں تیرا کوشش کرنا جن کی ضمانت پروردگار نے دی ہے ، اور ان کاموں میں کوتاہی کرنا جن کو وہ تجھ سے چاہتا ہے اور جن کو اس نے تجھ پر فرض کیا ہے ، تیرے باطن کے اندھے پن کی دلیل ہے "

اس ضمن میں حضرت آغا صاحبؒ تشریح فرماتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ واضح رہے کہ حضرت شیخ عطا الٰہی اسکندریؒ کا یہ قول اسباب کے استعمال کے منافی ہرگز نہیں ہے - جبکہ اسباب کو بالخصوص احکام الٰہی کی تابعداری کے ساتھ استعمال کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے سچے وعدے پر بھروسہ اور توکل کیا جائے نہ کہ اسباب پر - کیونکہ اسباب تو خود جناب مسبب الاسباب کے حکم کے محتاج ہیں - مثال کے طور پر کیا ہم نہیں دیکھتے کہ اکثر اوقات ہمارے مقاصد کے حصول کے لئے سارے ہی ممکنہ اسباب دستیاب ہوتے ہیں پھر بھی ان کا کوئی ٹھوس نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا - اسی لئے اسباب پر بھروسہ کرنا جہالت ہے جب تک کہ پہلے مسبب الاسباب پر بھروسہ نہ کیا جائے -

---

1- اس سلسلے میں حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا یہ عظیم قول انتہائی قوی دلیل ہے کہ عرفت ربی بہ فسخ العزائم " یعنی میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کی ناکامی سے پہچان لیا "

مزید اس سلسلے میں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ بندہ عاجز کی تدابیر کیا اور اس کی عقل و ہمت کیا۔ ہاں جو تدبیر بندے کے مالک کی طرف سے ہوگی وہی کامیاب و منصور ہے ۔ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ اس دنیائے فانی میں کسی امیر کے غلام رزق و پوشاک کی طرف سے کیسے بے فکر و بےغم رہتے ہیں کیونکہ ان چیزوں کا ذمہ ان کے مالک نے لے رکھا ہے جو کہ خود بھی فانی ہے ۔ تو پھر جب ہمارے رزق کا ذمہ ہمارے مالک لافانی و لازوال نے لیا ہے تو پھر فکر و تشویش کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اسی طرح ایک اور حکمت میں " توکل علیٰ اللہ " کے ذیل میں حضرت آغا صاحبؒ حضرت حکم عطا اللہ اسکندریؒ کی ایک اور حکمت " اے بندے جس چیز کا تجھ سے وعدہ کیا گیا ہے ۔ اگر اس کا ظہور اتنا طویل ہو جائے کہ سورج مغرب سے نکلنے لگے ، تب بھی یہ تاخیر تجھے اپنے رب کے وعدے کے بارے میں شک میں نہ ڈالے۔ مبادا یہ شک تیری باطنی آنکھ کی روشنی سلب کرے اور تیرے قلب کا نور بجھاد

یہ حکمت بھی ہمیں خداوند کریم کی ذات با برکات پر مکمل بھروسہ رکھنے کی تاکید کرتی ہے ۔

اس حکمت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ " اے عزیز جان رکھ کہ حق تعالیٰ سبحانہ نے اپنے رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ، اپنے بندوں سے جو کچھ بھی وعدہ فرمایا ہے وہ سب سچ اور برحق ہے ۔ مثلاً وعدہ بسلسلہ معاش ، البتہ ایفائے وعدہ میں دیر اس پروردگار حکیم و بینا کی حکمت کاملہ کے سبب واقع ہوتی ہے ۔ اس سبب سے اس نے ہم کو آگاہ[1] نہیں فرمایا ہے کیونکہ یہ آگاہی ہمارے حق میں موجب فتنہ ہو سکتی ہے ۔

1۔ حق تعالیٰ سبحانہ اپنے خاص بندوں کو اس دیر کے سبب سے بھی آگاہی بخشتا ہے کیونکہ وہ خاص لوگ فتنوں سے محفوظ اور مامون کئے گئے ہیں ۔

ع /

حضرت آغا محمد حسن جان سرھندی نہایت آسان اور عام فہم الفاظ میں اس حکمت کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئیے کہ یہاں حضرت شیخ عطا اللّٰہی کا مقصود یہ ہے کہ ہمیں اس بات پر بھرپور استقامت کے ساتھ قائم ہو جانا چاہئیے کہ چاہیے جیسے بھی حالات ہوں اور ہمیں ساز گار اور حسب خواہش زمانے کے میسّر آنے میں کتنی ہی تاخیر کیوں نہ ہو جائے ، ہم خداوند کریم کے وعدوں کو سچ اور حق جانیں اور صمیم قلب سے ان وعدوں کو اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہونا برحق سمجھیں - اسی طرح عالم آخرت کے بارے میں جو کچھ وعدے ، مثلاً حشر و نشر ، حساب ، قیام میزان ، پل صراط سے گزر دخول جنت اور وہاں کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونا یا دخول جہنم اور وہاں پر عذاب دیا جانا ، وغیرہ سب کو دل سے تسلیم کریں -

اب اگر کسی مسلمان کو ان میں سے کسی ایک بھی وعدے کے بارے میں شک یا تذبذب ہو اور یہ شک یا تذبذب اسے ضعف یقین تک پہنچا دے تو اس مسلمان کے لئے خوف کفر اور دہریت ثابت ہے ، اور اگر اس مسلمان کا یہ شک اسے ضعف یقین تک تو نہیں پہنچاتا بلکہ اس کے دل میں صرف نفسانی تردد اور اوہام پیدا کرتا ہے تو یہ بات اس کی عقل کی بینائی کے فتور اور قلب کی صداقت ایمانی کے نور کے بجھ جانے کی نشاندہی کرتی ہے خداوند کریم ہر مسلمان کو ان نفسانی شکوک و اوہام سے اپنی پناہ میں رکھے اور حق بات کو حق سمجھنے کی دلی توفیق عطا فرمائے -

توکل علی اللّٰہ کے ضمن میں چند مزید حکمتیں ،

حضرت آغا محمد حسن جان سرھندی کی نہایت پر اثر اور با معنٰی تشریحات کے ساتھ ذیل میں پیش کی جاتی ہیں -

شرح حکم اردو ... ص 62

" بڑے بڑے حوصلوں اور ہمتوں کی پیش قدمی بھی تقدیر الٰہی
کے محکم قلعہ میں شگاف نہیں ڈال سکتی ۔"

تشریح از حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ

" اے عزیز " ہمم " جمع ہے ہمت کی ، اور یہ اس طرح ہے کہ اہل ریاضت کا ایک طبقہ بعض اچھے اور بعض برے اعمال کے لئے پوری ہمت کے ساتھ قلب کو متوجہ کرتا ہے اور بعض جگہوں پر اس کا اثر بھی دیکھنے میں آیا ہے مثلا جادو ، ٹونا اور نظر لگنا ، اسی قبیل کی چیزیں ہیں ۔

حضرت شیخ عطا اللہ اسکندریؒ کے مفہوم گفتگو کے لحاظ سے یہ سب توجہات اور جادو ٹونے وغیرہ بھی اسی وقت موثر ثابت ہوتے ہیں کہ جب تقدیر الٰہی بھی ان کی تائید میں ہو ۔ ورنہ ان چیزوں کا کوئی بھی اثر بد نہیں ہو سکتا ۔ اب کیونکہ یہ چیزیں تقدیر الٰہی کی موافقت کے بغیر ناقص بے کار اور غیر موثر ہوتی ہیں تو ثابت ہوا کہ ان چیزوں میں اثر بھی تقدیر الٰہی سے ہی پیدا ہوتا ہے ۔ ایسی صورت میں جب تقدیر الٰہی بندے کے خلاف ہو تو بے چارہ عاجز و بے کس بندہ کیا کر سکتا ہے ؟ اور اپنی کس تدبیر سے تقدیر الٰہی کے اس محکم قلعے کو توڑ سکتا ہے ؟ یا اس میں شگاف ڈال سکتا ہے ۔ ہاں یہ ضرور ممکن ہے کہ تقدیر الٰہی خود بندے کی مدد و معاون ہو جائے اور بندے کو ان اثرات بد سے چھٹکارا نصیب ہو ۔

اس حکمت میں اور اس کی تشریح میں بھی ایک نہایت لطیف اشارہ اور بلیغ انتباہ موجود ہے کہ بندے کو اپنے اعمال صالح و خیر پر کبھی بھی بھروسہ نہیں کرنا چاہئے ۔ اور یہ کہ اپنی ہمت و حوصلہ پر تقدیر الٰہی کے برخلاف اعتماد کرنا نہایت درجہ حماقت کا ثبوت دینا ہے ۔ کیونکہ بندے کا انجام پوشیدہ ہے اور اس کے حق میں تقدیر الٰہی کیا ہے یہ اس کو نہیں معلوم ۔

وہ نہیں جانتا کہ تقدیر الہیٰ میں وہ " سعید ازلی " ہے یا " بد بخت و شقی ازلی "۔ اب قانونِ قدرت یہ ہے کہ اگر کسی کو ازل میں سعید لکھ دیا گیا ہے تو اس کے تمام تر برے اعمال کے باوجود آخر میں سعادت ازلی اس کو سہارا دیتی ہے۔ اس کو توبہ کی توفیق عطا کی جاتی ہے ، وہ اعمال خیر انجام دینے لگتا ہے اور یوں اپنی ازلی تقدیر کے عین مطابق سعادت کا رتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر کسی بندے کو ازل میں ہی شقی و بدبخت لکھ دیا جاتا ہے تو تمام تر خیرو بھلائی کے صدور اور اعمال صالحہ انجام دینے کے باوجود اس بندے کو اس کی ازلی بدبختی اور شقاوت آ پکڑتی ہے اور وہ اپنے روز مرہ کے معمولات اور اعمال خیر کی انجام دہی کے راستے سے ہٹ جاتا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ اس کو اپنے اعمال بد، خوشنما نظر آنے لگتے ہیں یا بالفاظ دیگر اس کو اس کا نفس امارّہ اعمال شر کی انجام دہی اور گمراہی کے راستے پر لگا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ایسا بندہ اپنے دامن کو گناہوں سے بھر لیتا ہے اور آخر کار تقدیر الہیٰ کے عین مطابق اپنی ازل میں مقرر کی ہوئی جگہ یعنی جہنم کا سزا وار بن جاتا ہے۔

اس سلسلے میں ہم شیطان مردود کی مثال واضح طور پر سامنے رکھ سکتے ہیں ، کہ اس کے باوجود کہ اس نے عرش الہیٰ کے سایہ کے نیچے سات ہزار سال تک عبادت کی اور کوئی ایسی عبادت نہ چھوڑی جس کو وہ بجا نہ لایا ہو لیکن بالآخر تقدیر الہیٰ کا لشکر اس پر غالب آیا اور وہ اپنی ازلی تقدیر کے مطابق نافرمانی اور مردودیت کے راستے پر چل پڑا ، یہاں تک کہ وہ ازلی بد بخت ، مردود اور راندۂ درگاہ ہو کر رہا۔ ؎ /

اس سلسلے میں " شیخ ملاّ معینؒ "اپنی کتاب " اسرار فاتحہ " میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں ، جو یہاں روایت کرنا نہایت مناسب اور بر محل معلوم ہوتا ہے۔ " ایک روز حضرت فاروق اعظمؓ ، امیر المومنین ، عمر بن خطابؓ

شرح جمع الحکایۃ ۔ ص ۶۶

رضی اللہ تعالیٰ عنہہ نے ابلیس کو مدینہ منورہ میں حرم شریف کے دروازے پر کھڑے ہوئے دیکھا ، آپ نے مضبوطی سے ابلیس کا بازو پکڑ لیا اورنہایت عتاب آلود لہجے میں اس سے فرمایا کہ " او کمبخت ، تیرا یہاں کیا کام ہے اور تجھے اس محترم جگہ سے کیا واسطہ ہے ؟ "- ابلیس نے جواب دیا کہ " اے ابن خطّابؓ ، مجھے چھوڑ دے میں نے سات ہزار سال تک عرش کے نیچے اس خالق یگانہ و یکتا کو سجدے کئے ہیں اور اس کے سوا میں نے کسی کی عبادت و پرستش نہیں کی ، محض ایک نا فرمانی کی وجہ سے میں ذلیل و رسوا اور مردود و راندۂ درگاہ ہو گیا ہوں - اور تو ہے کہ بس پانچ وقت سجدہ کرکے مغرور ہو رہا ہے - کل تک تو میں تجھے بتوں کے آگے سجدہ کرتے دیکھتا تھا ، اب تو مجھے پکڑتا ہے -"

یہ الفاظ سن کر حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے -

اس سلسلے میں مشہور و معروف صوفی اور نہایت اعلیٰ مرتبہ کے بزرگ " حضرت ابو سعید ابو الخیرؒ " کی رباعی بھی باذوق قارئین کی ضیافت طبع اور ملاحظہ کے لئے ذیل میں پیش خدمت ہے -

گر من گنہ جملہ جہاں کر دستم

عفوِ تو امید است کہ گیرد دستم

گفتی کہ بروز عجز دستت گیرم

عاجز تر از ایں مخواہ کہ اکنوں ہستم

ترجمہ - اگر چہ میں نے دنیا بھر کے گناہ کئے ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ تو اپنی بخشش اور عفو سے میری مدد فرمائے گا - تو نے کہا ہے کہ تو عجز کے دن ، یعنی قیامت کے روز میری دستگیری فرمائے گا ، لیکن اے میرے محبوب جتنا عاجز اور تیری مدد کا محتاج میں اس وقت ہوں ، اس سے زیادہ عجز اور محتاجی کی توقع مجھ سے مت رکھ -

" معاش کی تدبیر سے خود کو راحت دے "

اس حکمت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت آغا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ " اے عزیز ، دنیاوی امور اور دینی مقاصد کے حصول میں مخلوق کی طرف سے تدابیر کا اس طرح اختیار کیا جانا کہ مکمل اور تامّہ بھروسہ اپنی تدابیر پر ہی کر لیا جائے ، سخت نا پسندیدہ اور مزموم ہے - کیونکہ رزق مہیا کرنے کی ذمہ داری پرور دگار عالم نے اپنے ذمہ لی ہے اور بندوں کو تو صرف اپنی بندگی کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ حصول رزق میں منہمک ہوجانے کا - مختصر یہ ہے کہ تدبیر انسانی کو تقدیر الٰہی کا خادم سمجھنا چاہئے کیونکہ تدبیر مخلوق کا فعل ہے اور تقدیر خالق کا ارادہ اور قدرت ہے -

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ اس ضمن میں مزید فرماتے ہیں کہ " حضرت شیخؒ کا یہ قول ترک اسباب کی تائید میں نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ بندہ اپنے کاموں میں سعی و کاوش ضرور کرے لیکن اپنے کاموں میں اپنی کی گئی تدابیر پر بھروسہ ترک کرکے ، خداوند عالم پر توکل اور بھروسہ کرے ، یہاں تک کہ اپنے جملہ کاموں کو اپنے پرور دگار کے سپرد کر دے - اے عزیز ، ذرا تو یہ تو سوچ کہ ایک بندۂ عاجز کی کیا طاقت اور حوصلہ ہے جس کے تحت وہ اپنی بہتری اور بہبود کی تدابیر کر سکے ؟ اس کی جو بھی تدابیر ہونگی وہ نقش برآب ، خیالی اور وہم و گمان پر مبنی ہوں گی جب کہ اس بندے کے خالق کی طرف سے جو بھی تدابیر اختیار کی جائیں گی ان کے ناکام ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا - کیونکہ وہ تقدیر الٰہی کی تائید کے ساتھ نپی تلی اور علم و حکمت پر مبنی ہوں گی - ذرا اس دنیا کے ظاہری غلام لوگوں کی طرف دیکھ کہ وہ روٹی کپڑے کی فکر سے اور مکان کے حصول کی جدوجہد سے کس قدر آزاد و بے فکر رہتے ہیں ، اور کہتے ہیں کہ یہ

تو ہمارے آقا کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہمارے لئے یہ سب چیزیں مہیا کرے - حالانکہ ان کا آقا بھی اسی پرور دگار کا بندہ اور غلام ہے جس کے ہم سب بندے اور غلام ہیں - تو اے عزیز کیا تو اپنے پرور دگار کے اس سچے وعدے پر بھروسہ نہیں کر سکتا کہ " زمین پر جو بھی جاندار ہے ، اس کا رزق تمہارے پرور دگار کے ذمہ ہے -" (القرآن)

اور تو صرف اسی فکر اور بھاگ دوڑ میں اپنی جان ہلکان اور اپنی قیمتی عمر ضائع کر رہا ہے -

ع ۱ " اللہ تعالیٰ سے طلب کرنا ، اللہ تعالیٰ کو طلب کرنا
غیر اللہ سے طلب کرنا ، غیر اللہ کو طلب کرنا "

اس عظیم حکمت میں شیخ عطا اللہ اسکندری رح فرماتے ہیں کہ

" تیرا اللہ تعالیٰ سے کچھ طلب کرنا ، اللہ تعالیٰ پر ایک تہمت ہے گویا کہ وہ تیرے حال سے نا واقف ہے - اور تیرا اللہ تعالیٰ کو طلب کرنا ، تیرے عدم حضور اور اس کی بارگاہ سے غائب رہنے کی دلیل ہے - اور تیرا غیر اللہ کو طلب کرنا خدا وند کریم کی بارگاہ اقدس میں تیری بے حیائی کے سبب سے ہے اور تیرا اس کے سوا کسی دوسرے سے کچھ طلب کرنا ، اس امر کی نشاندہی ہے کہ تو اللہ تعالیٰ سے دور ہے - "

اس حکمت کی تشریح کے ضمن میں حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی رح فرماتے ہیں کہ

" اے عزیز ، حضرت شیخ عطا اللہ اسکندری رح نے اس مقولے میں طلب کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں -

اول تو یہ کہ تو اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتا ہے - تو تیرا یہ مانگنا گویا

شرح حکم العطائیہ ۔ ص ۔ ۱۵۵

اللہ تعالیٰ پر الزام لگانا ہے کہ تیرے خیال میں غالباً وہ تیرے حال سے بے خبر ہے ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سمیع و علیم اور ہر شے سے با خبر اور ہر چیز پر قادر ہے - وہ اگر چاہتا تو تجھے بے طلب بھی دے سکتا تھا ۔ اس لئے کہ وہ تیرے حال سے غافل و بے خبر نہیں بلکہ با خوبی واقف ہے -

یہاں پر یہ بات واضح کر دینا نہایت ضروری اور لازم ہے کہ حضرت شیخ عطا اللہ اسکندریؒ کا یہ مقولہ یا حکمت " دعا طلبی " کے منافی ہر گز نہیں ہے کیونکہ دعا تو بذات خود بارگاہ خدا وندی میں اپنی عاجزی ، بے کسی نا داری اور خواری کا اعتراف اور اظہار ہے - مزید یہ کہ دعا مانگنا تو خود صاحب شریعت علیہ الصلواتہ والسلام کے حکم کی تابعداری ہے - ان سب باتوں کے باوجود بعض کاملین از راہ طریقت و سلوک ۔ صرف اسی بات کو کافی سمجھتے ہیں کہ خدا وند کریم ان کے حال ، ان کی ضروریات اور ان کی مشکلات و مسائل سے آگاہ اور باخبر ہیں -

مشہور و معروف بات ہے کہ جب " نمرود " نے "حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام " کو جو کہ " ابوالانبیاء " کہلاتے ہیں ، منجنیق میں رکھ کر آگ میں پھینکا تو اس وقت ، حضرت جبرئیل علیہ السلام ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ " الک حَاجَتِہٖ" یعنی" کیا آپ کو کسی مدد کی ضرورت ہے" ؟ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ " اَمّاَ اِلَیۡکَ ، فَلَاُ " - یعنی " جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو تم سے کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے -" پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ " اپنے خدا وند کریم سے دعا کیجئے کہ وہ آپ کو اس مشکل سے نجات دے "- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ

" عِلۡمِہٖ بِحَالِیُ حَسۡبِیُ مِنۡ سَوَالِیُ " یعنی " میرے خدا کو میرے حال کی خبر ہے اور یہ میرے اس سے سوال کرنے سے زیادہ بہتر ہے "-

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی صاحبؒ اس حکمت کی تشریح کرنے کے ساتھ ساتھ ، اس مقام پر پیدا ہونے والے ایک اشکال کو بھی حل کرتے ہوئے چلتے ہیں - وہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے کسی کو یہ گمان اور شک و شبہ نہ ہونا چاہئے کہ غالباً خلیل علیہ السلام کا مقام شاید حبیب اللہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے بالا تر ہے - کیونکہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم تو خود بھی دعا فرماتے تھے اور اپنی امت کو بھی دعا کرنے کا حکم فرماتے تھے - جب کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے محض اس بات کو کافی سمجھا کہ ان کا پروردگار ان کے حال سے باخبر ہے-

اس اشکال کا حل اور اس شک کا جواب یہ ہے کہ حضور انور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا فرمانا امت کی ہدایت اور تعلیم و تربیت کی غرض سے تھا - نیز محبوبیت کا تقاضہ بھی یہی تھا اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا عمل اللہ کی دوستی یا " خلت " کا تقاضہ تھا -

اللہ تعالٰی سے طلب کی دوسری قسم یہ ہے کہ بندہ " اللہ تعالٰی کو طلب کرے " - یہ اس بات کی علامت ہے کہ خداوند کریم کے قرب کا تصور ابھی تیرے دل میں جاگزیں اور مضبوط نہیں ہوا اور تو اس کی درگاہ سے غائب ہے - کیوں کہ اللہ تعالٰی تو ہروقت اور ہرجگہ حاضرو ناظر اور بندہ کی رگ جاں سے بھی زیادہ بندے کے نزدیک ہے -

طلب کی تیسری قسم یہ ہے کہ " تو یعنی بندہ ، اللہ تعالٰی کے سوا کسی اور کو طلب کرے - یہ تیری بے حیائی اور دل کے تاریک ہونے کی نشانی ہے کیوں کہ اس سے زیادہ بڑھ کر دل کی ظلمت و بے حیائی اور عدم بصیرت کیا ہوگی کہ تو اپنے پروردگار کو چھوڑ کر غیر اللہ کی طلب کرے ۔ خواہ یہ غیر " مقامات قرب " یا " درجات عالیہ " ہی کیوں نہ ہوں - جائے غور ہے کہ ایک مخلص بندے کو مقامات اور مرتبوں کی طلب ہونی چاہئے یا کہ مقامات

اور مرتبوں کے مالک خدا وند ذوالجلال کی ؟ - یقیناً ایک مخلص بندہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے اور کچھ نہیں مانگتا -

طلب کی چوتھی قسم یہ ہے کہ خدا وند کریم کو چھوڑ کر بندہ اس کے غیر سے کچھ طلب کرے - یہ طلب کرنا تیرا خدا وند عالم سے دوری کی علامت ہے - کیوں کہ یہ جاننے کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ تیرے تمام دینی اور دنیاوی کاموں کے لئے کافی ہے ، تیرا غیر سے کچھ طلب کرنا ، تیرے قلب کی موت اور ظلمت کی نشانی ہے - اور یہ تیرے اس عقیدے کی تباہی کا بھی نشان ہے کہ " اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور ہر چیز سے واقف اور ہر شے پر قادر ہے "-

" اپنی ہمت کے ارادے کو ماسویٰ اللہ کی جانب نہ پھیر ، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے ، وہ تیری امیدوں کو رد نہیں کرے گا -" ع/

حضرت شیخ عطا اللہ اسکندریؒ کی اس حکمت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ

" اے عزیز ، اس مقولے یا حکمت میں حضرت شیخ عطا اللہؒ کا مطلب و مقصود سالک کو اللہ تعالیٰ کی ذات با برکات کی طرف مکمل طور پر متوجہ کرنا اور یہ سمجھانا ہے کہ سالک اپنے ارادے کی باگ دوڑ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے علاوہ اور کسی طرف نہ موڑے - یعنی دوسرے الفاظ میں سالک ہر حال میں صرف ذات خدا وندی پر ہی غیر متزلزل بھروسہ اور ایمان رکھے - نیز اپنے آپ کو ہر حال میں یہ تلقین کرتا رہے کہ " میرا پروردگار میرے حال سے بہ خوبی واقف ہے اور اس کے سوائے میرا نہ کوئی شفیق ہے نہ کارساز - " اس دوران بندے کے نفس کی تقاضے خواہ کچھ بھی ہوں ، ان کی طرف

شرح الحکم العطائیہ - ص - 127

ہرگز متوجه اور ملتفت نه ہو اور اپنے سارے وساوس اور اندیشوں کو چھوڑ کر اپنے قلب اور اپنی ہمت کو صرف اور صرف اللّٰه تعالیٰ کی رضاجوئی میں مصروف رکھے ۔ تاکه بندے کو قبولیت حاصل ہو اور قبولیت کے ساتھ ساتھ بے شمار دینی اور دنیاوی فوائد بھی حاصل ہوں - بندے پر یه بھی لازم ہے که اپنے آپ کو کاملین کی صف میں شامل کرنے کی کوشش کرے اور خداوند کریم سے اس کی ذات گرامی کے علاوہ اور کچھ ہرگز طلب نه کرے اور اس بات کو اچھی طرح اپنے قلب میں جما لے که " جو خدا کا ہوا ، خدا اس کا ہوا ، اور تمام چیزیں دین اور دنیا کی اس کو مل گئیں "-

حضرت شیخؒ اس مقولے میں مزید فرماتے ہیں که " تیری آرزوئیں تیرے تمام مقاصد اور تیری ساری خواہشات مکمل طور پر اللّٰه تعالیٰ پر روشن اور ظاہر ہیں ، وہ ان تمام چیزوں سے به خوبی واقف ہے - اس سے نه بھول چوک ہوتی ہے ، نه غفلت اور نه ہی اس سے کوئی کوتاہی ممکن ہے وہ خود ہی جب چاہے گا اور جو کچھ عنایت کرنا چاہے گا - از خود تجھے بخش دے گا "- بقول حضرت حافظ شیرازیؒ

تو بندگی چو گدایان بشرط مزد مکن

که دوست خود روش بنده پروری داند

ما کار خویش را به خدا وند کارساز

بگذا شتیم تا کرم او چها کند

یعنی - تو بھکاریوں کی طرح اجرت کی شرط پر مزدوری نه کر ، کیوں که تیرا دوست یعنی خداوند کریم بنده پروری کے طریقوں سے به خوبی واقف ہے ہم نے اپنے سارے کام خدا وند کارساز پر چھوڑ دئے ہیں ، اب دیکھنا یه ہے که اس کا کرم کیا کرتا ہے -

اسی طرح حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں که

شرح الفتح الربانیه - ص 417

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے
عاقبت زاں در بروں آید برے

یعنی- حضرت پیغمبر صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " جب تو دروازہ برابر کھٹکھٹائے گا تو لا محالہ ، آخر کار اس دروازے سے کوئی سر ضرور باہر آئے گا "۔

" عاقل بندہ اپنی ہمت کو اللّٰہ تعالیٰ کی طرف بڑھاتا ہے
اور اسی سے اعانت طلب کرتا ہے۔" ع/

اس حکمت میں حضرت شیخ عطا اللّٰہ اسکندریؒ فرماتے ہیں کہ

" عاقل بندے نے دنیاوی مال و متاع کو ٹھکرادیا اور اس نے دنیا سے روگردانی اختیار کی ، حالانکہ اسے اس کا خوف نہ تھا ، چنانچہ اس نے نہ تو دنیا کو اپنا وطن بنایا اور نہ جائے سکونت "۔

اس حکمت کی تشریح کے ذیل میں حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ " جس بندے کو دنیا کے بے وفا ہونے کا ، اس کے فانی ہونے کا اور آخرت کے باقی رہنے کا احساس اور یقین ہو گیا تو وہ یقیناً دنیا سے اپنے دل کی آنکھیں پھیر لے گا اور صرف اور صرف اپنے خداوندکریم کی ذات پر ہی بھروسہ اور توکل کرے گا ۔ وہ اپنے قلب کو اس ذات سے وابستہ کرے گا جو کہ باقی و لا فانی اور تمام جہانوں کا پروردگار ہے ۔ اس ضمن میں کسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ

إِذَا لَمْ يَعُنْكَ اللّٰهُ فِيْ مَا تُرِيْدُه
فَلَيْسَ لِمَخْلُوْقٍ إِلَيْكَ سَبِيْلُ
وَإِنْ هُوَ لَمْ يُرْشِدْكَ فِيْ كُلِّ مَسْلَكٍ
ضَلَلْتَ وَلَوْ أَنَّ السِّمَاكَ دَلِيْلُ (ترجمہ)

شرح حکم العطائیہ - ص - 417

ترجمہ ۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمہاری ضرورت میں تمہاری مدد نہیں کی تو مخلوق کو تمہاری مدد کی مجال نہیں ۔ اور اگر اس نے ہر راہ میں تمہاری رہنمائی نہیں کی تو تم گمراہ ہو گئے ، اگرچہ ستارے تمہارے راہنما ہوں ۔

****

ان حکمتوں کے بیان اور تشریحات کے بعد جو کہ حضرت شیخ عطا اللہ نے " توکل علی اللہ " کے عنوان کے تحت بیان فرمائی ہیں اور جن کی تشریح نہایت پر اثر انداز میں حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی نے کی ہے اب ہم ذیل میں حضرت شیخ عطا اللہ کی ان حکمتوں کی تشریح بہ قول حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی ذیل میں بیان کرتے ہیں جو کہ " تسلیم و رضا " کے ذیل میں آتی ہیں ۔

" اللہ تعالیٰ نے بندے کو پابند اسباب کیا ہو یا نہ کیا ہو، بندے کے لئے تسلیم و رضا بہر حال ضروری ہے ۔" ع/1

تسلیم و رضا کی اس پہلی حکمت کے بارے میں جو کہ حضرت شیخ عطا اللہ نے اپنی کتاب " شرح حِکَم " میں بیان کی ہے یہ سمجھ لینا نہایت ضروری ہے کہ یہ حکمت اپنے اندر نہایت درجہ گہرائی رکھتی ہے اور اس کا مفہوم سمجھنے کے لئے اور اس حکمت کے اصلی مطلب تک پہنچنے کے لئے بندے کو انتہائی غور و خوص سے کام لینے کی ضرورت ہے ۔ حضرت آغا صاحب اس حکمت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

شرح الحکم العطائیہ ۔ ص ۶۰ تا ۶۳

" اے عزیز! تجھے اس حقیقت اور بھید کو سمجھ لینا چاہئے کہ اگرچہ بندے کو بجز تسلیم و رضا کوئی چارہ اور کوئی راہ نہیں ہے مگر اس کے باوجود بندے کو شیطان مردود مختلف وساوس اور اوہام کے ذریعے تشکیک میں ڈالنے کی پوری کوشش کرتا ہے تاکہ بندے کا عقیدۂ قدرت الٰہی و تسلیم و رضا متزلزل ہو جائے اور وہ گمراہی کی تاریک راہوں پر جا پڑے ۔ مثلا اکثر اہل اسباب کے دل میں شیطان لعین ناصح کے روپ میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ " آخر تم کب تک اسباب کے ساتھ مصروف اور سبب کے بندھن میں گرفتار رہو گے ؟ کیا تم نہیں جانتے کہ کتنے ہی انسان ترک اسباب کی بدولت خدا رسیدہ اور واصل بحق ہو گئے ؟ اس طریقے پر عمل کرتے ہوئے یہ شیطان لوگوں کو ترک اسباب پر فریفتہ کرتا ہے - یا پھر ان لوگوں کے دلوں میں اپنے پروردگار کی طرف سے احکامات اور تقدیروں پر اعتراض پیدا کرکے ان کو تباہ و برباد کر دیتا ہے -

اس طریقے کے برعکس یہ شیطان لعین ان لوگوں کو جو کہ مجّرد اور گوشہ گیر ہیں دوسرے وسوسے کے ذریعہ بھکاتا اور راہ مستقیم سے ہٹاتا ہے - مثلاً ان کے دل میں یہ شبہ اور وسوسہ پیدا کر دیتا ہے کہ جب تک اس دنیا میں زندگانی باقی ہے ۔ اسباب کی فکر اور ان کا فراہم کرنا ازبس لازمی ہے ، کیونکہ یہ دنیائے دنی تو خود جائے اسباب ہے اور حد یہ ہے کہ اس دنیا میں رسل علیہ اور انبیاء علیہ تک نے زندگانی کے لوازمات اور اس کے اسباب مہیا کئے ہیں اور پھر اس بندے پر اعتراض وارد کرتا ہے کہ " تو کیوں کر اپنے رسل و انبیاء اور آئمہ دین اور اپنے بزرگوں کے طریق کی مخالفت کر سکتا ہے - اس طریقے سے یہ شیطان مردود اہل اسباب اور اہل تجرد دونوں کو گمراہ کرکے رکھ دیتا ہے -

ان ہی وساوس سے نجات کا رستہ حضرت آغا صاحبؒ اپنی تشریح

میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ " بس ، خالق کائنات نے اپنے جس بندے کو بھی
جس بھی حال میں رکھنا چاہے مجرّد یا اہل اسباب ، بندے کو اپنی اسی
حالت پر قائم رہنا چاہئے اور ہر طرح کے شیطانی وساوس اور اعتراضات سے
پرہیز کرنا چاہئے تا آں کہ بندہ کی حالت بدل دی جائے - لیکن یہ بھی جب
ہی ہوگا کہ جب احکامات قضا و قدر بندے کی حالت کو بدلنا چاہئیں گے اور امر
الہٰی ایسا ہی ہوگا - مطلب یہ کہ بندے کی جزع و فزع سے کچھ نہیں ہوتا
بلکہ صرف اور صرف امر الہٰی بندوں میں اپنے اختیار کا مظاہرہ کیا کرتا ہے -
اس عقیدے کو نہایت تفصیل کے ساتھ حل کرتے ہوئے حضرت آغا صاحب اسی
نکتہ کے دوسرے پہلو کی بھی تشریح فرماتے ہوئے ایک نہایت اہم مسئلہ بھی
اس طرح حل کرتے ہیں کہ

" یہاں کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اہل اسباب ، اہل تجرد پر یا
اس کے برخلاف اہل تجرد ، اہل اسباب پر کچھ فوقیت اور درجہ بلند رکھتے
ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ دونوں گروہوں میں سے وہ افراد ایک دوسرے
پر فوقیت رکھتے ہیں کہ جو تقرب الہٰی میں بھی ایک دوسرے سے بڑھے ہوئے
ہیں - ہاں اتنا ضرور ہے کہ اگر اہل اسباب ، پابند شرع متین حضرات اگر
استقامت بھی مکمل طور پر اختیار کریں تو وہ رسل و انبیاءؑ علیہم السلام کے
نقش قدم پر ہیں اور اگر اہل تجرد استقامت میں پورے اتریں تو وہ اولیاءؒ اللہ
کے نقش قدم پر ہیں اور دونوں درجوں کے درمیان فرق انتہائی بیّن اور
واضح ہے -

یہاں حضرت آغا صاحبؒ نے کتنے دل نشیں اور سادہ انداز میں ہر دو طرح کے گروہ
انسانی پر وارد ہونے والے وساوس اور ان کی ذہنی کیفیات کا بیان کیا ہے اگر
بہ نظر غائر دیکھا جائے تو ان شیطانی وساوس سے چھٹکارا پانے کی راہ بجز
تسلیم رضائے الہٰی کے علاوہ کوئی اور نظر نہیں آتی نہ ہی آئیگی - تبصرہ نگار

مختصر یہ ہے کہ اہل اسباب ہونے کے باوجود استقامت برقرار رکھنا اور اس کو مکمل طور پر اپنانا ایک نہایت دشوار گزار راہ اور انتہائی مشکل مقام ہے - بشرطیکہ اہل اسباب ، صاحب استقامت ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے احوال کو پرگندہ اور دل کو پریشان نہ ہونے دیں یہ ہی جہاد اکبر اور یہ ہی اولو العزمی کا نہایت اعلی وارفع درجہ ہے اور یہ ہی عبودیت کی معراج ہے - درحقیقت مردان اسلام کا یہ ہی انداز زندگانی ہے اس ضمن میں حضرت آغا صاحبؒ تائیداً ایک حدیث شریف بیان کرتے ہیں کہ " شیبتی ہود والواقعہ " یعنی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مجھے " سورتہ ہود" اور سورتہ "واقعہ" نے بوڑھا کر دیا -

مفسرین اس ذیل میں لکھتے ہیں کہ " سورتہ واقعہ " میں قیامت کی ہولناکیاں اور اس کے حالات بہ تفصیل بیان کئے گئے ہیں اور سورتہ ہود میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا گیا ہے کہ

" اِسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ "

یعنی " جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اسی طرح استقامت اختیار کئے رکھئے -"

" تسلیم و رضائے الہیٰ از بندہ " کے باب میں حضرت آغا صاحب کتاب کی دوسری مندرجہ ذیل حکمت بیان کرتے ہیں کہ

" اللہ تعالیٰ سے اپنے موجودہ مقام یا حالت سے نکال کر اعلیٰ مقام عطا کرنے کی خواہش کرنا بھی بے ادبی ہے -"

اس حکمت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت آغا صاحبؒ قبلہ فرماتے ہیں کہ " سالکوں کو دوران مجاہدات ایسے مقام درپیش ہوتے ہیں کہ ان کی طبیعت بہ تقاضائے بشریت ، اعلیٰ اور برتر مقام کی خواہاں ہوتی ہے اور وہ پہلے مقام پر رہتے ہوئے ایک ملال سا محسوس کرتے ہیں یہاں پر حضرت آغا

صاحب ، حضرت شیخ عطا اللہؒ اسکندری کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ :

" اول تو مرید یا بندے کو اس قسم کی خواہش کا پیدا ہونا ہی ، تسلیم و رضا کے رتبے اور مرتبے کے خلاف ہے اور مزید یہ کہ ایسی خواہش کہ ان آداب سلوک کے بھی منافی ہے جن کا تقاضہ اس سے راہ سلوک میں کیا جاتا ہے - کیوں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسے پہلے مقام سے ہٹائے بغیر بھی اس کا مطلوبہ مقام عطا کردیتا - نیز مرید خواہش نہ کرنے کی صورت میں دونوں مقامات کے ثمرات اور فوائد سے بہرہ مند ہوتا - غرض یہ ہے کہ خداوند علیم و حکیم کی مرضی کے خلاف خواہش کرنا ہر حال میں سالک کے حال اور مآل دونوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے اور بعد ازاں اس خواہش کا انجام ضرر اور پچھتاوے کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا -

ا۔ شرح حکم - 97

" جس بندے نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کیا تو اس
کو آزمائش کی زنجیروں میں باندھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچا جائیگا "

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ اس حکمت کی اس طرح تشریح
فرماتے ہیں کہ ع ۱

" اے عزیز ، حق سبحانہٗ تعالیٰ جب اپنے بندوں میں سے کسی کو اپنی
طرف بلانا اور اپنی راہ پر چلانا چاہتا ہے تو سب سے پہلے وہ اس بندے کو
گونا گوں نعمتوں اور مال و متاع سے نوازتا ہے ۔ اگر بندہ ان چیزوں کے عطا
ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکرو احسان ادا کرتا ہے اور خدا وند کریم کی طرف
رجوع کرتا ہے تو اس کو نیک اور پارسا بندوں کی صفت میں جگہ دی جاتی
ہے ۔ لیکن اگر اس کے برعکس بندے نے نعمتوں کے حصول کے بعد ان نعمتوں
کا شکر ادا کرنے میں غفلت کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کیا تو پھر اس
بندے کو تادیب کرتے ہیں اور اس کو دوسرے طریقوں یعنی جان و مال کے
نقصان ، حادثات ، بیماریوں اور کاروبار و تجارت میں خسارے جیسے واقعات
سے دوچار کرکے خبردار کیا جاتا ہے کہ وہ بندہ اب بھی اپنے پروردگار کی
طرف پوری طرح متوجہ ہو جائے ۔ پس اس قانون قدرت کے مطابق ہر باشعور
صاحب عقل و تمیز اور عقل سلیم رکھنے والے بندے پر لازم ہے کہ وہ اتمام نعمت
کے دوران ہی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اس کی نعمتوں کا شکر بجا
لائے ، تاکہ اللہ تعالیٰ کی بخشش کردہ نعمتیں اس بندے کی گمراہی ، تکبر اور
نا فرمانی کا سبب بن کر اس کو تباہی کے گڑھے میں نا دھکیل سکیں ۔ اگر
بالفرض بندے نے ایسا نہ کیا تو خداوند ذوالجلال کے عظمت و جلال کی ہر
صفت کا ظہور شروع ہو جائے گا ، اور وہ اس غفلت زدہ اور گمراہ بندے کو
طرح طرح کی آزمائشوں ، صدموں ، نقصانات اور آفتوں اور بلاؤں کی زنجیروں

۱ شرح جنگ العوائیہ ص ۔ کٹا

میں جکڑ کر اپنے حضور آنے اور اپنی طرف رجوع کرنے پر مجبور کر دے گا۔
بھلا کس کی مجال ہے کہ اس کی بارگاہ میں بجز تسلیم و رضا اپنی زبان کھول سکتا ہے۔

" شریعت پر چلنے کی استقامت اور مقدرات کو تسلیم کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے۔"

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ اس حکمت کے مقولے کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

" جاننا چاہئے کہ جب بندہ راہ سلوک پر گامزن ہوتا ہے تو اس کے سامنے دو راستے یا دو بازو ہوتے ہیں ، ایک ظاہر کا اور ایک باطن کا یہ دونوں وہ بازو ہیں کہ جن کے بغیر عالم قدس کی طرف پرواز کرنا بالکل نا ممکن اور راہ سلوک و طریقت طے کرنا ازحد محال ہے۔ پہلا بازو یا ظاہر کا راستہ تو شریعت مطہرہ پر مکمل طور پر اخلاص کے ساتھ عمل اور اس پر استقامت اختیار کرنا ہے۔ دوسرا بازو یا دوسرا راستہ یعنی باطن کا راستہ احکامات الٰہی پر نہایت خوش دلی کے ساتھ تسلیم و رضا اختیار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی یہ دونوں بازو عنایت فرمائے ، یعنی ان دونوں بازوں یا راستوں پر مکمل طور پر ، اخلاص کے ساتھ چلنے کی یا عمل کرنے کی توفیق و سعادت اور استقامت بخشی ، اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام تر نعمتیں بخش دیں۔ اس بخشش سے بڑھ کر احسان و عطا اور اتمام نعمت کا اور کوئی درجہ سالکین کے لئے نہیں ہے۔ پس بندے پر لازم ہے کہ وہ اپنی ہمت اور طاقت کو ، خدا کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ اس بات کی کوشش میں لگائے تاکہ وہ خداوند کریم کے نزدیک قبولیت کا درجہ پا سکے۔

"مصائب کے ورود پر صبر کرنا چاہئیے کیوں کہ ان کا
نازل کرنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے ۔"

حضرت شیخ عطا اللہ اسکندریؒ کا مفہوم اس حکمت کے تحت یہ ہے کہ
" بندے کو آفات و مصائب کا ورود گوارا اور ہلکا محسوس ہونا چاہئیے ۔
اس لئے کہ بندے کو ان آفات و مشکلات میں مبتلا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے
جو کہ اپنی قضا و قدر کو تیرے سامنے لایا ہے اور تجھے نیکی کے راستے پر
چلنے کی ہدایت و توفیق بخشی ہے ۔ "

حضرت آغا صاحبؒ اس حکمت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ
" اے عزیز ، جاننا چاہئیے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رحمت ،
اس کی شان ربوبیت اور بندے کے مقام بندگی اور عبودیت کو جان لیا تو اس
پر مصیبتوں کے نازل ہونے کے وقت صبر کرنا لازم ہو گیا کیونکہ بندے کو ان
مصائب میں ڈالنے والا وہی تو ہے جو حکمتوں والا اور نہایت مہربان ہے ۔
اور یہ اسی کی مہربان ذات ہے جس نے اپنے بندے پر انواع و اقسام کی بہت
سی نعمتیں بھی نازل کیں اور احسانات فرمائے ۔ یہ بھی جان لینا چاہئیے کہ
ان مصائب و مشکلات کے نزول میں ، اللہ تعالیٰ کی حکمت عظیم کے مطابق بندے
کے لئے ضرور کوئی ایسی خیر و خوبی اور بھلائی پوشیدہ ہو گی جس کی بندے
کو کوئی خبر نہیں ۔

اس سلسلے اور عقیدے کی تائید میں " حضرت ابو علی وقاقؒ " فرماتے
ہیں کہ " ایک زمانے میں میرے تمام بدن پر نہایت شدید خارش ہو گئی ۔ اس
خارش نے مجھے کافی پریشان کیا ہوا تھا ۔ اسی دوران ایک روز میں حمام
کرنے کے لئے حمام خانے میں گیا ، وہاں مجھ پر رضائے الٰہی کا ایک دریچہ
کھولا گیا اور مجھ پر ایک بھید منکشف کیا گیا ۔ اس بھید کے معلوم ہونے پر

شرح حکم العطائیہ ۔ ص ۔ 226

میں اس قدر خوش ہوا کہ اپنے بدن کے ایک ایک خارش زدہ زخم کو چومتا تھا جن کی وجہ سے مجھ پر وہ بھید ظاہر ہوا تھا - مزید بات میں نے یہ دیکھی کہ جب میں حمام سے باہر آیا تو میرے بدن پر کسی زخم اور کسی خارش کا پتہ و نشان باقی نہ تھا - سالکین راہ حقیقت کو اب حضرت آغا صاحبؒ کی تشریح کی یہ بات بہ خوبی سمجھ میں آجانی چاہئے کہ بعض اوقات بندے پر مصائب اور آفات اس لئے نازل کئے جاتے ہیں کہ ان میں پوشیدہ خیر و بھلائی بندے کو عطا کی جائے اور اس کو بارگاہ الٰہی میں مقام قرب پر لا کر کھڑا کیا جائے - پس اس صورت میں بندے کے لئے یہ ہی مناسب و بہتر ہے کہ ہرحال میں تسلیم و رضا اختیار کرے اور اپنا سر اطاعت اپنے پرور دگار کی مرضی کے سامنے اس کی بارگاہ اقدس میں جھکائے رکھے -

****

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

تسلیم و رضا به رضائے الٰہی کے ذیل میں مزکورہ بالا حکمتیں اور ان کی ، حضرت آغا صاحب کی زبانی ، تشریحات بیان کرنے کے بعد اب ہم ان حکمتوں اور ان کی تشریحات کو بیان کرتے ہیں جو کہ حضرت شیخ عطا اللہؒ نے اپنی کتاب " شرحِ حِکَم " میں بیان کی ہیں -

" بے ادب کو بارگاہ الٰہی سے دور پھینک دیا جاتا ہے " ع ۱

اس حکمت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت آغا صاحب فرماتے ہیں کہ

" اے عزیز ، تجھے جان لینا چاہئے کہ اس حکمت میں بندے کو دور کر دینے کا مطلب ، بندے کو اس کی نفسانی خواہشات کے حوالے کردینا ہے حضرت آغا صاحب مزید فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ عطا اللہؒ اسکندری نے اپنے اس قول میں درحقیقت ایک نہایت مختصر عبارت میں آداب مریدین کے بارے میں ایک دریا اور علم کا بحر معانی بند کر دیا ہے - دراصل یہی سلوک کا وہ لب لباب ہے جو کہ " معبود " اور " عبد " کے مابین کل معاملات کی اصل اور بنیاد ہے - جب تک مرید آداب طریقت سے کما حقہ واقف اور ان پر عمل پیرا نہیں ہوتا اس پر راہ سلوک کا کھلنا اور اس کو اپنے مقصود تک پہنچنا نہ صرف محال بلکہ وہم و جنون ہے - اس کے ساتھ ہی ساتھ سالک راہ طریقت کو یہ بھی ہروقت یاد رکھنا چاہئے کہ " ادب " اس راہ پر چلنے کی انتہائی ضروری اور بنیادی شرط ہے - یہاں ہم پھر یہ بات واضح کریں گے کہ ادب سے مراد صرف اخلاق کا اعلیٰ معیار ہی نہیں بلکہ اپنی نفسانی خواہشات اور " نفس امّارہ " کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اپنے آپ کو خداوند کریم کی بتائی ہوئی راہ نجات و فلاح پر قائم رکھنا ہے - عاجزی اورانکساری کے ذیل میں مزید حکمتوں کی تشریح ہم آئندہ صفحات میں بیان کررہے ہیں -

۱. شرح الحکم العطائیہ - ص- 169
۲. شرح الحکم العطائیہ ص- 184

" متواضع وہ ہے کہ جب تواضع کرے تو اپنے مرتبے کو اس تواضع
سے کم تر سمجھے ۔"

حضرت شیخ عطا اللہ اسکندریؒ کی اس حکمت کے مطابق " وہ شخص
متواضع یعنی منکسر اور عاجزی اختیار کرنے والا نہیں ہے کہ جب تو اس کی
تواضع کرے تو اپنے آپ کو تواضع کے اس انداز سے زیادہ مرتبے والا سمجھے
بلکہ متواضع اور منکسر المزاج شخص وہ ہے کہ جب اس کی تواضع کی جائے
تو وہ اپنے آپ کو اس سلوک سے کم کا مستحق سمجھے "۔
اس حکمت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت آغا محمد حسن جانؒ سرہندی
فرماتے ہیں کہ

" اے عزیز ۔ جو شخص مخلوق کے سامنے تواضع اور فروتنی اختیار
کرتا ہے اور اپنے دل میں یہ سوچ رکھتا ہے کہ " میں نے خود ہی انکساری
اور تواضع و فروتنی سے کام لیا ہے ورنہ میرا مقام و مرتبہ اس سلوک سے
کہیں بالا و برتر ہے ، جسے میں نے تواضع و انکساری اختیار کرکے پست کردیا
ہے ، تو وہ شخص منکسر المزاج یا متواضع کہلانے کا مستحق ہرگز نہیں ہے
بلکہ متواضع تو دراصل وہ شخص ہے کہ مخلوق کے ساتھ وہ جس قدر بھی
تواضع اور عاجزی و انکساری کرے پھر بھی اپنے دل میں سچائی کے ساتھ
اور پورے یقین کے ساتھ یہ خیال و گمان رکھے کہ " میرا نفس تو اس سلوک
اور تواضع سے بھی زیادہ ذلت و رسوائی اور پستی کا مستحق ہے اور میں
ابھی بھی تواضع و انکساری کا حق پوری طرح بجا نہیں لایا ۔

حضرت ابو یزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ " بندہ جب تک یہ خیال کرتا
رہے گا کہ تمام عالم میں کون کون شخص مجھ سے زیادہ برا و بد تر ہے ،
تو وہ متواضع و منکسر نہیں بلکہ متکبّر ہے ۔"

لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ " پھر کب بندے کو متواضع و منکسر کہیں گے؟" آپ نے جواب میں فرمایا کہ جب بندہ اپنے نفس کے لئے کوئی حال اور کوئی مقام نہ دیکھے، اور ہر شخص کی تواضع و انکساری اس کی اپنے پروردگار کی معرفت اور اپنے نفس کی پہچان کی حد کے مطابق ہے۔"

" حضرت ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ " اگر دنیا بھر کے لوگ میری برائیاں بیان کرنا شروع کردیں ، تو وہ اس قدر بیان نہ کر پائیں گے کہ جس قدر میں برا ہوں ، کیونکہ اپنی برائیوں کے بارے میں سب سے زیادہ میں خود واقف ہوں ۔"

کسی شخص نے " حضرت محمد بن مقاتلؒ " سے اپنے لئے دعا کی درخواست کی تو آپ رونے لگے اور فرمایا کہ " کاش، میں آپ لوگوں کی ہلاکت اور آپ پر آنے والے مصائب کا باعث نہ ہوتا " مطلب یہ تھا کہ میں اس قدر برا ہوں کہ مخلوق پر تمام آفات و مصائب میری موجودگی کے باعث ہی نازل ہوتے ہیں ۔

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ صاحب مزید فرماتے ہیں کہ " اے عزیز ۔ مقام تواضع و انکساری حاصل ہونے کی دیگر علامات میں سے یہ بھی ہے کہ " بندہ مخلوق کی طرف سے جانے والی اپنی عیب گوئی پر ناراض و غمزدہ نہ ہو ۔ خواہ اسے گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے ساتھ ہی منسوب کیوں نہ کیا جائے ، اور نہ ہی بندہ مخلوق کی طرف سے کی جانے والی اپنی تعریف و توصیف پر خوش ہو ، بلکہ بندے کو تو اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ مخلوق تک اس کے نام کی شہرت ہی نہ پہنچے بلکہ وہ گوشۂ گمنامی میں عافیت کے ساتھ اپنے خداوند کریم کے ساتھ مصروف رہے ۔

شرح جکم العطائیہ ۔ ص ۔ 376 تا 377

"جو عمل اپنی ذات سے منسوب کیا جائے وہ درجہ قبولیت سے گر جاتا ہے"

حضرت شیخ عطا اللہ اسکندریؒ اس حکمت سے یہ مراد لیتے ہیں کہ " جب اللہ تعالیٰ بندے پر اپنا فضل ظاہر کرنا چاہتا ہے تو کسی اچھے عمل کو تخلیق کرکے اس کے اپنے صادق بندے سے منسوب کر دیتا ہے۔"

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ اس حکمت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ

" اے عزیز۔ اس بھید کو اچھی طرح سمجھ لینا اور ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ جب بندہ کوئی نیک عمل انجام دیتا ہے اور اس عمل کی انجام دہی کے ساتھ دل میں یہ بھی سوچتا ہے کہ " حقیقت میں اس عمل خیر کا پیدا کرنے والا اور میرے ہاتھوں سے اس کو انجام دلوانے والا خداوند کریم ہے اور اسی نے مجھے اس نیک عمل کی توفیق عنایت فرمائی ورنہ میری کوئی طاقت اور حیثیت نہ تھی تو بندے کی اس سوچ کے ساتھ اس کا یہ نیک عمل بارگاہ الٰہی میں قبول ہو جاتا ہے ۔ لیکن اگر بندہ اس عمل خیر کی انجام دہی کو صرف اپنی طاقت و سعی و کوشش کا نتیجہ سمجھتا ہے اور اس عمل کو صرف اپنی ذات ہی سے منسوب کرتا ہے تو یہ سوچ خداوند کریم کی بندے سے ناراضگی کا باعث بن جاتی ہے اور بندے کا یہ عمل خیر قبولیت کے درجے سے گرا دیا جاتا ہے ۔

حضرت سہیل تستریؒ فرماتے ہیں کہ " بندہ جب کوئی نیکی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ " اے میرے پروردگار ، تو نے ہی اپنے فضل سے مجھے اس کام پر لگایا اور تو نے ہی میری مدد فرماتے ہوئے مجھے اس کام کے کرنے کی توفیق عطا فرمائی " تو بندے کی اس عاجزی پر اس کو نوازتے ہوئے خداوند کریم فرماتا ہے کہ

" اے میرے بندے ، تو نے میری اطاعت کی اور تو مجھ سے قریب ہوا۔" لیکن اس کے برعکس جب بندہ کہتا ہے کہ " میں نے یہ نیک کام انجام دیا " اور میں نے قرب الٰہی حاصل کیا "۔ تو اس کی اس پرغرور سوچ پر خداوند کریم ناراض ہوتے ہوئے فرماتا ہے کہ " اے میرے بندے میں نے تیری مدد کی اور میں نے تجھے توفیق دی " اور اس بندے کی طرف سے اپنا با برکت و کریم چہرہ اظہار ناراضی کے لئے پھیر لیتا ہے۔ اسی طرح جب بندہ کوئی برائی کرتا ہے اور اس برائی کے ارتکاب کے بعد کہتا ہے کہ " اے میرے پروردگار تو نے یہ کام میرے لئے مقدر کر دیا تھا "۔ تو خداوند ذوالجلال اس بندے پر غضب ناک ہوکر فرماتا ہے " اے میرے بندے ، تو نے برائی کی اور جہالت کی راہ اختیار کی ۔ " لیکن جب بندہ کسی گناہ کے صدور یا برائی کے ارتکاب کے بعد نادم ہوتا ہے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عاجزی وتوبہ اور استغفار کرتے ہوئے اعتراف کرتا ہے کہ " اے میرے پروردگار ، میں نے نادانی اور جہالت سے اپنے اوپر ظلم کیا ۔" تو اس وقت بندے کی عاجزی اور اعتراف گناہ پر رحمت اور کرم کی نظر ڈالتے ہوئے خداوند کریم فرماتا ہے کہ " اے میرے بندے ، میں یہ کام تیرے لئے ازل ہی میں قضا و قدر میں مقرر کر چکا تھا ۔ اب میں نے تجھے بخش دیا ، اور تیری توبہ قبول فرمائی ۔ "

" عجز وانکسار اللہ تعالٰی کی نعمتوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے "

حضرت شیخ عطا اللہ اسکندریؒ کا مطلب اور مفہوم اس حکمت یا مقولے سے یہ ہے کہ سالک راہ سلوک ہو یا ایک عام صالح مسلمان، سب کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ بندے کی عاجزی اور انکساری اللہ تعالٰی کی عنایتوں اور مہربانیوں کو سب سے زیادہ تیزی کے ساتھ بندے کی طرف کھینچ کر لانے والی چیزیں ہیں ۔

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ مذکورہ بالا حکمت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

ع /

" اے عزیز، اس حکمت یا مقولے سے حضرت شیخ عطا اللہ اسکندریؒ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ سالک کے حق میں عاجزی اور انکساری سے بڑھ کر اور کوئی شے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ اور قبول نہیں ہے - یہ ایسا وصف ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت اور بخشش و عطا کو اپنی جانب نہایت تیزی کے ساتھ کھینچتا ہے - مزید یہ کہ یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ اضطراری کیفیت میں عاجز و مسکین کی دعا قبول ہوتی ہے کیوں کہ اضطرار دراصل اپنے دعویٰ خودی کی نفی کرنے، اپنی ذات پر بھروسہ اور اعتماد ختم کرنے، اپنی تدابیر کو ہیچ و ناکام و بے کار جاننے اور صرف ذات الٰہی پر بھروسہ کرنے کا نام ہے - لہٰذا اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ عاجزی و انکساری کا انجام ہمیشہ احوال کی بہتری اور دنیا و آخرت میں کامیابی اور فلاح و بہبود ہے -

****** ***

شرح الحکم العطائیہ - ص - 252

اب ہم حضرت شیخ عطاء الٰہی اسکندری کی " شرح حکم " کے ایک اور نہایت اہم ذیلی عنوان یعنی " درستگی اخلاق عالیہ در تصوف " کی حکمتوں اور ان کی ان تشریحات کا ذکر کرتے ہیں جو کہ حضرت آغا محمد حسن جان نے بیان کیں ہیں -

" اپنے نفس سے موافقت ہر گناہ کی اور اپنے نفس
کی مخالفت ہر طاعت کی بنیاد ہے - "

اس حکمت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی فرماتے ہیں کہ ہر سالک راہ طریقت کو یہ بات مکمل طور پر ذہن نشین کرلینی چاہئیے کہ اس کا " نفس امارہ " ہی اس کا سب سے بڑا امتحان ہے - کیوں کہ ہر گناہ ، ضلالت ، غفلت ، نفسانی شہوات اور وساوس کی جڑ اور بنیاد سالک کی اس کے اپنے نفس کے ساتھ موافقت اور رضامندی ہے - اسی طرح ہر طاعت ، غفلت سے بیداری اور پاکیزگی حاصل کرنے کی بنیاد اور اصل سالک کی اپنے نفس سے ان باتوں میں مخالفت ہے ، جو احکامات خداوندی اور راہ طریقت کے اصولوں کے خلاف ہے - اس بات کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے ، جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ [1]

" اعدی عدوک نفسک التّی بین جنبک "

مزید یہ کہ نیکی اور بدی کے اعمال انجام دئے جانے کے بعد ان کے جو ثمرات یا بد اثرات ظہور پزیر ہوتے ہیں اور سالک کے احوال و مقامات پر جو نتائج موتب کرتے ہیں یہ سب سالک کے نفس کی بدولت ہی ہیں کیوں کہ نفس کی جبلّت یعنی پیدائشی فطرت ہی میں سرکشی اور بغاوت شامل ہے - پس یہ بات از روئے عقل ہر طرح ظاہر ہے کہ جو اپنے نفس

---

1 - ترجمہ - تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے - (الحدیث)

کی موافقت کرتا ہے وہ اس کو گناہ اور غفلت کے لئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے - اسی لئے سالک راہ طریقت کے لئے یہ ازبس لازم ہے کہ اپنے نفس کی مخالفت کرے اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہی ہے کہ اپنے اخلاق کو اعلیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ تر معیار پر پہنچانے کی کوشش کرے کیونکہ جس نے اپنے اخلاق کو سنوار لیا وہ ہی اس راہ طریقت کے لئے مناسب بن سکتا ہے - اور جب اخلاق کی درستگی کے بعد باطن کے اندر اچھائی جڑ پکڑ لیتی ہے تو وہ پائیدار اور کامیابی کی کلید ثابت ہوتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ " اخیارکم فی الجاھلیت ، اخیارکم فی الاسلام "[1]

اخلاق کی درستگی کی تائید و ہدایت میں دوسری حکمت مندرجہ ذیل ہے -

" اپنے بشری اوصاف سے باہر نکلنا چاہئے تاکہ حق تعالیٰ کا قرب نصیب ہو " اس حکمت کی تشریح آغا صاحبؒ اس طرح فرماتے ہیں کہ

" اے عزیز شریعت میں اوامر اور نواہی کی بجا آوری سے اظہار بندگی مقصود ہے اور فطرت انسانی میں ایسے اوصاف شامل ہیں جو کہ آداب و طریق بندگی کے منافی اور برعکس ہیں - یہ مزمومہ بشری اوصاف اور یہ عمومی نفسانی برائیاں قلب کی تباہی کا باعث بنتے ہیں - پس لازم ہے کہ تو ان اوصاف مزمومہ سے بچے اور ان کو اپنے نفس سے دور کرے تاکہ تو پاک صاف ہو کر اخلاق کے اعلیٰ معیار پر قائم ہو اور قرب خدا وندی کو حاصل کرنے کے لائق اور ندائے حق کو سننے کے قابل بن سکے - یہ وہی ندا ہے جو کہ قرآن پاک میں کہیں "یا ایھا الذی آمنو" ، "یا عبادی" ، "یا ایھا الانسان" اور "یا نبی آدم" کے الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے مختصر یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی ندا پر اسی

ترجمہ حدیث - تم میں جو دور جاھلیت میں اچھے تھے ، وہ اسلام میں بھی اچھے ہونگے

وقت " لبیک " کہنے کے لائق ہو سکے گا جب کہ تو اپنے نفس کو اوصاف مذمومہ اور عادات رذیلہ سے پاک کر لے گا اور اپنے نفس کو ان اوصاف و عادات سے دلی نفرت کرنے پر تیار کر لے گا - اور اگر اس کے برخلاف تو ریاکاری ، گھمنڈ ، غصّہ ، لالچ وغیرہ قسم کے اوصاف بد میں ہی پھنسا رہے گا تو کبھی بھی مذکورہ بالا حالت کو نہیں پہنچ سکے گا اور نہ ہی تجھے فلاح و نجات حاصل ہوگی -

اے عزیز ، جب سالک اچھے اخلاق پر قائم ہونے کے بعد شدید مجاہدے اور عبادات کی زیادتی کے بعد مقامات عروج تک پہنچتا ہے تو پھر اس کے احوال میں حکمت خداوندی تصّرف کرتی ہے اور پھر اس کو دوبارہ حکم الٰہی کے تحت ، مخلوق کی طرف پلٹایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کو خداوند کریم کی طرف بلائے اور ان کو اپنے اخلاق کریمانہ اور احوال عالیہ میں سے کچھ حصہ عنایت فرمائے ، کیوں کہ اچھے اخلاق پر قائم ہونے کی ایک بڑی نشانی سخاوت بھی ہے اور سخی کریم ہوتا ہے ، اس کی سخاوت اور عطا و بخشش سب کے لئے ہوتی ہے -

حضرت شیخ عطا اللّٰہ اسکندری نے دراصل اپنی کتاب " شرح حکم " میں تصوف کے دیگر اخلاق فاضلہ پر زور دینے کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھرپور کوشش کی ہے کہ درستگیٔ اخلاق کے موضوع کو زیادہ وضاحت اور تفصیل سے بیان کیا جائے کیوں کہ ادب اور اخلاق ہی دراصل تصوف کی جڑ و بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں - اور یہی وجہ ہے کہ اپنے اپنے ادوار کے نامور اور صاحب سلسلہ بزرگان طریقت اور صوفیائے کرام نے اخلاق کی درستی پر نہایت زور دیا ہے - اس سلسلے کی مزید حکمتیں اور ان کی وہ تشریحات جو حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی نے پیش کیں ، ہم اگلے صفحات میں بیان کر رہے ہیں -

" پردہ غیب کے اسرار جاننے سے بہتر اپنے عیبوں پر نظر کرنا ہے "

اس مقولے سے حضرت شیخ عطا اللہ اسکندری کا مفہوم یہ ہے کہ " بندے کا اپنے باطن کے عیبوں کی طرف نظر کرنا اس بات سے بہتر ہے کہ وہ ان اشیاء کے حصول کی طرف نگاہ کرے جو اس سے پوشیدہ ہیں ، یعنی پردۂ غیب کے اسرار و رموز وغیرہ "

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی اس حکمت یا مقولے کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

" اے عزیز ، جاننا چاہئے کہ غیب کی دو قسمیں ہیں - ان میں سے ایک قسم تو تیرے وجود میں پوشیدہ ہے اور دوسری تیرے وجود سے خارج ہے- غیب کی اس قسم کا نام جو تیرے وجود میں پوشیدہ ہے ، تیری ذات کے بشری رذائل اور عادات قبیحہ اور اعمال و افعال بد ہیں ، مثلا غرور ، ریاکاری ، نام و نمود و مخلوق میں شہرت حاصل ہونے کی خواہش- جس کے تحت تو غیر کی بدی اور اپنے اچھے کام لوگوں کو اس غرض سے سناتا ہے کہ وہ تجھ کو بڑا عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار سمجھیں - بہ قول شاعر

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے[1]

حاصل خواجہ بجز پندار نیست

اس کے علاوہ بغض ، کینہ ، حسد اور طول امل ، یعنی لمبی لمبی خواہش اور آرزوئیں رکھنا ، گھمنڈ ، ظلم و تعدّی ، غفلت ، جلد بازی اور غصّہ جیسی برائیاں بھی تیرے نفس میں پوشیدہ ہیں -

---

1 - یعنی جناب والا دل میں تو یہ سوچتے ہیں کہ ان کے پاس ہی حاصل زندگی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جناب والا کا حاصل زندگی سوائے غرور و تکبر کے کچھ نہیں -

تیرے وجود سے باہر یعنی خارجی غیب یہ ہے کہ وہ تیرے عقل و فہم کے دائرے سے باہر ہے - حضرت شیخ عطا اللہ اسکندری فرماتے ہیں کہ " تیرے لئے یہ ہی مناسب و بہتر ہے کہ پہلے تو اپنے عیبوں سے واقف ہو ، ان کی روک تھام کر اور ان کو اپنی ذات سے باہر نکال دے - اور اپنے دل کو مزکورہ بالا مہلک بیماریوں سے بچانے اور محفوظ رکھنے کی تدابیر اختیار کر کیوں کہ ان مخفی رذائل میں سے ہر ایک تیرے قلب کے لئے ہلاکت خیز اور نہایت تباہ کن ہے -

خارجی احوال کے بارے میں تجھے کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے- کیوں کہ تیرے لئے یہ ہی اچھا ہے کہ جس چیز کی تجھے ضرورت ہے اس کی اصلاح کر اور اسرار الٰہی کا معاملہ خود ذات خداوندی پر چھوڑ دے ، جو کہ تیرا اور تمام مخلوقات کا خالق و مالک اور ہر چیز پر قادر ہے- تو اس بات کو اچھی طرح سمجھ لے کہ اگر تیرے قلب کی درستی ہو گئی تو خارجی اسرار غیب خود بخود اس میں جلوہ گر ہوجائیں گے - تجھے تو اپنی ذات اور اپنے قلب کے آئینے کو بری خصلتوں اور بری عادات کے زنگ سے پاک کر کے چمکانا چاہئے تا کہ وہ اس قابل ہوجائے کہ اشیاء غیب کا عکس اس میں ظاہر ہو سکے-

قلب کا زنگ بھی دو طرح کا ہوتا ہے ایک عارضی دوسرا ذاتی یا ازلی - عارضی زنگ تو مجاھدے ، ریاضت اور عبادات سے دور ہوکر دل کو صیقل کر سکتا ہے ، لیکن ذاتی یا ازلی زنگ کو تقدیر الٰہی جل شانہ کے علاوہ کوئی نہیں مٹا سکتا - اس موضوع پر حضرت شیخ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ

نہ زنگ عاریتی بود بر دل فرعون[1]
کہ صیقل ید موسیٰ سیاہش نزدود
بخواند وہ راہ نداشں، کجا رود بدبخت
بہ بست دیدہ مسکین و دیدنش فرمود

ترجمہ ۔ فرعون کے دل کا زنگ عارضی نہ تھا بلکہ ذاتی و ازلی تھا، جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا "یدِ بیضا" یعنی چمکتا ہوا ہاتھ بھی دور نہ کر سکا ۔ اس نے (اللہ تعالیٰ نے) پہلے تو بلایا پھر راستہ روک دیا ۔ اب وہ بد بخت (فرعون) کہاں جائے ۔ پہلے تو اس غریب کی آنکھیں بند کردیں پھر فرمایا کہ دیکھ ۔

"جس کا حال اور قال اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی رغبت نہ دلائے، اس کی صحبت سے اجتناب کرنا چاہئے ۔"

اس حکمت کی تشریح حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی یوں فرماتے ہیں کہ

"اے عزیز، حضرت شیخ عطا اللہ اسکندری کا یہ مقولہ سالکان راہ طریقت خصوصاً مبتدیوں کے حق میں نہایت مفید اور بے حد اہم ہے ۔ جیسا کہ سیرت و اخلاق کی کتابوں میں بھی یہ ہی دیکھنے میں آتا ہے کہ نا اہل و نا جنس کی صحبت اختیار نہیں کرنی چاہئے اور ایسی صحبت سے پرہیز وکنارہ کرنا چاہئے ۔ اسی نصیحت کی حضرت "لسان الغیب" حافظ شیرازی اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ

نخست موعظۂ پیرِ مے ایں است [1]

کہ از مصاحب نا جنس احتراز کنید

لیکن اس بات کی تمیز کہ کون اہل صحبت ہے اور کون صحبت نا جنس کا مصداق ہے اور کون نہیں ہے، کیسے ہو ۔ اس فرق کو حضرت شیخ عطا اللہ

1۔ ہمارے پیرِ مے فروش کی یعنی ہمارے رہبر و مرشد کی پہلی نصیحت ہی ہمیں یہ ہے کہ صحبت نا جنس سے احتراز کرو ۔

اسکندری نے ایک نہایت مختصر لیکن بلیغ و پرتاثیر عبارت سے ظاہر فرمایا ہے یہ عبارت گویا کہ سالکین کے لئے ایک ترازو اور کسوٹی ہے - حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ " جس شخص کی صحبت اور اس کا حال و کردار تجھے حق تعالیٰ کی اطاعت کی طرف رجوع کرنے پر آمادہ نہ کرے ، اور اس کی گفتار تیرے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا نہ کرے تو تجھ پر لازم ہے کہ اپنے قلب و مال کی حفاظت کے لئے ، ایسے شخص کی صحبت سے بھاگ جا - چاہے وہ شخص اپنے وقت کا برگزیدہ یا انتہائی عالی نسب ہی کیوں نہ مشہور ہو - کیوں کہ ایسے شخص کی صحبت تیرے حق میں زہر قاتل ثابت ہوگی - ع۱

روایت ہے کہ " حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی ، مجدد الف ثانی سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ " آپ کثرت سے وعظ کیوں نہیں فرماتے ، تاکہ زیادہ سے زیادہ مخلوق الٰہی فیض یاب ہو " آپ نے جواب میں فرمایا کہ " جس نے ہمارے حال سے نصیحت حاصل نہیں کی ، وہ ہمارے قال سے بھی نصیحت نہیں پکڑے گا - "

حقیقت تو یہ ہے کہ طالب علموں کی تعلیم کے لئے شیخ یا مرشد کا حال ہی بہترین طریقہ و قابل تقلید مثال ہے ، بہ نسبت اس طریقے کے جس میں سالک دن رات وظائف ، عبادات میں مشغول ، بندگی کے آداب و مراتب کی تعلیم ، مہلک و مضر عادات و رذائل کے ترک اور نجات دلانے والے اخلاق حسنہ کے حصول میں لگا رہے -

" ذلت کی شاخیں طمع کے بیج سے پھوٹ کر بڑھتی اور پھیلتی ہیں "

یہاں حضرت شیخ عطا اللہ اسکندری نے نے عادات بد میں سے ایک بد ترین عادت و خصلت یعنی لالچ کی مزمت فرمائی ہے - اس مقولے کی تشریح

شرح حِکَمِ الروحانیہ - ص - 138

کرتے ہوئے حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی فرماتے ہیں -

" اے عزیز ، حضرت شیخ کی اس عبارت یا حکمت کو سلوک میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے - سالک کو اسے نہایت توجہ سے سماعت کرنا چاہئے - لالچ ایک ایسا مکروہ اور خبیث بیج ہے جسے اگر کسی کے دل میں بو دیا جائے تو اس دل میں ذلت و رسوائی کے پھل کے علاوہ کچھ بھی نہ لگے گا اور اس شخص کی تمام عزت و آبرو خاک میں مل جائے گی- لالچ ایک ایسی بلا ہے جو ہوبرائی کی جڑ ، ہو نقصان کی بنیاد ، دین کے اصولوں کی قاطع اور بندے کے رب العالمین سے حسن ظن رکھنے کو فنا اور منقطع کر دیتی ہے- "

اس ضمن میں " حضرت شیخ ابو بکر الوراق رضی اللہ تعالیٰ عنہ " فرماتے ہیں کہ " اگر طمع سے پوچھا جائے کہ تیرا باپ کون ہے "؟ تو جواب دے کہ" مقدر میں جو کچھ لکھا ہے اس میں شک کرنا"- اور اگر پوچھا جائے کہ "تیرا پیشہ کیا ہے"؟ تو جواب دے کہ "ذلت کی کمائی" اور اگر مزید دریافت کیا جائے کہ "تیرا انجام کیا ہے"؟ تو جواب میں کہے کہ "محرومی "-

روایت ہے کہ جب سیدنا امام الاولیاء حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ بصرہ کی جامع مسجد میں تشریف لائے تو آپ نے وہاں واعظین کے مختلف حلقے دیکھے - آپ نے سب کو وہاں سے اٹھا دیا اور ان کو وعظ کہنے سے منع فرمادیا - جب آپ کا گزر " حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے حلقے کے پاس سے ہوا تو آپ نے ان کے چہرہ مبارک سے نیکی اور بھلائی کے آثار دیکھ کر ان سے فرمایا - " اے نوجوان ، میں تجھ سے ایک مسئلہ دریافت کرتا ہوں اگر تو نے درست جواب دیا تو بہتر ورنہ میں تجھے بھی وعظ کہنے سے ایسے ہی منع کردوں گا جس طرح دوسرے واعظین کو منع کر دیا ہے - " حضرت حسن بصری نے کہا " آپ پوچھیں ، جو کچھ بھی آپ کو پوچھنا ہے- " حضرت علی نے دریافت کیا " دین کی بنیاد کیا ہے ؟

حضرت حسن بصری نے جواب دیا " ورع یعنی پرہیز گاری "۔
حضرت علی نے دوبارہ دریافت فرمایا
" پھر دین کا فساد کیا ہے ؟ "
حضرت حسن بصری نے جواب دیا " طمع یعنی لالچ ۔"
حضرت علی نے خوش ہوکر فرمایا " تم بیٹھو ، تم جیسا آدمی ہی اس بات کا مستحق ہے کہ لوگوں کے سامنے گفتگو کرے ۔"
طمع کیا ہے ؟ دوسروں کے مال میں سے کچھ پانے کی امید رکھنا ۔ اور ورع یا پرہیز گاری کیا ہے ؟ مخلوقات کے خالق جل شانہ کے بارے میں پیدا ہونے والے شبہات سے صدق دل اور اخلاص کے ساتھ بچنا ۔

" بندے کی یہ خواہش کہ لوگ اس کو نیک اعمال کی توفیق
دیئے جانے کو جان لیں ، اس کے عبودیت میں سچا نہ ہونے
کی دلیل ہے ۔

حضرت شیخ عطا اللہ اسکندری نے اس مقولے میں ایک اور عادت بد یعنی نام و نمود اور ریا کاری کا تذکرہ فرمایا ہے ۔

اس مقولے کی تشریح کرتے ہوئے حضرت آغا صاحب فرماتے ہیں
" بندے کی خصوصیات میں سے نیک اعمال کے صادر ہونے کی توفیق ملنا ، بندے کا با عمل ہونا اور عبودیت میں صداقت اور اخلاص کا پایا جانا وغیرہ ایسے امور ہیں جن کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہونا چاہئے نہ کہ مخلوق کو دکھانے کے لئے ۔ کیوں کہ ان امور پر مخلوق کے مطلع ہونے کی خواہش رکھنا ان اعمال کے فاسد اور باطل ہوجانے کا باعث بنتا ہے اور بندے کو صدق و صفا اور اخلاص کی اعلیٰ مسند سے نیچے گرا کر ریا کار اور کاذب

شرح حِکَم العطائیہ ص 287

بنا دیتا ہے - کیوں کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لا شریک ہے ، اس لئے وہ اپنے لئے کئے گئے کسی بھی عمل میں ، کسی بھی قسم کی شرکت کو قبول نہیں فرماتا اس سبب سے تیرے دل میں مخلوق کے تیرے احوال و اعمال سے واقف ہونے کی خواہش پیدا ہونا ، عبادات میں تیرے عدم اخلاص اور ریاکاری کی دلیل بن جاتی ہے - کسی دانش مند سے پوچھا گیا کہ " صدق کیا ہے ؟ " کہا کہ " مخلوق سے اطاعت کو چھپانا - "

اس سلسلے میں بزرگان دین کے کچھ اقوال پیش کئے جاتے ہیں تاکہ ہماری بات کی تائید ہو اور معاملہ مزید واضح ہوجائے-

1 - " حضرت شیخ ابو عبداللہ فرماتے ہیں " جو شخص اپنے افعال واقوال میں صرف اللہ تعالیٰ کے دیکھنے اور سننے پر قناعت نہ کرے تو لا محالہ اس میں ریاکاری داخل ہو جاتی ہے- "

2 - حضرت سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں " جس شخص کو یہ پسند ہو کہ جو کچھ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے اسے مخلوق جان لے تو وہ شخص غافل ہے - "

2 - حضرت مالک بن دینار کو ایک عورت نے " ریاکار " کہا تو آپ نے اس عورت سے فرمایا " میرا اصل نام تو یہ ہی ہے ، جسے تو نے پا لیا اہل بصرہ نے تو اسے گم کر دیا تھا - "

4 - حضرت داؤد طائی فرماتے ہیں " میں جوانی میں فاسق تھا - جب بوڑھا ہوا تو ریاکار ہو گیا اور خدا کی قسم ریاکار فاسق سے زیادہ برا ہوتا ہے - "

جاننا چاہئے کہ صالحین سلف ہمیشہ اپنے نیک اعمال کو پوشیدہ رکھنے کی طرف سختی سے متوجہ رہتے تھے اور اس امر کو طریقت اور اخلاص کے لازمی امور میں سے سمجھتے تھے -

" بے ادب کو بارگاہ الٰہی سے دور پھینک دیا جاتا ہے " ع ۱

اس حکمت یا مقولے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے شیخ عطا اللہ اسکندری فرماتے ہیں کہ

" یہ مرید کی نادانی ہے کہ راہ سلوک میں اپنا سفر طے کرتے ہوئے بے ادبی و گستاخی کا مظاہرہ کرے اور جب اس کو اس بے ادبی کی سزا ملنے میں تاخیر ہو تو کہے کہ اگر میرا یہ عمل بے ادبی ہوتا تو میرے اچھے حالات اور میرا مقام و حال تبدیل ہو جاتے یا تنزل پا جاتے - اور مجھ کو لازماً بارگاہ خداوندی سے دور کردیا جاتا ہے - حالانکہ بعض اوقات قانون خداوندی یا مصلحت خداوندی کے تحت ایسا بھی ہوتا ہے کہ اچھے حالات منقطع کر دیئے جاتے ہیں لیکن مرید کو اس بات کی خبر بھی نہیں ہوتی - اور اچھے حالات کا منقطع ہونا یہ ہے کہ مرید پر ترقی کی راہ بند کردی جاتی ہے - اور اس کو بارگاہ الٰہی سے دور پھینک دیا جاتا ہے - یہاں دوری سے مطلب یہ ہے کہ اس بندے کو اس کی نفسانی خواہشات کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور یہ فکر قطعاً نہیں کی جاتی کہ وہ کس وادی یا کس جنگل میں ہلاک ہوا -

اس حکمت کی مزید تفصیل کے ساتھ تشریح کرتے ہوئے حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی فرماتے ہیں کہ

" اے عزیز، حضرت شیخ نے اس مقولے میں آداب مریدین کے بارے میں ایک مختصر سی عبارت میں ایک پورا دفتر سمو دیا ہے اور بے ادبی کے نتائج بھی ارشاد فرما دئیے ہیں - ادب، باب سلوک کی اصل اور عبد و معبود کے مابین معاملات کی بنیاد ہے - کیوں کہ جب تک مرید طریقت کے آداب سے آراستہ و مزین نہیں ہوتا اور اس میں آداب سے متعلق تمام صفات حسنہ پیدا اور ترقی یافتہ نہیں ہو جاتیں، اس کا مقصد تک پہنچنا نہایت محال و دشوار

بلکہ تقریباً ناممکن ہے ۔

جاننا چاہئے کہ مریدین کے آداب کے بھی درجے اور مراتب ہیں جن میں سب سے پہلا ادب مرید کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے ۔ جس کے تحت مرید کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرے اور اس پر استقامت اختیار کرے ۔ دوسرا ادب مرید کا اپنے شیخ طریقت کے ساتھ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مرید اپنے مرشد کے اقوال و احوال پر ظاہری ، باطنی ، اعلانیہ یا مخفی طور سے کسی بھی حال میں اعتراض نہ کرے ۔ اور اسی طرح اپنے مرشد گرامی قدر سے لے کر اپنے مرشد کے شیخ اور پھر درجہ بہ درجہ سلسلے کے کسی بھی بزرگ اور بالآخر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی کے بھی حکم سے سرمو انحراف نہ کرے اور نہ کسی حکم پر اعتراض کرے ۔ مرید کا تیسرا ادب اپنے نفس کے ساتھ ہے یعنی اپنے نفس کو شرعی حدود میں رہنے اور شرعی احکامات پر استقامت اختیار کرنے کی تربیت دینا ہے ۔ مرید کا چوتھا ادب اپنے برادران طریقت اور تمام مسلمانوں کے ساتھ ہے ۔ اس کے تحت مرید پر لازم ہے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ اس طرح پیش آئے کہ شریعت مطہرہ کے عائد کئے ہوئے احکامات کے مطابق ہر شخص کا وہ حق ، جس کا وہ متقاضی ہے ، ادا ہو جائے ۔

جہاں تک مرید کی بے ادبی پر سزا کی تاخیر کا تعلق اور اس پر مرید کی خوش فہمی کا معاملہ ہے تو یہ ایک طرح کا " استدراج " ہے ۔ مرید کی بے ادبی اس کے حق میں سزا کا موجب ضرور بنتی ہے اور اس کی مختلف سزائیں ہیں ۔ بعض ظاہر اور بعض مخفی ۔ ظاہری سزا تو سب پر عیاں ہو جاتی ہے لیکن مخفی سزا ایک حجاب ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے اور بے ادب مرید کے درمیان حائل فرما دیتا ہے ۔ درحقیقت یہ حجاب مرید کے حق میں ظاہری سزاؤں سے زیادہ تباہ کن اور نقصان دینے والا ہے ۔ حضرت شیخ

عطا اللہ اسکندری نے اپنی اس حکمت کی تفصیل میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ " جس کی مدد منقطع کی گئی ، اس کو دوری کے مقام پر کھڑا کر دیا گیا - "

خدا وند کریم ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس حجاب کے عذاب سے دور رکھے ، آمین - کیوں کہ اگر کسی بدبخت کے ساتھ ایسا ہو گیا تو گویا وہ شخص اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے دور جا پڑا - ایسے شخص کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑ جاتے ہیں اور پھر اس بد نصیب و سیاہ بخت کے حصے میں انس کی بجائے وحشت اور نور کی بجائے ظلمت رہ جاتی ہے - ایسے شخص کے لئے اپنے پہلے حال پر لوٹنا تقریباً ناممکن ہو کر رہ جاتا ہے - بالآخر اس کو اس کی نفسانی خواہشات کے حوالے کردیا جاتا ہے ، جو اس کو ظلمت و گمراہی کے ایسے مقام میں لے جاکر پھنساتی ہیں جہاں سے علاوہ تائید ایزدی کے چھٹکارا پانا ناممکن ہوتا ہے -

کبھی مرید کی بے ادبی پر اس کو اس طرح بھی سزا دی جاتی ہے کہ اس پر ترقی کے راستے بند کر دئیے جاتے ہیں - وہ اپنے نفس کے ساتھ خوشی و راحت محسوس کرتا ہے اور خود کو بزعم خود دل میں کوئی بڑی حیثیت و مرتبے والا بزرگ اور نوازا ہوا شخص سمجھنے لگتا ہے - ع

بزرگان دین و سلف صالحین نے توفیق کی تین علامات بیان فرمائی ہیں

1 - بغیر ارادہ نیکیاں صادر ہونا -

2 - جب ترک گناہ کا ارادہ کرے تو گناہ کو واقعی ترک کردینے پر قادر ہونا -

3 - اپنے تمام حالات میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف رجوع کرنا -

اسی طرح " خذلان " یعنی ذلت و بد بختی کی بھی تین علامات ہیں

1 - باوجود کوشش کے ، طاعت کا میسر نہ آنا -

2 - گناہوں سے بھاگنے کے باوجود ، گناہوں کا صادر ہونا -

3 - اپنے اللہ سے بالکل رجوع نہ کرنا -

اے عزیز، تصوف میں ادب کا عظیم مقام ہے - عارفوں نے فرمایا ہے کہ تصوف سارے کا سارا ادب ہے ، جس نے آداب کو ضائع کیا تو وہ اس سے دور ہے ، جس سے اپنے آپ کو نزدیک سمجھتا ہے ، اور اس کا رد کیا ہوا ہے ، جس کے متعلق وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مقبول ہے -

اس سلسلے میں راہ سلوک کے بزرگان دین میں سے کچھ کے واقعات و حالات ذیل میں پیش کر دینا نہ صرف انتہائی مناسب ہوگا بلکہ طالبان طریقت اور سالکان راہ سلوک کے لئے مہمیز کا کام دے گا -

1 - حضرت ابو عبداللہ خفیف فرماتے ہیں " مجھ سے میرے شیخ حضرت " رویم " نے فرمایا کہ " بیٹا عمل خواہ نمک کے برابر انجام دے لیکن اس عمل میں ادب کی مقدار آٹے کے برابر ہو -"

2 - حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں " جب مرید حد ادب سے باہر ہو جائے ، تو جہاں سے چلا تھا ، وہیں پر لوٹ آتا ہے - "

3 - حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں " جس نے وقت کا ادب نہیں کیا تو اس کا وقت اس سے ناراض ہے - "

4 - حضرت عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں " ہم زیادہ علم کی نسبت تھوڑے ادب کے محتاج ہیں "-

5 - حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ " ادبنی ربی فاحسن تادیبی ثم امرنی بمحاسن الاخلاق فقال "خذ العفو و امر بالمعروف و اعرض عن الجاهلین -" (سورہ اعراف)

یعنی - مجھے میرے پروردگار نے ادب سکھایا ، پھر اچھے اخلاق کا حکم دیا اور فرمایا کہ " سرسری برتاؤ قبول کر لیا کیجئے ، نیک کام کی تعلیم دیجئے اور جاہلوں سے کنارہ کش رہئے -"

اے عزیز، چونکہ نفس انسانی فطری طور پر سرکش اور خود پسند

شرح حکم العطائیہ پی - 172

واقع ہوا ہے اور صاحب شریعت از روئے شریعت اسے آداب سکھاتے ہیں ، اس لئے مرید پر لازم ہے کہ وہ ایسے پیر کامل کی صحبت اختیار کرے جو شریعت مصطفویٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہو۔ تاکہ وہ مرید کی اس کے "نفس امّارہ" کے خلاف جنگ میں مرید کا معین و مددگار ثابت ہو۔ مرید پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ خود کو مکمل طور پر اپنے پیر کامل کے حوالے کردے اور مرشد کے احوال و اقوال کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنائے تاکہ اللہ تعالیٰ مرید کو اس کے نفس کی برائی سے نجات دے۔

اب اگر تیرا نفس تجھ سے کہے " میں تو آداب کو پوری طرح ملحوظ رکھتا اور ان پر انتہائی جانفشانی کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا ہوں ، تو ذرا آ اور ان صوفیائے باصفاء کے حالات و واقعات غور سے سن جو کہ فی الحقیقت باادب تھے اور پھر ان کے ادب کے مرتبے و درجے کا اپنے ادب سے مقابلہ کرکے ازروئے انصاف فیصلہ کر کہ ادب کیا ہوتا ہے ؟ اور تیرے ادب کی کیا حقیقت و حیثیت ہے۔ ؟

1 -ا حضرت سری سقطی فرماتے ہیں کہ " ایک رات میں نے مسجد میں اپنے اوراد و وظائف پڑھے اور بہت تھک کر بیٹھ گیا اور میں نے بیٹھنے کے دوران اپنے پیر پھیلا دیئے۔ فوراً ہاتف غیب نے نداء دی " اے سری ، کیا بادشاہوں کے سامنے بیٹھنے کا یہی طریقہ ہے۔؟" میں نے عرض کیا " اے میرے رب ، مجھے تیری عزت کی قسم ، آج کے بعد اپنے پاؤں کبھی نہ پھیلاؤں گا ۔ " چنانچہ حضرت سری سقطی کے خلیفہ اور شاگرد حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد سری سقطی تقریباً ساٹھ (60) سال مزید زندہ رہے لیکن کبھی پیر نہ پھیلائے۔

2 - حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ " ایک روز میں اہل بغداد کی

ایک کثیر تعداد کے ساتھ مسجد " شونیزیہ " میں نماز جنازہ پڑھنے کا منتظر تھا کہ وہاں میں نے ایک سائل کو دیکھا جو دیکھنے میں نیک معلوم ہوتا تھا - میں نے اپنے دل میں کہا " اگر یہ شخص کام دھندہ کرکے کچھ کماتا تو یہ اس کے حق میں اس گداگری سے بہتر تھا - " کچھ دیر کے بعد میں نماز جنازہ پڑھ کر اپنے گھر لوٹ گیا لیکن میں ہر رات ، معمول کے مطابق جو کچھ اپنے اوراد و وظائف پڑھتا تھا وہ سب منقطع و موقوف دیکھے - اس بات نے مجھے کافی پریشان کیا اور اسی پریشانی کے عالم میں میں سو گیا - میں نے خواب میں دیکھا کہ اسی فقیر کو ایک خوانچہ میں رکھ کر میرے سامنے لائے ہیں اور مجھ سے کہا جا رہا ہے " لے اس کا گوشت کھا ، کیوں کہ تو نے اس فقیر کی غیبت کی تھی "- میں نے کہا " میرے دل میں تو صرف خیال گزرا تھا - " مجھ سے کہا گیا کہ " ہمیں تیرے دل میں ایسے خیال کا گزرنا بھی پسند نہیں - یہاں سے چلا جا اور اس فقیر سے معافی مانگ - " دوسرے دن میں خواب سے بیدار ہوتے ہی اس فقیر کی تلاش میں نکلا ، دیکھا کہ وہ پانی کے کنارے سبزیوں کے پتے چن رہا ہے - میں نے سلام کیا تو وہ میری طرف دیکھ کر کہنے لگا " اے جنید ، پھر تو ایسا نہیں کروگے ؟ " میں نے جواب دیا کہ " ہرگز نہیں " فقیر بولا کہ " اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں معاف فرمائے -"

3 -: کہتے ہیں کہ صوفیائے کرام میں سے کسی کا بچہ گم ہو گیا - تین دن تک اس کے تلاش میں رہے کسی نے کہا کہ " اللہ تعالیٰ سے بچے کی بازیابی کی دعا کرو - جواب میں انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر اعتراض میرے لئے بچے کی گمشدگی سے زیادہ بڑی

مصیبت ہے ۔ "

4 ۔ صوفیائے کرام میں سے ایک بزرگ اپنے ایک گناہ پر ساٹھ سال تک گریہ و زاری کرتے رہے ، لوگوں نے پوچھا کہ آخر آپ کا وہ کون سا گناہ تھا ۔ فرمایا کہ ایک دن ایسے ہی میرے منھ سے نکل گیا تھا کہ " کاش یہ کام ایسے نہیں ویسے ہوتا ۔"

اب کچھ حال پیران طریقت کے آداب کا بیان کیا جاتا ہے ۔ عارفین بارگاہ خداوندی کا قول ہے کہ " استادوں کی نافرمانی کی کوئی توبہ نہیں اور جس نے اپنے شیخ سے کہا کہ " ایسا کیوں ؟ " تو وہ مرید کبھی فلاح نہیں پائے گا ۔ " ع ۱

شیخ ابوالقاسم قیشوری نے فرمایا " جس کو مشائخ طریقت میں سے کسی شیخ کی صحبت نصیب ہوئی اور اس مرید کے دل میں اپنے شیخ کی طرف سے کوئی اعتراض پیدا ہوا تو اس مرید نے صحبت اور ہم نشینی کی آبرو کو خاک میں ملا دیا ۔ اگر کوئی سالک کسی مقام میں قید ہوکر رہ جائے اور اس پر ترقی کا راستہ بند ہوجائے تو وہ سمجھ لے کہ اپنے پیر کی بے ادبی کرنے کے سبب سے وہ اس مصیبت سے دوچار ہوا ہے ۔ اس لئے کہ شیخ اپنی قوم میں اس طرح ہے جیسے کوئی نبی اپنی امت میں ۔

اپنے نفس کے ساتھ زیادتی اور مرید کی بے ادبیوں میں سے ایک بے ادبی یہ بھی ہے کہ مرید خود کو کامل سمجھنے لگے ، مسند نشین ہوکر بیٹھ جائے اور پیر کی اجازت کے بغیر لوگوں کو تلقین و ھدایت و ارشاد شروع کردے ، لوگوں کے اپنے پاس جمع ہونے والے ہجوم اور ان کی طرف سے اپنی ذات کو تعظیم دئے جانے کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے ، لوگوں کے اس سے برکت طلب کرنے اور اس کے ہاتھوں کے چومے جانے سے خوش اور مسرور ہو ۔ حالانکہ درحقیقت یہ حالت ایک مرید کے لئے سخت نقصان دہ

شرح حِکَم العطائیہ ۔ ص ۔ 186

اور اس کے تنزّل کا باعث ہے ۔ " حضرت ابو عثمان حیری " فرماتے ہیں کہ " جس مرید نے اپنے احوال کو پسند کیا ، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا ہر ارادہ باطل ہے ، تا وقتیکہ وہ توبہ نہ کرے ۔"

طریقت میں ایک سنگین ترین بے ادبی یہ بھی ہے کہ مرید شرعی اعتبار سے جائز اور حلال امور میں خود کو بے روک ٹوک اور آزاد تصور کرے ۔ جس مرید نے مباح امور میں شرعی اجازتوں اور رخصتوں کو آزادانہ استعمال کیا تو درحقیقت اس نے اپنے پروردگار سے کئے ہوئے عہد کو توڑ دیا ۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ " ارادے کا مطلب ، کوشش کا دوام چاہنا اور راحت کا ترک کرنا ہے ۔ " حضرت ابو سلیمان دارانی نے فرمایا کہ " اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ " میں نے شہوات کو اپنی کمزور مخلوق کے لئے پیدا کیا ہے ۔ تم ان سے بچو اور ہمارے سوا کسی اور چیز کے ساتھ اپنے قلب کو متعلق نہ کرو ورنہ کم سے کم جو سزا میں تمہیں دوں گا وہ یہ ہے کہ اپنی محبت کی مٹھاس تمہارے دل سے دور کردوں گا ۔ "

بزرگان دین نے مزکورہ بالا عقیدے اور بھید کو سمجھتے ہوئے ہر حال میں خدا کے ساتھ نہایت اعلیٰ آداب کا مظاہرہ کرنے کی جو عملی تعلیم سالکان راہ طریقت کو اپنے افعال و اعمال کے زریعے دی ہے اس کے کچھ واقعات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں ۔

1 ۔ حضرت ابراھیم خواص فرماتے ہیں کہ " میں اپنی ریاضت اور مجاھدے کے زمانے میں لبنان کے پہاڑوں میں یاد الٰہی میں مشغول رہتا تھا ۔ ایک دن انار کا ایک درخت دیکھ کر میرے دل میں انار کھانے کی خواہش پیدا ہوئی ۔ جب میں نے ایک انار توڑ کر اسے چکھا تو وہ کھٹّا نکلا ، میں اس کو وہیں چھوڑ کر آگے چل دیا ۔ راستے میں مجھے ایک شخص پڑا ہوا نظر آیا جس جسم پر بھڑیں چپکی ہوئی تھیں ۔ میں نے اس کو سلام کیا تو اس نے جواب

دیا " وعلیکم السلام یا ابراہیم " میں نے حیران ہو کر اس سے پوچھا کہ
" تو نے مجھے کیسے پہچانا ؟ " کہا کہ " جو اپنے رب کو پہچان لیتا ہے،
اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔" میں نے کہا " میں پروردگار کے
ساتھ تیرا حال اچھا دیکھتا ہوں ، کیا ہی اچھا ہو اگر تو اپنی عافیت کے
لئے دعا کرے ۔" اس نے جواب دیا کہ " میں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تیرا حال
اچھا دیکھتا ہوں ، کیا ہی اچھا ہو کہ اگر تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ
انار کھانے کی خواہش تیرے دل سے نکال دے ۔"

2 ۔ حضرت جنید بغدادی نے کسی شخص کو ایک درہم دے کر فرمایا کہ
" میرے لئے انجیر لا دو ۔ " جب وہ شخص انجیر لے کر آیا تو آپ نے ایک
دانہ منھہ کے اندر رکھا لیکن پھر فوراً ہی نکال کر پھینک دیا اور رونے لگے
فرمایا " باقی انجیر اٹھا لے ۔" اس شخص نے حیرت زدہ ہوکر پوچھا " کہ
اے شیخ کیا بات ہے ؟" فرمایا کہ " جیسے ہی میں نے انجیر کا دانہ منھہ
میں رکھا تو فرشتۂ غیبی نے آواز دی " انجیر کھانے کی خواہش کو پورا
کرتے ہوئے تجھے شرم نہیں آتی ، جب کہ تو میرے لئے انجیر کو پہلے ہی
ترک کر چکا ہے ۔"

3 ۔ حضرت شفیق بن ابراہیم کہتے ہیں کہ " ایک روز میں نے مکہ مکرّمہ
میں حضرت ابراہیم بن ادہم کو دیکھا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
کی جائے ولادت کے نزدیک بیٹھے ہوئے رو رہیں ہیں ۔ جب میں نے باو بار
ان سے رونے کا سبب دریافت کیا تو آخر کار کہنے لگے " اگر تو کسی سے نہ
کہے تو بیان کروں ۔" میں نے ان کی یہ شرط مان لی تو فرمایا کہ " ایک مدت
سے میرا نفس مجھ سے " ہریسہ " (حلیم) کھانے کی خواہش کر رہا تھا
لیکن میں برابر انکار کر رہا تھا ۔ ایک رات عبادت کے بعد میں بیٹھے بیٹھے سو
گیا ، خواب میں دیکھا کہ ایک شخص گرم گرم ہریسے سے بھرا ہوا پیالہ لے

کو میرے پاس آیا اور بولا " اے ابراہیم اسے کھا لے " - میں نے کہا کہ جس چیز کو میں نے اللہ تعالیٰ کے لئے ترک کیا ہوا ہے اسے ہرگز نہ کھاؤں گا " کہنے لگا " جب واقعی اللہ تعالیٰ کھلائے تو کھا لینا چاہئے - " مجھ سے کوئی جواب بن نہ پڑا ، اس نے پھر کہا " تجھ پر اللہ کی رحمت ہو ، کھا لے -" میں نے کہا " میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک بھیجنے والے کے بارے میں معلوم نہ ہو جائے -" اس نے جواب دیا " اسے کھا لے ، کیوں کہ یہ پیالہ مجھے یہ کہہ کر دیا گیا ہے کہ " اے خضر ، یہ پیالہ اٹھا اور جا کر ابراہیم کو کھلا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے طویل صبر کی وجہ سے اس پر رحم فرمایا ہے - اے ابراہیم میں نے فرشتوں سے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ دیتا ہے تو یہ نہیں لیتا ، پھر یوں ہوتا ہے کہ یہ مانگتا ہے اور اللہ تعالیٰ نہیں دیتا ہے-" یہ سن کر میں نے کہا کہ " اگر واقعی ایسی ہی بات ہے تو میں تمہارے سامنے حاضر ہوں لیکن خود اپنے ہاتھ سے کھا کر عہد شکنی نہیں کروں گا -" اتنے میں ایک اور شخص نمودار ہوا اور بولا کہ " اے خضر ، تو ایک ایک لقمہ اس کے منہ میں ڈال -" چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام مجھے کھلاتے رہے یہاں تک کہ میں سیر ہو گیا - اس کے بعد میں خواب کی غنودگی سے جاگ اٹھا اور میرا حال یہ تھا کہ اس کھانے کا ذائقہ میرے منہ میں موجود تھا -"

4 - حضرت احمد بن الحواری فرماتے ہیں کہ " ایک مرتبہ حضرت سلیمان دارانی کے دل میں گرم اور نمکین روٹی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی - میں نے لا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دی - آپ نے اس میں سے ایک لقمہ توڑا اور پھر فوراً ہی بغیر کھائے واپس رکھ دیا - پھر فرمایا کہ " دنیا میں میری خواہشات پوری تو کی گئیں لیکن کیسی کیسی سختیاں اٹھانے کے بعد - اب میں کبھی نمک نہ چکھوں گا - " اس واقعہ کے بعد انہوں نے تمام عمر نمک استعمال نہ کیا -"

5 - حضرت ابو بکر بن جلاؒ فرماتے ھیں کہ " مجھے ایک ایسے شخص کا حال معلوم ھے جس کا نفس اس سے کہتا ھے کہ میں تیرے لئے دس روز کا روزۂ وصال[1] رکھنے پر صبر کر نے کو تیار ھوں لیکن افطار کے بعد مجھے ان مباح چیزوں میں سے کوئی چیز کھانے کو دے ، جو میں چاھتا ھوں ۔ وہ شخص اس بات پر اپنے نفس کو جواب دیتا ھے کہ " مجھے تیرے دس دن کے اس روزۂ وصال کی کوئی ضرورت نہیں ھے - تو اپنے دل سے اپنی پسندیدہ چیزیں کھانے کی خواھش نکال دے -"

حضرت حجتہ الاسلام امام ابو حامد الغزالی فرماتے ھیں کہ " صالحین سلف لذیذ غذائیں کھانے سے بہت خوف زدہ رھتے اور پرھیز کرتے تھے اور مرغن غذا کھانے کو بدنصیبی خیال کرتے تھے - وہ ان غذاؤں کو کھانے سے باز آنے کی طاقت اور ھمت کو من جانب اللہ ایک بڑی سعادت تصور کرتے تھے -"

مزکورہ بالا عقیدۂ صالحین سلف کے ذیل میں چند مزید واقعات پیش کئے جاتے ھیں -

1 - حضرت ابو تراب بخشی فرماتے ھیں کہ " ایک روز میرے نفس نے انڈا اور روٹی کھانے کی خواھش ظاھر کی - میں اس وقت سفر میں تھا - چند روز کے بعد ایک گاؤں سے میرا گزر ھوا ، وھاں ایک شخص مجھ سے جھگڑ نے لگا اور مجھ پر الزام لگایا کہ " یہ چوروں کا ساتھی ھے -" پھر اس شخص نے میرے بدن پر ستر کوڑے مارے ، وھاں خلقت اکھٹی ھوگئی ، آخر کار اس ھجوم میں سے ایک شخص نے مجھے پہچان لیا ، مجھ سے بہت معزرت کی اور مجھے اپنے گھر لے گیا - وھاں اس نے انڈا اور روٹی لاکر میرے سامنے رکھی - میں نے اپنے نفس سے مخاطب ھو کر کہا " ستر کوڑے تو کھا لئے ، اب تو انڈا اور روٹی بھی کھا لے -"

2 - حضرت ابو الخیر عسقلانی کے دل میں مچھلی کھانے کی خواھش پیدا

---

1 - روزۂ وصال - وہ روزہ جو مسلسل ، بغیر کسی ناغہ کے رکھا جائے -

ہوئی - کچھ عرصے کے بعد ان کو کسی جگہ سے حلال مچھلی دستیاب ہوئی - جب اسے کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو مچھلی کے کانٹوں میں سے ایک کانٹا ان کے ہاتھ میں ایسا چبھا کہ ہاتھ بیکار ہو گیا - فرمانے لگے " اے میرے رب یہ بدلہ اس شخص کے ساتھ ہے جو حلال کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے ، اس کا کیا حال ہو گا جو حرام کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے - "

3 - ابراہیم بن شیبان فرماتے ہیں کہ " ایک مرتبہ میں شہر " حلب " میں مقیم تھا کہ میرے دل میں مسور کی دال روٹی کے ساتھ کھانے کی خواہش پیدا ہوئی - چنانچہ میں نے کھالی ، باہر نکلا تو دیکھا کہ مسجد کے دروازے کے سامنے ایک دوکان پر شراب کی بوتلیں رکھی ہیں - مجھے دیکھ کر بڑا طیش آیا اور میں نے اس دوکان میں گھس کر شراب کی بوتلیں توڑ ڈالیں - اسی اثنا میں اس دوکان کا مالک آ پہنچا ، اس نے مجھے پکڑ کر میرے بدن پر دو سو ڈنڈے مارے اور مجھے چار مہینے کے لئے جیل میں ڈلوادیا - جب میرے شیخ " حضرت ابو مدین مغربی " کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے مجھے جیل سے رہائی دلوائی - پھر آپ نے مجھ سے پوچھا کہ " تیرے اس مصیبت میں گرفتار ہونے کی وجہ کیا تھی ؟ " - میں نے جواب دیا کہ " مسور کی دال روٹی کے ساتھ کھانے کی وجہ سے دوسو ڈنڈے اور چار مہینے کی جیل بھگتنی پڑی ہے - " میرے شیخ نے فرمایا " اچھا ہوا - نجات مل گئی ، اس عمل کی شامت تیرے ظاہر پر ہی گزری - اگر تیرے باطن پر آفت آ جاتی تو جان سخت مشکل میں پڑ جاتی - "

4 - حضرت جعفر بن محمد کے حوالے سے حافظ ابو نعیم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت " خیر نساج سے دریافت کیا کہ " کیا ابتدا سے ہی تمہارا پیشہ جولاہے کا کام اور کپڑا بننا تھا ؟ " کہا کہ نہیں - میں نے پوچھا " پھر تم کو خیر نساج کیوں کہتے ہیں ؟ " - جواب دیا کہ میں نے اپنے اللہ سے عہد

کر رکھا تھا کہ کھجور کبھی نہیں کھاؤں گا ۔ ایک دن مجھ پر خواہش نے غلبہ کیا اور میں نے آدھا رطل کھجوریں خریدیں ۔ ابھی میں نے ایک ہی کھجور منہہ میں رکھی تھی کہ ایک شخص نے مجھے بغور دیکھا اور کہا " اے خیر تو میرے پاس سے بھاگ کر کہاں چلا گیا تھا ؟ ۔" دراصل اس شخص کا ایک غلام بھاگ گیا تھا اور اس غلام کا نام بھی " خیر " تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس وقت اس شخص کے مفرور غلام کا ہمشکل بنا دیا تھا ۔ اس شخص نے مجھے بہت مارا ، لوگوں کا ہجوم اکھٹا ہو گیا ۔ ہر شخص قسم کھا کر کہہ رہا تھا کہ میں ہی اس مدّعی شخص کا مفرور غلام خیر ہوں ۔ میں حیران و پریشان تھا اور دل میں سوچ رہا تھا کہ مجھ پر یہ بلا کیوں نازل ہوئی ۔ میرے دل نے جواب دیا کہ " اللہ تعالیٰ کا عہد توڑنے اور ایک کھجور منہہ میں رکھنے کی وجہ سے ۔" آخر کار وہ شخص مجھے پکڑ کر اپنی دوکان میں لے گیا ، جہاں اور بھی آدمی کپڑا بننے میں مصروف تھے ۔ وہاں بھی ہر شخص مجھے برا بھلا کہہ رہا تھا ، کہ" کیا تو ہی اپنے مالک کے پاس سے فرار ہو گیا تھا ؟ "۔ پھر اس شخص نے مجھے روئی کے کام پر لگا دیا ۔ چنانچہ میں نے اپنے پاؤں اس گڑھے میں لٹکائے جہاں بیٹھ کر روئی بنی جاتی ہے ، اس پیشے سے متعلق اوزار سنبھالے اور کام میں لگ گیا ، اور اس طرح دل لگا کر نسّاجی کا کام کرنے لگا جیسے میں سالہا سال سے یہی کام کرتا آ رہا ہوں۔ وہاں میں نے تقریباً ایک مہینہ کام کیا ۔ ایک رات میں کام سے فارغ ہوکر نماز میں مشغول ہوا اور سجدے میں گر کر اپنے پروردگار سے مناجات کی کہ میرے پرور دگار ، میں نے توبہ کر لی کہ اب کبھی ایسی خواہش نہ کروں گا ۔ " جب صبح کی روشنی پھیلی تو قدرت خداوندی سے مزکورہ بالا مفرور غلام " خیر " کی شبیہہ میرے چہرے سے زائل کر دی گئی اور میں اپنی اصلی صورت پر آ گیا ۔ اس واقعہ کےبعد مجھے آزاد کر دیا گیا۔ لیکن میرا نام " نسّاج " باقی رہ گیا ۔"

ادب کے باب میں بزرگان دین کے حالات و واقعات نہایت کثرت سے ملتے ہیں۔ یہاں جو احوال طوالت کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں ان کا مقصد یہی تھا کہ تیرا نفس اپنے پروردگار کا ادب کرنے کا جو دعویٰ رکھتا ہے ، وہ اس آئینے میں اپنا چہرہ بخوبی دیکھ لے اور اپنے دعوے کی حقیقت اور حیثیت کو جان لے۔

اے عزیز، اپنے احوال کا اندازہ اور تقابل ان بزرگوں کے احوال سے کر اور پھر اپنی مفلسی و تہی دستی اور ان بزرگوں کے استغنا ، اپنی محرومی اور ان کی خوش نصیبی کا اچھی طرح جائزہ لے اور اپنے نفس کو اس کاذب دعوے پر فریفتہ نہ ہونے دے جو خود کو بندہ کہتا ہے لیکن اس کی بندگی کا دعویٰ سراسر جھوٹ اور نفاق پر مبنی ہے۔ اس نفس کے بندے کے دعوے کی حقیقت اور اصل تو یہ ہے کہ پہلے وہ تقویٰ اور پرہیز گاری کے حال سے مباحات یعنی حلال چیزوں کے استعمال میں بے حجاب و آزادانہ روش پر قائم ہوا پھر وہاں سے مشتبہات یعنی مشکوک و مشتبہ چیزوں کی طرف آیا اور وہاں سے محرمات اور شرعی اعتبار سے ناجائز چیزوں میں عمل دخل شروع کر دیا اور پھر وہاں سے بھی بے ادبانہ تجاوز کرتا ہوا اپنے پروردگار سے مقابلے اور لڑائی پر آمادہ ہو گیا۔ اس کے بعد نہایت گستاخانہ طور پر اللہ تعالیٰ کے قضاء و مقدرات پر اعتراض کرنے لگا کہ ایسا کیوں ہوا ؟ اور ویسا کیوں ہوا ؟۔ تو نے دیکھا کہ بات کہاں سے شروع ہوکر کہاں تک جا پہنچی۔ بقول شاعر

تو دستگیر شو اے خضر پے خجستہ کہ من
پیادہ می روم و ہمرا ہاں سوار انند[1]

اے کاش ، ہم پیدل ہی چلنے کی طاقت اور حوصلہ رکھتے اور ساتھیوں کو

1۔ اے خضر علیہ السلام ، میری مدد فرمائیے کہ میرے ساتھی تو سواریوں پر جا رہے ہیں اور میں پیدل سفر کر رہا ہوں۔

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

سوار ہی رہنے دیتے - لیکن ہماری حالت تو یہ ہے کہ ہمیں نہ صرف پیدل چلنے سے انکار بلکہ اس راہ کے چلنے والوں پر بھی اعتراض ہے - دنیا کی لذت بخش چیزوں کے حصول میں ہمارے نفس کا انہماک اور افتخار محض استدراج اور دھوکا ہے جس نے ہمارے نفس کو اس قدر مغرور کر دیا ہے کہ وہ اپنی جہالت اور نادانی کے سبب اپنی اس حالت کو اپنے پروردگار کے قرب کا سبب سمجھتا ہے - مزید برآں اس کی ستم ظریفی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے جھوٹے اخلاص کے دعوے پر مصر ہے -

اس مقام پر حضرت شیخ عطا اللہ اسکندری نہایت افسوس کے ساتھ فرماتے ہیں کہ " اگر میری باتیں مشائخین وقت اور برادران طریقت کی طبیعتوں اور مزاجوں پر گراں گزریں تو ہر شخص ذرا اس طریقے سے اپنے ایمان کا امتحان کرکے دیکھ لے کہ " صرف دو رکعت نماز نفل اس طرح ادا کرے کہ اس وقت اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا ، ما سویٰ اللہ کا کوئی خیال تک نہ آئے - اگر اس طرح کی دو رکعت نماز ادا ہوسکے تو زہے سعادت و زہے نصیب - اور اگر ایسا نہ کرسکے تو خیال کرے کہ جب صحت و تندرستی ، عقل کی درستی اور امن و عافیت کی حالت میں ایک شخص دو رکعت نفل ، شیطان رجیم کے شر سے بچتے ہوئے ، حضور قلب اور اخلاص کے ساتھ ادا نہیں کر سکتا تو پھر وہ شخص کمزوری ، بیماری اور پراگندہ ذہنی کے ساتھ نیز عقل و ہوش کے رخصت ہوتے وقت یعنی بہ وقت مرگ ، اپنے ایمان کو ، جس پر سارے معاملات اور آخرت کی نجات کا دارومدار ہے ، کس طرح سلامت اور محفوظ رکھ سکے گا -

ان سب باتوں کے باوجود حسب اصول ،

" ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ "

یعنی اگر پورے کام کا ادراک نہ ہو سکے تو پورے کام کو چھوڑا بھی نہیں

جاتا کے مصداق ، ہر شخص پر لازم ہے کہ جہاں تک ہو سکے برگزیدہ سالکین اور واصلین شاہراہ طریقت کے پیچھے پیچھے ہر حالت و صورت میں طوعاً وکرہاً طاقت کے ساتھ یا نا طاقتی کے ساتھ ، چلتا رہے - مزید یہ کہ اپنی تمام طاقت و ہمت اور اوصاف حمیدہ و اخلاق پسندیدہ کو دل سے بھلا کر ، خدائے بزرگ و برتر کے حضور مناجات کرتے ہوئے ، اس کی طاقت و ہمت کے بھروسے ہر اپنے کام میں نہایت اخلاص اور صدق دلی کے ساتھ مشغول ہو جائے کہ

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از لطف رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

یعنی - ہم اللہ تعالیٰ سے اس کا پسندیدہ ادب ہمیں حاصل ہونے کی توفیق طلب کرتے ہیں ، کیوں کہ بے ادب رب کریم کے لطف و کرم سے محروم رہتا ہے - بے ادب صرف اپنی ذات ہی کے لئے برا نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی برائی سے تمام عالم میں فتنہ و فساد اور فسق و فجور کی آگ بھڑکا دیتا ہے -

****

درستگیٔ اخلاق کی حکمتوں اور ان کی تشریحات کے بیان کے بعد ہم " شرح حکم " کے اگلے حصے کی حکمتوں اور ان کی تشریحات کی طرف آتے ہیں جو کہ تصوف میں " درجات عالیہ " کے حصول کے طریقوں پر مبنی ہے اس سلسلے کی پہلی حکمت مندرجہ ذیل ہے۔

" نیک اعمال کو فارغ اوقات میں انجام دینے کا خیال
نفس کا فریب ہے۔" ع ۱

آغا صاحب اس حکمت کی تشریح میں فرماتے ہیں

" اے عزیز ، آخر تجھے فرصت کا وقت کب میسر آئے گا ، جب کہ تیری دنیاوی مصروفیتوں کا یہ حال ہے کہ ان کا کہیں اختتام نہیں ہوتا ، اگر تیرا ایک دنیاوی کام پورا ہو چکتا ہے تو دوسرا کام پہلے سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل آ موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ عقل مند پر لازم ہے کہ وہ اپنے دنیاوی کاموں کی خاطر آخرت کے کاموں کو موقوف نہ کرتا رہے جو کہ زندگی کا اصل مقصود ہیں۔

" اوراد و وظائف کو حقیر سمجھنا جہالت ہے۔" ع ۲

اس حکمت کی شرح کرتے ہوئے حضرت آغا صاحب فرماتے ہیں کہ اوراد و وظائف کو جاہل کے علاوہ اور کوئی حقیر نہیں سمجھتا ، کیوں کہ یہ اوراد اس زندگی کے ختم ہوتے ہی ختم ہو جائیں گے اور عالم آخرت میں ان کی ضرورت نہ ہوگی۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے اس دنیا میں حصول درجات عالیہ کے لئے ، مجاہدے اور عبادات پر استقامت کو لازم پکڑ لینا چاہئے کیوں کہ اگر نیک اعمال انجام دینے اور اپنا توشۂ آخرت درست کرنے کا وقت گزر گیا تو پھر سوائے کف افسوس ملنے کے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا۔ کیوں کہ یہ دنیا دارالعمل ہے اور عالم آخرت دارالجزا۔ اور عالم آخرت میں محنت کی ضرورت نہیں بلکہ وہاں تو اچھے یا برے اعمال کی جزا یا سزا ملنی ہے۔

۱۔ شرح حکم العطائیہ ص۔ 95
۲۔ ایضاً ص۔ 231

" اچھے اعمال اچھے احوال کا نتیجہ ہوتے ہیں "

حضرت شیخ عطا اللہ اسکندری کی اس حکمت کا مفہوم یہ ہے کہ " اچھے اعمال اچھے احوال کا نتیجہ تو ضرور ہوتے ہیں لیکن اچھے احوال تب ہی حاصل ہوتے ہیں کہ جب سالک خالق کے حکم سے خلق کی طرف اس کی بھلائی اور رہنمائی کے لئے رجوع کرتا ہے۔"

اس حکمت کی تشریح حضرت آغا محمد حسن جان صاحب اس طرح فرماتے ہیں کہ " عمل میں صفا اور جلا اور نورانیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اللہ تعالٰی کے ساتھ کامل درجے کا خلوص اور ذاتی محبت پیدا ہوجائے۔ سالک کو راہ طریقت میں یہ خیرو خوبی و مقام و حالت اس وقت میئسر آتی ہے جب سالک مقامات عروج طے کرنے کے بعد خلاق و علیم جل شانہ کے حکم سے مخلوق کی جانب رجوع کرتا ہے تاکہ رشد و ہدایت کے ذریعے خلق کو بھلائی اور نیکی کا راستہ بتائے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور شریعت مطہرہ کی اتباع میں خدا کی مخلوق کو اللہ کے دین کی دعوت دے اور اس کو فلاح و خیر کی طرف بلائے - یہاں سالک کا معاملہ اسباب سے بے تعلق ہونے کے بعد مخلوق کے لئے دوبارہ اسباب سے وابستہ کردیا جاتا ہے - حضرت شیخ کے اس مقولے سے یہ بھی ظاہر ہوجاتا ہے کہ مخلوق کی رہنمائی ہی اچھے احوال حاصل ہونے کا سبب بنتی ہے- کیوں کہ یہاں پر سالک مخلوق الٰہی کو اعلٰی درجات کے حصول میں ، اس کو پستی سے نکال کر ، مدد دینے میں مصروف ہوتا ہے اور یہ ایک نہایت عظیم کام اور حصول درجات عالیہ کا سبب ہے - بہ قول شاعر

پایہ آخر آدم است و آدمی

گشت محروم از مقام محرمی

گر نہ گردد باز مسکین زیں سفر
نیست از ولی ہیچ کس محروم تر

ترجمہ ـ آدمی ہونا تو ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا مقام ہے - لیکن افسوس کہ آدمی اب اس مقام قرب سے محروم ہو چکا ہے - اگر یہ بے چارہ اس پستی سے نکل کر مقام قرب تک نہ پہنچا - تو اس سے بڑھ کر محروم کوئی نہ ہوگا -

" تجھے خرق عادات کی کرامت کیسے عطا ہو جب کہ تو اپنے
وجود کی نفسانی عادات سے ابھی تک باہر نہیں نکلا -" ع/

اس نہایت بلیغ و گیرائی رکھنے والی حکمت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی فرماتے ہیں کہ

" جب تک بندہ اپنی نفسانی عادات اور پے درپے حاصل ہونے والے فائدوں کو از خود ترک نہیں کر دیتا اور ان کے وساوس سے اپنے دل کو بالکل خالی اور فارغ نہیں کر لیتا اور جب تک بندے کا نفس بشری لوازمات سے متعلق اپنی ادنیٰ ترین خواہش سے بھی دستبردار نہیں ہو جاتا ، اس وقت تک خرق عادات کی امید بھی رکھنا محض خوش فہمی اور سراسر حماقت ہے - "

اس سلسلے میں حضرت شیخ عطا اللہ اسکندری نے اپنی زیر تبصرہ کتاب " شرح حِکَم " میں ایک نہایت سبق آموز اور دلوں کو سرگرمی و حوصلہ عطا کرنے والا واقعہ بیان کیا ہے ، وہ بیان کرتے ہیں کہ

" حضرت ابو العباس فرماتے ہیں کہ " میں نے ایک مرتبہ اپنے شیخ و مرشد حضرت ابو القاسم بن رو بیل سے درخواست کی کہ مجھے کوئی ایسی بات بتائیں جس سے میرا غم فرحت میں اور قبض بسط میں تبدیل ہو جائے-" ان

شرح حِکَم العطائیہ ۔ ص ۔ 250

کے شیخ حضرت ابوالقاسم بن رویبل نے فرمایا کہ

" جس زمانے میں مجھے حق کا راستہ دکھانے اور اس پر چلانے کے لئے کسی مرد کامل اور برگزیدہ شخص کی ضرورت تھی اور اس تلاش میں میں جا بہ جا پھرا کرتا تھا تو اس زمانے میں مجھ سے کچھ لوگوں نے ایک صاحب حال و مقام اور بارگاہ الٰہی کے مقبول بندے کی بہت تعریف کی ۔ جن کا قیام سمندر کے کنارے پر تھا اور جو " ابر النجیار " کے نام سے شہرت رکھتے تھے - میں وہاں حاضر ہوا ، ملاقات ہوئی ، میں نے اس شخص کو معروف اسلامی طریق پر سلام کیا ، انہوں نے شفقت سے مجھے جواب دیا ، میں ان کی خدمت میں خاموش ہو کر بیٹھ گیا - یہاں تک کہ نماز فجر کا وقت ہو گیا - کچھ مزید لوگ ادھر ادھر سے آکر جمع ہو گئے ، ہم سب نے ان بزرگ " ابی الخیار کو امام بنایا اور ان کے پیچھے مقتدی بن کر نماز ادا کی - پھر تمام لوگ آپس میں کوئی گفتگو کئے بغیر منتشر ہو گئے - جب کہ " حضرت شیخ الخیار " اپنی نشست گاہ پر تشریف فرما رہے اور میں بھی وہیں ان کی خدمت میں بیٹھا رہا یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت آگیا - لوگ پھر جمع ہوئے ، حضرت شیخ کی اقتدا میں نماز ادا کی اور آپس میں کوئی گفتگو کئے بغیر منتشر ہو گئے - اسی طرح نماز عصر کے وقت بھی یہ ساری باتیں دہرائی گئیں - حضرت شیخ ابی الخیار نے نماز عصر کے بعد لوگوں کے درمیان صالحین کی سیرت اور ان کے معارف کے بارے میں گفتگو فرمائی - حضرت شیخ ابو القاسم بن رویبل فرماتے ہیں کہ اسی معمول پر تین دن کامل گزر گئے اور میری حضرت شیخ ابی الخیار سے کوئی گفتگو نہ ہو سکی - آخر تیسرے دن میں نے دل میں سوچا کہ " کیوں نہ میں حضرت شیخ سے کوئی مسئلہ دریافت کروں "؟ چناچہ میں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ " یا حضرت میں آپ کی پر علم و با برکت ذات سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں -" حضرت شیخ نے فرمایا کہ " پوچھو "

لیکن وہاں موجود تمام حاضرین نے میری طرف نہایت ناگواری سے دیکھا -
میں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ " اے شیخ ، مرید کب سمجھے
کہ میں مرید ہوں "۔ حضرت شیخ نے میرا سوال سن کر مجھے کوئی جواب نہ
دیا اور میری طرف سے اپنا رخ مبارک پھیر لیا - یہاں تک کہ پورا دن تمام
ہوگیا - دوسرے دن بھی میں نے حضرت شیخ سے وہ ہی مسئلہ پوچھا اور
پھر حسب سابق حضرت شیخ نے کوئی جواب مرحمت نہ فرمایا اور دوبارہ میری
طرف سے اپنا باہرکت چہرہ موڑ لیا۔ یہاں تک کہ دوسرا دن بھی تمام ہوگیا
جب تیسرے دن بھی میں نے پھر وہی مسئلہ حضرت شیخ سے دریافت فرمایا تو
اس وقت حضرت شیخ نے جواب مرحمت فرمایا کہ " اے نادان ، ایسا نہ کہہ ،
شاید تو اس راہ میں (یعنی راہ سلوک میں) مرید کے اول قدم کے بارے میں
پوچھنا چاہتا ہے "- میں نے جواب دیا کہ " جی ہاں " اس پر حضرت شیخ
نے فرمایا کہ اس راہ میں مرید کے قدم اول پر اس کو چار چیزیں عطا کی
جاتی ہیں - یعنی اول تو یہ کہ وہ تمام زمین کو ایک قدم میں طے کرنے کی
طاقت عطا کیا جاتا ہے یعنی " طے الارض " دوئم وہ پانی پر چلتا ہے -
سوئم وہ غیب سے رزق دیا جاتا اور کھلایا جاتا ہے - چہارم - اس کی دعا
رد نہیں کی جاتی - اس وقت یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ مرید ہونے کے لائق
ہوگیا ہے - اور جس طرح کہ تو نے سوال کیا تھا کہ مرید کب سمجھے کہ
وہ مرید ہونے کے لائق ہوگیا ہے تو اگر مرید کو یہ احساس و علم ہو جائے
کہ " میں مرید ہوں " تو اس کا نام مریدوں کی فہرست سے خارج کر دیا
جاتا ہے -

" بندے کو عالم شہادت اور عالم غیب کے درمیان اس لئے
تخلیق فرمایا کہ بندہ پر اس کی قدر و منزلت ظاہر ہوجائے۔"

اس حکمت یا مقولے کو مزید سلاست کے ساتھ بیان کرنے کے لئے حضرت شیخ عطا اللہ اسکندری اس طرح فرماتے ہیں کہ " اے بندے، اللہ تعالیٰ نے تجھ کو عالم شہادت اور عالم غیب کے درمیانی عالم میں اس لئے پیدا فرمایا ہے کہ اپنی تمام مخلوقات میں تیری عظمت و قدر ظاہر کردے اور سب مخلوقات کو یہ بتلا دے کہ تو ہی وہ گوہر یکتا ہے جسے مخلوقات نے صدف بن کر ڈھانپ لیا ہے۔"

اس انتہائی بلیغ حکمت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی فرماتے ہیں کہ " اے عزیز اس حکمت کی شرح بیان کرتے ہوئے نفری[1] اور شرقادی[2] یوں لکھتے ہیں کہ

" انسان بہ لحاظ تخلیق اگرچہ " احسن تقویم " میں ہے اور اس کا وجود عالم غیب اور عالم شہادت کے درمیان ہے - وہ علوی بھی ہے اور سفلی بھی - زمینی بھی ہے اور آسمانی بھی، لیکن درحقیقت وہ عالم و ملکوت کے بین بین ہے تاکہ اسے اپنی قدر معلوم ہو جائے اور وہ اس بھید و اسرار کو اچھی طرح سمجھ لے کہ اگر وہ اپنے خالق کے حکم پر عمل پیرا رہا تو وہ ہی بہترین مخلوق ہے -

---

1 - علامہ محمد ابراہیم بن عباد نفری الرندی (م-796ھ) انہوں نے غیث المواہب العلیہ شرح حکم عطا العطائیہ کے نام سے کتاب زیر تبصرہ " الحکم " کی شرح لکھی ہے-

2 - علامہ عبداللہ شرقادی (م-1227ھ)- انہوں نے شرح الحکم کے نام سے ایک شرح لکھی جو مصر میں علامہ نفری کی شرح کے حاشیۂ پر چھپی تھی-

راقم آثم[1] کہتا ہے کہ حضرت شیخ اپنی کتاب حکم میں اکثر ایسی باتیں ارشاد فرماتے ہیں جو حضرات نقش بندیہ کے مشرب و مسلک کے مطابق ہیں - حضرات نقش بندیہ قدس اللہ اسرا ہم کی اصطلاح میں دائرہ عالم کی تقسیم دو قوسوں پر مشتمل ہے -

قوس عالی کو " عالم ملکوت اور عالم امر " کہتے ہیں - اور قوس سفلی کو " عالم ملک اور عالم خلق " کہتے ہیں - ان دونوں قوسوں کے مجموعہ کا نام " دائرہ امکان " ہے - اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے انسان کا وجود جیسا کہ ظاہر میں اس کی تخلیق " احسن تقویم " میں ہے ، باطن میں انسان دس لطائف سے مرکب ہے جن میں سے پانچ کا تعلق عالم خلق سے ہے اور پانچ کا تعلق عالم امر سے ہے - عالم خلق کے پانچ عناصر یا لطائف - آگ ، پانی ہوا ، مٹی اور ایک نفس ناطقہ ہے - اور عالم امر کے پانچ لطائف - قلب ، روح سرّ ، خفی اور اخفی ہیں - ان لطائف کی تفصیل اور ان کے شغل یہ ہیں کہ عالم امر کے پانچ لطائف میں سے ہر ایک لطیفہ اولعزم انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نہ کسی نبی علیہ السلام کے قدم کے تحت ہے -

پس اس معنی میں انسان عالم ملک اور عالم ملکوت کے درمیان ایک ایسی مخلوق ہے کہ جس کا تعلق ایک لحاظ سے عالم خلق سے بھی ہے اور عالم امر سے بھی - ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان اپنی قدر و منزلت پہچانے اور اپنی ذات کے نفیں گوہر کو دنیا داری اور نا قدری کے کوڑے میں نہ پھینکے - کیوں کہ اس کائینات کی تمام مخلوقات کو انسان کے حال و مآل کی اصلاح و درستگی کے لئے پیدا کیا گیا ہے - اور خود انسان کو خاص طور پر مولائے حقیقی کی بندگی کے لئے -

---

1 - راقم آثم - حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی

حدیث قدسی میں وارد ہے کہ

" یا ابن آدم خلقت الا شیا ٔ کلھا من اجلک و خلقتک من اجلی
فلا تشغل بما ھو لک عن انت لہ "

یعنی = اے ابن آدم ، میں نے تمام اشیا ٔ کو تیرے لئے پیدا کیا ہے اور تجھ
کو خود اپنے لئے - اس لئے جو چیز تیرے لئے پیدا کی گئی ہے ،
تو اس میں مشغول ہو کر حق تعالیٰ سے بے پرواہ نہ ہو جا ، جس
نے اپنے لئے تجھے پیدا فرمایا ہے - "

" جب تک بندے کو اپنے خالق کی معرفت کا مشاہدہ نہ ہوجائے وہ مخلوق
کے ساتھ رہے گا - اور جب اس نے اپنے خالق کو پالیا تو مخلوق اس کے ساتھ ہوجائیگی

اس حکمت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی
فرماتے ہیں کہ

اے عزیز ، اس مقولے کا مقصد یہ ہے کہ جب تک انسان خود کو مولیٰ
تعالیٰ کی معرفت اور اس کے قرب سے مشرف و ممتاز نہ کرے گا ، تو وہ لامحالہ
موجودات اور مخلوقات کی رسومات میں گرفتار اور مشغول رہے گا - اس طرح
وہ نہ صرف مخلوقات کا تابعدار و خادم بن جائے گا بلکہ اپنے " نفس امّارہ "
اور نفسانی خواہشات کا غلام بن کر رہ جائے گا - لیکن اس کے برعکس جب
انسان کو اپنے خالق کی معرفت اور اس کا قرب حاصل ہو جاتا ہے تو وہ ماسوی
اللہ کی عبودیت اور مخلوق کی تابعداری و غلامی سے نجات پا لیتا ہے - پھر
اس وقت چار و ناچار ، طوعاً و کرھاً اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہر شئے اور اس
کا اپنا " نفس امّارہ " بھی انسان کے تابع اور خادم بن جاتے ہیں اور وہ
نفس اور مخلوق کی غلامی کی حالت سے عروج کرکے ان کے آقا کے مرتبۂ عظیم

پر فائز ہو جاتا ہے - بہ قول شاعر

ترا از کنگرۂ عرش می زنند صفیر

ندا نست کہ دراین دام گاہ چہ افتاد است

ترجمہ - تجھے ایوان عرش کے کنگوروں سے آواز دی جا رہی ہے - کہ اے شہباز لامکاں ، تیرا آشیانہ تو سدرۃ المنتہیٰ تھا - نہ معلوم تو کیوں اس دنیا کے جال میں پھنسا ہوا ہے -

اسی عروج درجات کے ذیل میں حضرت شبلی فرماتے ہیں کہ " جس نے خالق کو پہچان لیا یعنی خالق کی معرفت حاصل کر لی ، اس کو کوئی بھی مخلوق نقصان نہیں پہنچا سکتی - "

اس سلسلے میں ذیل میں بزرگان دین کے تین واقعات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ ان کو پڑھ کر طالبان راہ سلوک کا جوش و خروش افزوں تر ہو اور وہ مزید استقامت ، محبت اور ارادے کی پختگی کے ساتھ وصل الیٰ اللہ کی منزل کی طرف گامزن ہوں -

1 - " حضرت مزّین کبیر " سے روایت ہے کہ " میں ایک سفر میں حضرت " ابراہیم خواص " کے ہمراہ تھا - دوران سفر میں نے ایک بچھو آپ کی ران پر چلتے ہوئے دیکھا ، جب میں اس بچھو کو مار ڈالنے کے ارادے سے آگے بڑھا تو حضرت ابراہیم خواص نے مجھ سے فرمایا کہ " اسے چھوڑ دو ، یہ مجھے کچھ ضرر و نقصان نہیں پہنچا سکتا کیوں کہ " ہر چیز ہماری محتاج ہے اور ہم سوائے اپنے خالق کے محتاج نہیں ہیں - "

2 - یہ بھی حضرت ابراہیم خواص خود فرماتے ہیں کہ " میں ایک سفر کے دوران ، دوپہر کے وقت ایک درخت کے نیچے لیٹا ہوا آرام کر رہا تھا کہ میں نے اچانک ایک نہایت قوی ڈیل ڈول والے شیر کو

اپنی طرف آتے دیکھا - جب وہ شیر میرے نزدیک پہنچا تو اس نے کسی فریادی کی طرح آواز نکالتے ہوئے ، نہایت عاجزی کے ساتھ اپنا پنجہ میرے سینے پر رکھ دیا - میں نے غور سے دیکھا تو اس کے پنجے پر ورم آیا ہوا تھا - میں نے ایک نوکیلی لکڑی سے ورم والی جگہ پر شگاف دیا تو وہاں سے گندہ خون اور پیپ بہنے لگی ، میں نے اس کو صاف کرکے زخم پر ایک پٹی باندھ دی - شیر وہاں سے چلا گیا لیکن کچھ دیر کے بعد وہی شیر اپنے دو بچوں کو ساتھ لے کر میرے پاس آیا - انہوں نے نہایت عاجزی کا اظہار کیا - اور اپنے منھہ میں دبائی ہوئی ایک روٹی میرے آگے رکھ دی -"

3 - ا   ایک شخص روایت کرتا ہے کہ اس نے " حضرت ابراہیم بن ادہم " کو اس باغ میں ، جس کے وہ باغبان تھے اس حالت میں دیکھا کہ وہ خود سوئے ہوئے تھے اور ایک سانپ اپنے منھہ میں نرگس کی چند شاخیں پکڑ ے ہوئے ، ان کو ہلا کر حضرت ابراہیم ادہم پر سے مکھیاں اڑا رہا تھا -"

" مصائب کے ورود سے گناہ زائل اور مراتب بلند ہوتے ہیں " ع ۔/

اس نہایت تسلی بخش حکمت کی تشریح میں حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی اس طرح رقم طراز ہیں کہ

" جاننا چاہئے کہ بندے پر مصائب اور آفات کا نزول اس کے گناہوں کا کفارہ اور اس کے رب کی پسندیدہ چیزوں میں سے ہے - کیوں کہ جو بھی مصائب ، بیماریاں ، پریشانیاں اور آفات بندے پر وارد ہوتی ہیں وہ اس کے گناہوں کو زائل اور مراتب و درجات کو بلند کرتی ہیں -

اس بارے میں حضرت سید المرسلین ، رسول کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ اور صالحین کی حکایات اس قدر زیادہ ہیں کہ تحریر میں

شرح حِکَمُ العطائیہ ۔ ص ۔ 22

لانا مشکل ہے - چنانچہ ہر صابر و شاکر اور صاحب عقل بندے پر یہ لازم ہے کہ وہ مصائب اور آفات کے نزول پر صبر کرے اور اپنی تقدیر پر راضی رہے - کیوں کہ صبر اور تسلیم و رضاؔ کا تعلق قلب کے اعمالِ صالحہ سے ہے اور قلبی اعمال کی نسبت دیگر جسمانی اعضاؔ کے اعمال کے ساتھ بالکل ایسی ہی ہے جیسے مغز کی چھلکے کے ساتھ ہوتی ہے - اسی لئے حدیث مبارک میں وارد ہوا ہے کہ

" حمّٰی لیلتہ کفارہ سنتہ "

یعنی ایک رات کا بخار ، سال بھر کے گناہوں کا کفارہ ہے -

ایک بزرگ شخص نے کسی کو دیکھا کہ جزام یعنی کوڑھ کی بیماری سے ان کے جسمانی اعضاؔ گل چکے ہیں اور آنکھوں کی بینائی جاتی رہی ہے - اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ مرگی کے دورے میں بھی مبتلا تھے اور بیہوش پڑے تھے - اس شخص کو یہ دیکھ کر ان بزرگ کے حال پر بڑا رحم آیا اور اس نے ان بزرگ کا سر اپنے زانو پر رکھا اور خدا وند کریم کی بارگاہ میں نہایت عاجزی کے ساتھ گریہ و زاری کرتے ہوئے ان بزرگ کے لئے عافیت اور صحت کی دعا کرنے لگا - اسی دوران ان بزرگ کو ہوش آگیا اور جب انہوں نے اس شخص کے دعائیہ کلمات سنے تو نہایت غضب ناک ہوکر فرمایا " یہ کون بے ہودہ شخص ہے ، جو میرے اور میرے پروردگار کے درمیان حائل ہو گیا ہے اور میرے لئے اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمت پر اعتراض کرتا ہے - " پھر اس شخص سے مخاطب ہوکر فرمایا ، " میرے پاس سے اٹھ جا اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دے - "

اسی طرح " حضرت عبدالواحد بن زید " سے روایت ہے کہ " ایک مرتبہ ہم کچھ دوست سیر کرتے ہوئے صحرا کی طرف نکل گئے اور ایک پہاڑ کے غار تک جا پہنچے - وہاں ایک شخص نظر آیا کہ کوڑھ کی وجہ سے اس کے جسم کے اعضاؔ گل چکے تھے اور زخموں سے خون اور پیپ بہہ رہا تھا -

ہم نے اس سے کہا " اگر تم بصرہ شہر میں چلو اور وہاں اپنا علاج کراؤ تو کیا ہی اچھا ہو - " اس شخص نے یہ بات سن کر آسمان کی طرف دیکھا اور کہا

" یا سیدی بای ذنب سلطت ہو لاء علی یستخطون علیک و یکر ہونک الیّ - سیدی لک العتبیٰ من ذالک الذنب و استغفرک منہ ولا اعود فیہ ابداً - "

یعنی - اے میرے آقا ، یہ کس گناہ کی پاداش میں تو نے ان لوگوں کو مجھ پر مسلط کر دیا ہے تا کہ یہ مجھ کو تجھ سے نا راض کر دیں اور تجھ کو میرے نزدیک ناپسندیدہ بنا دیں - اے میرے آقا ، جس گناہ کی وجہ سے مجھ پر تیرا یہ عتاب ہے میں تجھ سے اس گناہ کی مغفرت طلب کرتا ہوں میں اس گناہ میں دوبارہ کبھی نہیں لوٹوں گا - یہ کہہ کر اس نے اپنا منہہ ہماری طرف سے پھیر لیا - چنانچہ ہم نے اس کو وہیں اس کے حال پر چھوڑ دیا - اور آگے بڑھ گئے - "

" اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم رہنا اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت و تعلیم کا اتباع استقامت ہے - "

اس حکمت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی فرماتے ہیں کہ

" چونکہ معاملے یعنی وصل الیٰ اللہ و حصول درجات کی اصل و بنیاد استقامت ہے اس لئے بہت سے سالکان راہ طریقت کو تو اصل تک پہنچا دیا جاتا ہے اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن کو اصل تک رسائی ہونے سے پہلے ہی خرق عادت کے طور پر کرامت کا درجہ و مرتبہ دے دیا جاتا ہے - اب اگر تو سوال کرے کہ " استقامت کیا ہے ؟ " تو جواب میں کہا جائے گا کہ " ظاہری

اور باطنی طور پر قلب کی سچائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرنا اور جو کچھ صاحب شریعت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوامر اور نواہی کی تعلیم فرمائی ہے ، ان کا دل سے اتباع کرنا ہی اصل استقامت اور طریقت کی بنیاد ہے - یہ ہی وہ گوہر حقیقی ہے کہ جو بندے کو اعلیٰ مراتب اور درجات پر فائز کراتا ہے - اس لئے بندے پر لازم ہے کہ اس نعمت کو حاصل کرنے کے لئے انتہائی جانفشانی کے ساتھ بھرپور کوشش کرے -

بعض اوقات کچھ ایسے لوگوں کو بھی کشف و کرامات کے رتبے و درجے پر فائز کر دیا جاتا ہے جو کہ ابھی استقامت کے مرتبے تک رسائی حاصل نہیں کرسکے - اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے اور اس مسئلے کو حل کرتے ہوئے " حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی " فرماتے ہیں ع¹

" کرامت کی دو قسمیں ہیں جو کہ جامع اور محیط ہیں - یعنی اول " ایمان کی کرامت " جو کہ یقین کی زیادتی کے ساتھ ظہور پزیر ہوتی ہے- دوئم " عمل کی کرامت " جو کہ اقتداً اور متابعت کے ذریعے ، چھوٹے دعوؤں اور فریب و ریاکاری سے پرہیز کرنے سے حاصل ہوتی ہے - اب صورتحال یہ ہے کہ جس بندے کو یہ دونوں چیزیں دی گئیں اور وہ پھر بھی ان چیزوں کے علاوہ ، کسی اور بھی شئے کا طالب و مشتاق ہے تو وہ بندہ کاذب ہے اور اس کو علم و عمل سے کچھ نہیں ملا - "

اسی ذیل میں " حضرت ابوالعباس مرسی " فرماتے ہیں

" شان و عظمت یہ نہیں ہے کہ بندے کے لئے زمین لپیٹ دی جائے کہ وہ ابھی مکہ مکرمہ میں ہے اور پل بھر میں کسی اور شہر میں - بلکہ شان تو درحقیقت یہ ہے کہ بندے کے نفس کے اوصاف لپیٹ دئے جائیں ، یعنی بندے کا نفس اس کے تابع ہو اور نیکی کے کاموں میں بندے کی موافقت کرنے والا بن جائے - ایسی صورت و حال حاصل ہونے کے بعد بندہ اپنے رب کے پاس مقیم

شرح حکم العطائیہ ص - 308

ہوتا ہے کیوں کہ اب اس کا نفس خیرو بھلائی کے کاموں میں سبقت کرنے والا
بن چکا ہے۔"

مزید برآں اسی سلسلے کے ذیل میں" حضرت شیخ الاسلام انصاری "[1]
فرماتے ہیں۔

" اگر تو بر ہوا روی مگسی باشی و اگر برآب روی خسی باشی ،
دل بدست آور کہ کسی باشی ۔"

یعنی اگر تو ہوا میں اڑنے لگے تو ، تو ایک مکھی کی مثل ہوگا اور
اگر تو پانی پر چلنے لگے تو ، تو خس و خاشاک کی مانند ہوگا ۔ ہاں اگر تو
کسی کا دل (نیکی اور بھلائی کے کاموں میں) خوش کرے تو ، تو کچھ
حیثیت رکھے گا ۔"

****

۱۔ شرح جمع العقائد۔ ص 308

" شرح حکم " میں بیان کی گئی حکمتوں اور ان کی تشریحات کے آخری حصے میں اب ہم ان حکمتوں اور ان کی تشریحات کا تذکرہ کریں گے جن کا عنوان اور موضوع " محبت و عرفان الٰہی " ہے ۔

" اللہ تعالیٰ کو اپنا مقصود بنا کر ، دوسروں کو باطل سے کھیلنے میں مشغول چھوڑ دینا چاہئے ۔"

درحقیقت یہ ایک نہایت ہی بلیغ اور گیرائی رکھنے والی حکمت ہے کیوں کہ تصوّف کی حقیقت و اصل ہی یہ ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر صرف خداوند کریم ہی کو اپنا مقصود و مطلوب بنا کر کلّی طور پر اس کی طرف متوجہ ہوا جائے ۔

اس ضمن میں حضرت آغا صاحب فرماتے ہیں کہ " اے عزیز ، چوں کہ واصلین الٰہی کا مقصود تو صرف ذات خداوندی ہی ہے ۔ اس لئے وہ ماسوا اللہ سے کسی بھی قسم کا قلبی یا روحانی تعلق نہیں رکھتے اور نہ ہی ایسے تعلق کو پسند کرتے ہیں ۔ کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ جو کوئی بھی ماسوا اللہ کی محبت میں گرفتار ہے ، وہ دراصل گرفتار بلا اور لہو و لعب میں پھنسا ہوا ہے ۔

" عارف حق کا مقصود اللہ تعالیٰ کی بندگی اور ربوبیت کے حقوق میں استقامت اختیار کرنا ہے ۔"

اس حکمت کی تشریح میں حضرت آغا صاحب فرماتے ہیں کہ ع[1]

"اے عزیز ، عارف حق کا مقصد عبادت نہ تو جنت اور حور و قصور کی طمع ہے اور نہ ہی خوف جہنم ۔ بلکہ ان سب چیزوں کی نفی کرکے اور ان سب چیزوں سے بے نیاز ہوکر اس کا مطلوب و مقصود تو صرف اور صرف ذات الٰہی کو پانا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنا ہے ۔ یہ مقصد تب ہی حاصل ہوسکتا ہے کہ جب عارف راہ مستقیم پر نہایت ثبات اور استقامت کے ساتھ قائم رہے ۔

شرح حکم الحائیہ ص - ۱۱۵

" فقر و فاقہ کا نزول سالکوں اور اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کی عید ہوتی ہے "

حضرت شیخ عطا اللہؒ اسکندریؒ کی اس حکمت کی تشریح کے ذیل میں حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ ع ۱

" اے عزیز، جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تخلیق مختلف طبیعتوں پر فرمائی ہے - ان میں سے بعض وہ ہیں جو عیش و آرام میں اپنی طبع کے مطابق خوشی محسوس کرتے ہیں - ایسے لوگ اکثریت میں ہیں - ان کے برخلاف کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو عجز و مسکینی کی حالت میں راحت اور خوشی محسوس ہوتی ہے کیوں کہ وہ محبت الہٰی کے نشے میں مست اور بے خود ہیں - یہ کیفیت بارگاہ خداوندی کے خاص بندوں کی ہے -

روایت ہے کہ ایک شخص خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اشعار پڑھتا جا رہا تھا -

مُؤْتَزِرٌ بِشُمْلَتِیْ کَمَا تَرٰی = وَصِبْیَتِیْ بَاکِیَۃٌ کَمَا تَرٰی

وَامْرَتِیْ عُرْیَانَۃٌ کَمَا تَرٰی = یَا مَنْ یَرٰی الَّذِیْ بِنَا وَلَا یُرٰی

اَمَا تَرٰی مَا حَلَّ بِیْ اَمَا تَرٰی = اَمَا تَرٰی الَّذِیْ بِنَا اَمَا تَرٰی

ترجمہ -

1 - میں اپنے شملے (پگڑی) کا ازار بنائے ہوئے ہوں جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے - میری بچی رو رہی ہے جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے -

2 - میری بیوی (غربت و عسرت کی وجہ سے) برہنہ ہے، جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے - اے وہ، جو میرا حال دیکھ رہا ہے پھر بھی نہیں دیکھتا ہے -

3 - کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ جو مجھ پر نازل ہوا، کیا تو میرا حال نہیں دیکھتا ہے -

شرح حکم الحاشیہ ص - 303

کچھ لوگوں نے اس کا یہ کلام سن کر چند درہم اسکے ہاتھ پر رکھ دئیے - لیکن اس نے ان کو قبول نہیں کیا اور کہا کہ " جب میرے پاس ایسا کلام موجود ہے جو عجز و نیاز سے بھرا ہوا ہے تو میں کچھ اور نہیں مانگ سکتا -

بہرحال اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کو فقر و فاقہ ، عاجزی و مسکینی اور ذلت و غربت میں اس قدر مزا ملتا ہے کہ اہل دول کو ایسا لطف دنیاوی نعمتوں اور لذتوں کو پاکر بھی نہیں آتا - دراصل یہ ذوق و شوق اور محبت کا معاملہ ہے - بہ قول شاعر[1]

لذت مے نشناسی بخدا تا نچشی

یعنی ، خدا کی قسم ، تو اس وقت تک شراب محبت کا ذائقہ نہ جانے گا جب تک تو اسے خود نہ چکھے گا -

اس ضمن میں " شیخ علی رود باری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں

قَالُوْا غَدًا الْعِيْدُ مَاذَا اَنْتَ لَابِسُهٗ = فَقُلْتُ خِلْعَةَ سَاقٍ عَبْدَهٗ جُرَعًا

فَقْرٌ وَ صَبْرٌ هُمَا ثَوْبَايَ تَحْتَهُمَا = قَلْبٌ يَرٰى رَبَّهُ الْاَعْيَادَ وَ الْجُمَعَا

اَحْرَى الْمَلَا بِسُ اِنْ تَلْقَى الْحَبِيْبَ بِهَا = يَوْمَ التَّزَا وُرَ فِي الثَّوْبِ الَّذِيْ خَلَعَا

اَلدَّهْرُ لِيْ مَاْتَمٌ اِنْ غِبْتَ يَا اَمَلِيْ = وَالْعِيْدُ مَا دُمْتَ لِيْ مَرْاٰىً وَ مُسْتَمَعَا

ترجمہ =

1 - لوگوں نے مجھ سے کہا کل عید ہے ، کونسا لباس پہنو گے ؟ میں نے کہا کہ میں اس ساقی کی خلعت پہنوں گا جو اپنے بندے کو گھونٹ پلاتا ہے -

2 - فقر اور صبر میرے دو کپڑے ہیں جن کے نیچے ایک دل ہے - جو اپنے رب کی دید کو روز عید اور روز جمعہ تصور کرتا ہے -

3 - سب سے زیادہ مناسب وہ لباس ہے کہ ملاقات کے دن تو اپنے محبوب

[1] شرح حکم العطائیہ ص - 306

سے اس لباس میں ملے جو خود اس نے تجھے عطا کیا ہو ۔

4 - اے میری آرزو ، اگر تو مجھ سے غائب ہو تو زمانہ میرے لئے ہمہ تن ماتم گاہ ہوگا ۔ اور جب تک تو میری نظر کے سامنے اور مجھ سے قریب ہے تو میرے لئے عید ہی عید ہے ۔

****

" اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بندے کا مرتبہ اور قدر اتنی ہی ہوگی جتنی اللہ تعالیٰ کی قدر بندے کے دل میں ہوگی ۔"

اس حکمت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ ۱؎

" اے عزیز ! یہ کسوٹی نہایت عمدہ اور درست ہے کہ جس قدر بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کا مرتبہ اور قدر ہوگی ، اسی قدر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تیری قدرو منزلت ہوگی ۔ جس حد تک بندے اللہ تعالیٰ کے اوامر اورنواہی کا اتباع کرے گا ، اسی قدر بارگاہ خداوندی میں ہوگی ۔ اور بندے پر اللہ تعالیٰ کی عنایت ، لطف و قرب اور مہربانیاں بھی اسی قدر و منزلت کے لحاظ سے ہوں گی ۔

اس ذیل میں حضرت شیخ ابو طالب مکیؒ فرماتے ہیں کہ

" جب بندہ اپنے مولیٰ کی نظر کا اکرام کرنے والا ، اس کے محرمات کی تعظیم کرنے والا اور اس کے محبوب اور پسندیدہ اعمال کی طرف سرعت سے سبقت کرنے والا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں آخرت میں بندے کے چہرے کا اکرام کرنے والا ، بندہ کی شان کو معظم کرنے والا اور بندے کو ابدی راحت و آرام کی مسرت کی طرف جلد لے جانے والا ہوگا ۔

اور اگر اس کے برعکس و برخلاف جب بندہ اپنے مولیٰ کی طاعات میں

۱؎ شرح حکم الحدائیہ ۔ ص 193

سستی کرنے والا ، اس کے احکامات کو ھلکا سمجھنے والا اور اس کے شعائر کو کم جاننے والا ھوگا تو اللہ تبارک و تعالیٰ بھی ، بندے کی اہانت کرنے والا اس کی شان کو پست کرنے والا اور اس کو درد ناک عذاب کی طرف جلد لے جانے والا ھوگا ۔ "

جاننا چاھئے کہ محبت ذاتی سے محبت ذاتی پیدا ھوتی ھے اور محبت صفاتی سے محبت صفاتی ۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس حیثیت اور سوچ کے تحت محبت رکھتا ھے کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ھے اور معبود ھے قطع نظر احسان خداوندی کی ان صفات کے جو بندے کے شامل حال ھیں تو اللہ تعالیٰ بھی اس صورتحال اور جذبے کی رعایت کرتے ھوئے بندے کے ساتھ محبت ذاتی کا معاملہ رکھے گا ۔ قطع نظر بندے کے اعمال شاقہ اور مختلف عبادتوں اور ریاضتوں کے ، جو بندے نے انجام دی ھوں گی ۔

****

" جس نے اللہ تعالیٰ کی بندگی جنت کی امید یا دوزخ سے بچنے کے لئے کی ، اس نے حق تعالیٰ کے حقوق ربوبیت ادا نہ کئے "

اس ضمن میں تشریح کرتے ھوئے حضرت آغا محمد حسن جان سرھندی فرماتے ھیں کہ

" جاننا چاھئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی پرستش جنت میں داخل ھونے کی امید یا دوزخ میں ڈال دئے جانے کے خوف کی وجہ سے کی جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور مالکیت کے حقوق کی ادائیگی کے منافی ھے ۔ عارفوں کے کے نزدیک حق تعالی کی پرستش صرف اس لئے کی جانی چاھئے کہ وہ ھم سب کا خالق و مالک رب اور معبود حقیقی ھے ۔ "

حضرت دھب بن منبہؓ کی روایت کے مطابق " زبور" میں آیا ھے کہ

شرح حکم الحدائیہ ۔ ص 212

" اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا ، جس نے میری عبادت جنت کے حصول کے لئے یا دوزخ کے خوف سے کی - اگر میں جنت یا دوزخ کو پیدا نہ کرتا تو کیا میں اس کا مستحق نہ تھا کہ میری اطاعت کی جائے - "

حضرت ابو حازم مدنیؒ فرماتے ہیں کہ " مجھے اپنے پروردگار کے حضور دوزخ کے خوف سے عبادت کرنے سے شرم آتی ہے کیوں کہ اس وقت میں اپنی مثال اس نالائق غلام کی سی سمجھتا ہوں کہ جس کو جب تک ڈرایا دھمکایا نہ جائے وہ اپنے آقا کا کام نہ کرے - نیز مجھے دخول جنت کے لئے بھی اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کیونکہ اس وقت میری مثال اس نادان مزدور کی سی ہوگی جو اس وقت تک کام میں ہاتھ نہیں لگاتا کہ جب تک اپنے کام کی اجرت دیکھ نہ لے - اس لئے میں خاص اللہ تعالیٰ کے تقدس اور محبت کی خاطر اس کی عبادت کرتا ہوں - "

" سب کچھ خداوند کریم کی طرف سے بندے کو پہنچتا ہے
نہ کہ بندے کی طرف سے خداوند کریم کو - "

اس مقولے کی تشریح کرتے ہوئے حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی فرماتے ہیں کہ

" تو اپنی بدی اور تمام افعال شنیعہ اور اخلاق رذیلہ کو ترک کرنے کے باوجود اور اپنے تمام دعوؤں کو مٹانے اور ان سے تائب ہو جانے کے بعد بھی خدا تعالیٰ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا ، جب تک کہ خداوند کریم خود تجھے اپنا قرب عطا نہ فرمائے - اس کی سنت قدیم ہے کہ جب وہ ایسا کرنا چاہتا ہے تو بندے کے وصف کو اپنے وصف میں چھپا لیتا ہے اور بندے کی تعریف کو اپنی تعریف کے پردے میں ڈھانپ لیتا ہے - پس وہ اسی طرح تجھ کو اپنی بارگاہ تک پہنچائے گا ، لہذا اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین

کرے کہ " سب کچھ اس کی طرف سے تجھ کو پہنچتا ہے نہ کہ تیری طرف سے اس کو -

اے عزیز اس اجمال کی مزید تفصیل یہ ہے کہ بندہ کسی بھی ارفع و اعلیٰ مقام تک رسائی حاصل کرے تب بھی " حدوث و امکان اور ان کے لوزمات بندے کی ذاتی صفات ہی رہتے ہیں -" اور یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز ذات میں ہوتی ہے ، وہ ذات سے الگ نہیں ہوتی -

پس دراں حالات اگر سالک یہ سوچے کہ " میں اپنی خرابیوں کو نابود کرنے اور اپنے تمام دعووں کو مٹانے اور باطل قرار دینے کے بعد اس کی بارگاہ عالی تک پہنچ جاؤں گا "- تو اسے چاہئے کہ اس نا ممکن خیال کو دل سے نکال دے - کیونکہ ایسی خواہشات منزل کے دوران سفر راہ ثابت ہوتی ہیں - جو وصل چاہتا ہے اس کو لازمی طور پر وصل نصیب نہیں ہوتا - یہ وہ دولت کونسی ہے جو صرف تمنا کرنے ، مانگنے یا محنت شاقہ کرنے سے ہاتھ نہیں آتی - بہ قول شاعر

ایں سعادت بہ زور بازو نیست
تا نہ بخشند خدائے بخشندہ

البتہ یہ ممکن ہے کہ اگر خداوند کریم نے تیرا نام لوح محفوظ میں ازل سے ہی واصلین اور نوازے ہوئے اشخاص میں لکھ رکھا ہے تو وہ تیرے ناقص اوصاف کو اپنے کامل اوصاف میں چھپائے گا ، یعنی کام وہ خود کرے گا اور نام تیرا کر دے گا - جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے کہ

" بندہ ادائیگی نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کر لیتا ہے ، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں - اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے ، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں ، جس سے وہ دیکھتا ہے ، اور اس کا ہاتھ بن جاتا

ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں ، جس سے وہ چلتا ہے -"

اس حالت کے نصیب ہوجانے کے بعد بندے کا ارادہ اور اختیار اس کا اپنا نہیں رہتا ، وہ فنا فی اللّٰہ کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے - اس کی ذات درمیان سے فنا ہو جاتی ہے اور صرف ارادہ الٰہی ہی باقی رہ جاتا ہے ، جو کہ بندے پر غالب آجاتا ہے -

" طالب الٰہی کا مطلوب حقیقی وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے "

سالک راہ طریقت اور ذات الٰہی کے طالب کو دوران راہ سلوک پردہ غیب سے اسرار و معارف الٰہی کشف کئے جاتے ہیں ، لیکن ابھی وہ وہاں توقف کا پوری طرح ارادہ بھی نہیں کرپاتا کہ حقیقت امر اس کی رہنمائی اور فلاح کے لئے اس کو پکار کر کہتی ہے کہ خبردار تیرا مطلوب یہ کشف اسرار نہیں بلکہ اس منزل سے آگے ذات خداوندی سے وصال ہے - خبردار کہیں ان جلوؤں پر فریفتہ نہ ہو جانا ، کہیں تو اپنی منزل سے بھٹک نہ جائے - ع/

" اے عزیز - اللّٰہ کی طرف سفر کرنے کے دوران بڑے کٹھن امتحانات اور آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے - ابتدائے سلوک میں ریاضتوں اور مجاہدوں کے نتائج کے طور پر ، پوشیدہ اسرار و رموز غیب کا انکشاف ، غیبی آوازوں کا سنائی دینا ، خلاف عادت غیر معمولی واقعات یعنی کرامات اور خرق العادات کا ظہور ، علوم و معارف کا نزول ، قرب کی نشانی اور معیت کا اظہار ہونے لگتا ہے - ان حالات میں اکثر سالک بھٹکنے کے قریب پہنچ جاتے ہیں اور نفس کے وسوسے میں آکر خود کو بزعم خود مزکورہ مقامات کے شایان شان سمجھنے لگتے ہیں - اس موقع پر سالک کو گمراہی سے بچانے اورصراط مستقیم پر قائم رکھنے کے لئے تائید الٰہی اس کی مدد کو آتی ہے اور من جانب

شرح حکم العطائیہ ص 97

اللہ تعالیٰ ایک اندرونی آواز سالک کو اپنے دل میں سنائی دیتی ہے کہ

" اے طالب ذات خداوندی ، تیری یہ ساری لگن و سعی و کوشش جس مقصود و مطلوب کے لئے ہے وہ تو ابھی مزید آگے ہے - کیونکہ وہ ذات حقیقی تو " وراءُ الوراءُ ثم الوراءُ الوراءُ " ہے یعنی وہ وہم و گمان کی منزل سے بھی آگے ، بلکہ اس سے بھی آگے ہے - بقول شاعر

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم
این بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

یعنی - میں جانتا ہوں کہ میرا محبوب جس قافلے میں ہے وہاں تک میری رسائی نا ممکن ہے - اس صورت میں یہ بات ہی میرے لئے کافی ہے کہ کم از کم میرے کانوں میں دور سے اس قافلے کی گھنٹیوں کی آواز تو آرہی ہے -

خبردار اے سالک کہ کائنات کی یہ اشیاء اپنے حسن و رعنائی کا جادو تجھ پر جگا رہی ہیں اور اپنی صورت مجازی کو حقیقت کا جامہ پہنا کر تیرے سامنے ایک حسین دھوکے کی شکل میں پیش کر رہی ہیں - حالانکہ یہ ظہور مثالی تو تجھے گمراہ کرنے ، تیری کمر ہمت توڑنے اور غیر حقیقی وجود پر تیری توجہ کو مرکوز کرانے کے لئے فتنہ و گمراہی ہے - اس لئے تجھے چاہئے کہ ان اشیاء پر فریفتہ نہ ہو اور ان مثالی مظاہر کو چھوڑ کر آگے قدم بڑھا اپنی اصلی منزل کی طرف رخ کر اور اپنے آپ کو عالم مثال سے عالم حقیقت تک پہنچا - بہت سے سالک اس مقام پر گمراہ ہو چکے ہیں اور اپنی جان و ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں - بقول شاعر

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار
کہ پیدا نہ شد تختہٗ بر کنار

یعنی - اس بھنور میں ہزاروں کشتیاں غرق ہو چکی ہیں یہاں تک کہ غرق ہونے کے بعد ان کا ایک تختہ بھی کنارے پر نظر نہیں آیا -

اے عزیز - دعویٰ ایمان کا ثبوت دینے کے لئے سخت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے - کیوں کہ جب تک حقیقت ایمان ہاتھ نہیں آتی ، محض زبانی طور پر ایمان کا دعوی کرنے سے چھٹکارا نہیں حاصل ہوتا - جیسا کہ خداوند کریم نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ

" أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۝ "

(سورہ العنکبوت - 2 - 3)

یعنی - کیا لوگوں نے خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا - اور ہم تو ان لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں - سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا -

دراصل مصائب کا نزول ، ہلاکتوں اور فتنوں کی جگہوں میں پڑنا اور خوفناک مقامات کی طرف پیش قدمی ایک مسلمان کے لئے امتحانات اور آزمائش ہیں - اور خصوصاً فتنوں کے ظہور کے وقت صراط مستقیم پر قائم رہنا ایک سچے مسلمان کی نشانی اور اس کا امتحان ہے - یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ جب تک وجود انسانی خصوصا ایک مسلمان صادق کا وجود فتنوں اور آزمائشوں کی بھٹی سے کندن بن کر نہ نکلے وہ بادشاہ کی مجلس میں نشست و برخاست رکھنے کے قابل نہیں ہوتا ، اس صورتحال اور عقیدے کے تحت یہ فتنے اور آزمائش اور امتحانات درحقیقت بندے پر خداوند کریم کا احسان ہیں ، کہ ان چیزوں سے گزرنے کے بعد بندہ عروج و ترقی اور قرب الہٰی کی منزل تک آجاتا ہے -

شرح جام الروایات پی - 99

" علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین - یقین کے تین مراتب ہیں "

حضرت شیخ عطا اللہ اسکندریؒ اس حکمت کے تحت فرماتے ہیں کہ تیرا نور بصیرت تجھے اللہ تعالیٰ کے قرب کا مشاہدہ کراتا ہے، اور عین بصیرت سے تو اس کی محبت ذاتی کے حصول کا مشاہدہ کرتا ہے اور حق بصیرت تجھے اس محبت ذاتی کا مشاہدہ کراتا ہے - قطع نظر تیرے اپنے وجود کے ہونے یا نہ ہونے کے - کیونکہ اللہ تعالیٰ تو جیسا ازل میں تھا کہ کوئی چیز اس کے ساتھ نہ تھی، وہ تو اب بھی ویسا ہی ہے -" ع ا

اس حکمت کی تشریح ذیل میں حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ فرماتے ہیں

" اے عزیز - حضرت شیخ عطا اللہ اسکندریؒ کی یہ حکمت یہ مقولہ یقین کے تین مراتب کے بارے میں ہے - پہلا مرتبہ علم الیقین کا ہے، اس سے اوپر عین الیقین ہے اور اس سے بھی اوپر حق الیقین کا مرتبہ ہے - مقصد یہ ہے کہ جب سالک پہلی بار، بصیرت کی آنکھ کھولتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو خود اپنی ذات سے بھی قریب تر دیکھتا ہے - یہ علم الیقین کا مرتبہ ہے - پھر مقامات قرب طے کرتے ہوئے سالک کی چشم بصیرت محبت ذاتی کے حصول کا عزم صادق کرتی ہے - اور اپنے اس ارادۂ محبت میں اس قدر فنا و محو ہو جاتی ہے کہ اسے اپنے وجود کا رہا سہا شعور بھی باقی نہیں رہتا، یہ عین الیقین کا مرتبہ ہے - اس کے بعد سالک محبت ذاتی کے مقامات اور مراتب طے کرتا ہوا محبت ذاتی کی حقیقت سے مشرف ہوتا ہے یہاں پہنچ کر سالک میں فنائیت اور نیست ہونے کی ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کو اپنے وجود کے ہونے یا نہ ہونے کا مطلق احساس باقی نہیں رہتا - یہ حق الیقین کا مرتبہ ہے - حضرات نقش بندیہ قدس اللہ اسرارہم کے مشرب و مسلک کے مطابق اہل سلسلۂ نقش بندیہ، پہلے مرتبے کو ولایت اولیاء دوسرے مرتبے کو ولایت انبیاء اور

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

تیسرے مرتبے کو ولایت علیا یا ولایت اولوالعزم کا نام دیتے ہیں -

مسئلہ وحدت شہود جو اکثر اکابر نقش بندیہ کا مشرب ہے ، اس کا تعلق اسی تیسرے مرتبے یعنی حق الیقین سے ہے - جب کہ اس "مسئلہ وحدت الشہود " کے برخلاف تصوف کی باقی تین سلاسل یعنی قادریہ ، سہروردیہ اور چشتیہ کے بزرگان قدس اللہ تعالیٰ اسرا رہم کی اکثریت کا مشرب " وحدت وجود " ہے -

****

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

" خلاصۂ بحث "

خلاصۂ بحث

اس مقالے کے باب " " میں ہم نے اجمالی طور پر حضرت آغا محمد حسن جان سرھندیؒ کے دور حیات ، ان کی دینی ، علمی و ادبی اور سیاسی خدمات برائے اسلام و برائے فلاح و بہبودئ امت مسلمہ ، بالخصوص مسلمانان برصغیر کا جائزہ پیش کیا ہے - مزید برآں حضرت آغا محمد حسن جانؒ کی ایک اور حیثیت یعنی بطور ایک ممتاز مبلغ دین اسلام اور صاحب ارشاد وتلقین شخصیت کے پس منظر کو پیش نظر رکھتے ہوئے ، ان کے اپنے مریدین اور مخلصین کو پندو نصائح اور تلقین و ارشادات و وصایہ کا بھی ذکر کیا ہے - اس کے علاوہ حضرت آغا صاحبؒ کی بطور جید عالم دین اور ایک صاحب علم و عرفان شخصیت کے طور پر ان کے ذوق و شوق تصنیف و تالیف برائے دین اور برائے ادب کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے -

جیسا کہ ہم اس مقالے میں پہلے ذکر کر چکے ہیں ، حضرت آغا صاحبؒ کی ولادت افغانستان کے نہایت مشہور و معروف اور تاریخی شہر قندھار میں چھ شوال 1278ھ کو ہوئی - آپ نے ابتدائی دینی و مروجہ دنیاوی علوم کی تعلیم اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جانؒ سے حاصل کی - جو کہ خود بھی ایک نہایت جید دینی عالم اور صاحب حال و مقام بزرگ تھے -

تقریباً بہ عمر اٹھارہ سال ، حضرت آغا صاحبؒ کو اپنے والد گرامی و مرشد ذی قدر حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جان صاحبؒ کے ساتھ افغانستان سے ھجرت کرکے سندھ کے مقام " سکھر " میں رہائش پذیر ہونا پڑا - اس ھجرت کی وجوہات ہم اس مقالے میں پہلے ذکر کر چکے ہیں -

حضرت آغا صاحبؒ سکھر سے اپنے والد صاحب کی معیت میں حجاز مقدس کے سفر پر تشریف لے گئے جہاں آپ نے پانچ سال قیام فرمایا - حجاز مقدس

میں قیام کے دوران آپ نے نہ صرف احادیث شریفہ کی تعلیم اور سند فراغ حاصل کی بلکہ قرآن پاک کے بائیس پارے بھی حفظ کئے ، بقیہ آٹھ پارے حضرت آغا صاحبؒ نے حجاز مقدس سے ٹکھڑ واپس تشریف لاکر وہاں حفظ فرمائے ۔

حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ نے حجاز مقدس کے قیام کے دوران " مولانا رحمت اللہ دہلوی المہاجر المکیؒ " کے مدرسہ " صولتیہ " سے علوم دین کی تحصیل کی اور علم تجوید اور قرأت قرآن پاک میں درجۂ کمال کو پہنچے ۔ مزید یہ کہ آپ نے شیخ المحدثین " حضرت شاہ عبدالغنی دہلویؒ مجددی " اور " حضرت مفتی شیخ عبد اللہ السراجؒ " سے علم حدیث و فقہ حاصل کیا اور سند فراغ حاصل کی ۔ ان بزرگوں کے علاوہ آپ نے مفتیٔ مکہ مکرمہ " حضرت شیخ احمد دہلان " اور حضرت " شیخ ابو نصر محدث دمشقیؒ کی صحبتوں سے بھی استفادہ کیا اور ان کے علم و فضل سے فیضیاب ہوئے ۔

حضرت حاجی حافظ آغا محمد حسن جان سرہندیؒ نے پانچ مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی ۔ آپ نے سندھ سے عرب تک کے مختلف ممالک مثلاً عراق ، شام اور نجد وغیرہ کی سیرو سیاحت کی اور ان ممالک میں واقع تمام مقدس مقامات کی زیارات کیں ۔ حضرت آغا صاحبؒ نے اس تمام سیاحت اور سفر ہائے زیارات کے حالات نہایت تفصیل کے ساتھ قلمبند فرمائے ہیں جو کہ بذات خود ایک نہایت قیمتی و معلوماتی علمی ذخیرے کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

حضرت آغا صاحبؒ اپنے والد محترم حضرت خواجہ عبدالرحمٰن جان صاحبؒ کے وصال کے بعد ان کے جانشین و خلیفہ کے طور پر ٹنڈو سائیں داد میں مسند تلقین و ارشاد پر جلوہ فرما ہوئے اور اپنے فیض باطنی سے ان گنت گم کردہ راہ مسلمانوں کو صراط مستقیم پر لگایا اور کتنے ہی منکران اسلام کو مشرف بہ اسلام کیا ۔

حضرت آغا صاحبؒ نے بہ عمر ستاسی سال ، 2 رجب 1365ھ کو ٹنڈو

۱۔ میران نقشی ۔ ڈاکٹر عبدالرحیم ...
۲۔ ایضاً ۔ ص 213

سائیں داد میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اپنے والد گرامی کے پہلو میں گنجو ٹکر پہاڑی پر واقع " مقبرہ شریف " میں آسودۂ خاک ہوئے ۔

حضرت آغا صاحبؒ کی دین اسلام کی ترقی و ترویج اور مسلمانوں کی بھلائی کے لئے نہایت ممتاز اور بیش بہا خدمات ہیں جن میں اجرأ مدارس دینیہ اور تعمیر مساجد شامل ہیں ۔ آپ نے اپنی تحریر کے ذریعے بھی دین اسلام کی گراں قدر خدمات انجام دیں ۔ مزکورہ بالا خدمات کا مجموعی تذکرہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے ۔

عہ/ اجرأ مدارس دینیہ ۔ حضرت آغا صاحبؒ نے سندھ کے مختلف علاقوں میں چار مدارس قائم کئے جہاں طلبأ کو نہایت ممتاز اور قابل اساتذہ کی نگرانی میں دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا جاتا تھا ۔ یہ مدارس ، مدرسۂ مجددیہ کے نام سے ٹنڈو سائیں داد ، عمر کوٹ ، میہڑ اور لاڑکانہ میں قائم کئے گئے تھے اور ان مدارس کو مولانا حاجی لطف محمد متعلوی ، مولوی عبدالقیوم بختیارپوریؒ ، مولوی خیر محمد مگسیؒ اور مخدوم حاجی حسن اللّٰہ باٹائیؒ جیسے جید علمأ اور لائق و فائق اساتذہ کی نگرانی حاصل تھی ۔ ان مدارس میں سے سندھ میں نہایت قابل اور نامور طلبأ پیدا ہوئے جو کہ آگے چل کر علم و فضل میں منفرد ثابت ہوئے ۔ بالخصوص ان طلبأ میں حضرت آغا صاحبؒ کے فرزندان گرامی یعنی حضرت عبداللّٰہ جان آغاؒ عرف حضرت شاہ آغا ، حضرت حاجی عبدالستار جانؒ ، حضرت حاجی حافظ محمد ھاشم جانؒ اور حضرت محمد حنیف جانؒ بڑے پائے کے اہل علم و بزرگ اشخاص ثابت ہوئے ۔

حضرت آغا صاحبؒ نے خدمات اسلام کے ذیل میں سندھ اور بلوچستان میں سات مساجد بھی تعمیر کرائی تھیں ، جو کہ سندھ میں " ساماوو " ضلع تھرپارکر ، " پبن " تعلقہ کھپرو ، " مقبرہ شریف " بر گنجو ٹکر ، ٹنڈو سائیں داد اور شکار پور شہر میں اور بلوچستان میں " شاہو کلی " اور دوسری کوئٹہ

مونس المخلصین ۔ عبداللہ جان آغا
ص ۔ 173

سے پانچ چھ میل پر حضرت آغا صاحبؒ کے خرید کردہ ایک چشمے کے کنارے واقع تھیں ۔ ع ۱

حضرت آغا صاحبؒ نے اپنی تحریر سے بھی نہایت اعلیٰ دینی خدمات انجام دیں اور اس ضمن میں نہایت نادر کتب تصنیف فرمائیں جو مسلمانوں کے لئے اس دور گمراہی میں ھدایت کا چراغ اور نہایت قیمتی اثاثہ ھیں ۔ ان کتب میں سے ، 1 ۔ العقائد الصحیحہ ۔ (2) طریق النجات ۔ 3 ۔ انیس المریدین 4 ۔ رسالۂ تہلیلیہ ۔ 5۔ رسالہ تنویر درمسئلہ اثبات تقدیر۔ 6۔ الاصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ ۔ 7 ۔ تذکرتہ الصلحا ۔ 8 ۔ سفر نامہ عراق و حجاز و شام اور 9 ۔ شرح حکم عطا اللہ اسکندری ، خصوصی طور پر ان کی معرکہ آرا تصانیف ھیں ۔ ع ۲

حضرت آغا صاحبؒ نے مسلمانان ترکیہ اور برصغیر کے لئے بھی گراں قدر خدمات انجام دیں ۔ خصوصاً جنگ بلقان کے دوران اور پہلی جنگ عظیم کے بعد جب سلطنت عثمانیہ ترکیہ پر سخت ترین مشکلوں کا دور تھا تو حضرت آغا صاحبؒ نے سندھ کے مسلمانوں سے چندہ کرکے اور اپنی جیب خاص سے رقم ملا کر ترکی کے مسلمانوں کے لئے ایک خطیر رقم " ھلال احمر " کے ذریعے ترکی بھیجی ۔ دیگر یہ کہ جب ھندوستان کے مسلمان ایک کافر و مشرک شخص ، موھن داس گاندھی کی قیادت میں کانگریس کے جھنڈے کے نیچے اس مقصد کے لئے جمع ھونا شروع ھوئے کہ ھندوستان پر سے انگریزوں کا قبضہ ختم کرایا جا سکے تو یہ حضرت آغا صاحبؒ ھی کی دینی فراست تھی جس کے تحت انہوں نے ھندو ذھن کی عیاری کو بھانپ لیا ، اور مسلمانوں کو یہ سمجھایا کہ

" اسلام و کفر دو الگ الگ مذاھب اور ملتیں ھیں جو کہ کبھی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں چل سکتیں اور کفر کبھی اسلام کے ساتھ مخلص نہیں ھو سکتا ۔ اس لئے مسلمانان ھند پر لازم ھے کہ وہ کسی مسلمان قائد کے زیر

۱۔ مونس / مخلص ۔ ص 171
۲ ۔ ایضاً ۔ ص 197

فرمان ہوکر اپنی تحریک آزادی خود چلائیں ۔ اسی دوران جب حیدرآباد دکن میں ۔" آل انڈیا خلافت کانفرنس " منعقد ہوئی اور جس میں بڑے بڑے علمائے کرام نے موہن داس گاندھی کو صدر نشین بنایا اور خود شہ نشین سے نیچے تشریف فرما ہوگئے اور گاندھی کی قیادت میں تمام کاروائی انجام دلوائی ۔
حضرت آغا صاحبؒ نے اس موقع پر نہایت رنج و افسوس کے ساتھ فرمایا کہ " کیا مسلمان اکابرین و علماء میں کوئی بھی اس کانفرنس کی صدارت کے لائق نہ تھا جو ایک کافر و مشرک کو اپنا صدر بنایا اور اس کے زیر حکم تمام کاروائی انجام دلوائی ۔ " ع ۱ ع ۲

مزید برآں جب ترک وطن یا " ہندوستان چھوڑ دو " کی تحریک کا غلغلہ اٹھا اور قائدین قوم نے عوام کو یہ حکم دیا کہ وہ ہندوستان چھوڑ کر افغانستان کی طرف ہجرت کر جائیں ۔ اس وقت بھی حضرت آغا صاحبؒ کے ذہن رسا میں یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی تھی کہ یہ عیار ہندو ذہن کی مسلمانوں کو پریشان کرنے ، دربدر خوار کرنے اور معاشی طور پر تباہ کرنے کی سازش ہے ۔ حضرت آغا صاحبؒ نے اس سازش کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد مسلمانوں کو اس ہجرت سے روکنے کی حتیٰ الامکان کوشش کی اور سمجھایا کہ " افغانستان ایک نہایت مشکل علاقہ ہے اور آپ لوگوں کو اپنے اندر بسانے اور وسائل زندگی مہیا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا ۔ لازماً آپ لوگ پریشان ہو جائیں گے اور بالآخر آپ لوگوں کو سخت تکالیف اٹھانے کے باوجود ہندوستان واپس آنا پڑے گا ۔ " لیکن مسلمان کیوں کہ بنیادی طور پر ایک سیدھی سادی اور صاحب امر کی تعمیل کرنے والی قوم ہے ، اس لئے حضرت آغا صاحبؒ کے نہایت سمجھانے کے باوجود ، بے شمار مسلمان ، جوق در جوق افغانستان کی طرف ہجرت کر گئے ۔

یہاں یہ بیان کرنا نہایت ضروری ہے کہ عام طور پر ہندو قوم میں سے

۱۔ مونس المخلصین ۔ ص ۔ ۱۹۸
۲۔ ایضاً ۔ ص ۔ ۱۹۷

کسی نے ھجرت نہیں کی اور اپنی اپنی جگہوں پر قائم رہے اور اپنا کاروبار زندگی نہایت دلجمعی کے ساتھ حسب معمول انجام دیتے رہے - اس کے نتیجے میں ان کو کسی قسم کی تکلیف، پریشانی یا مالی نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑا -

بالآخر حضرت آغا صاحبؒ کا قول صادق آیا اور ھجرت کرکے جانے والے مسلمانوں کو کچھ عرصے کے بعد بہ حال تباہ اور انتہائی پریشانیاں اٹھانے کے بعد افغانستان سے واپس آنا پڑا - لیکن بہ قول شاعر

" چرا کارے کنند عاقل کہ باز آید پشیمانی "

کے مصداق واپس آنے کے بعد ان کے ھاتھ سوائے پچھتاوے اور افسوس کے کچھ نہ آیا اور ان کو بڑے مصائب اور گردش روزگار کا سامنا کرنا پڑا - نیز وہ معاشی طور پر اتنے پیچھے چلے گئے کہ ان کو نئے سرے سے اپنا کاروبار زندگی شروع کرنا پڑا - اسی طرح جب ھندوستان میں یہ تحریک چلی کہ انگریزی لباس اور ولائیتی اشیاء کا مقاطعہ کیا جائے - اس سلسلے میں یہاں تک ھوا کہ کچھ کانگریسی علماء نے یہ فتویٰ بھی دے دیا کہ " ولائیتی کپڑے سے تیار کردہ لباس سے نماز پڑھنا ناجائز اور اس کپڑے میں تجہیز وتکفین کرنا، ناروا ھے - " اس وقت حضرت آغا صاحبؒ نے مسلمانوں کی خیرخواھی کرتے ھوئے پھر سمجھایا کہ " یہ بات اور مسئلہ درست نہیں ھے - کیوں کہ قوم نصاریٰ کا تیار کردہ کپڑا نہ صرف ھندوستان میں بلکہ دیگر اسلامی ممالک مثلاً عربستان، خراسان، شام اور روم و عراق میں بھی استعمال ھوتا ھے لیکن آج تک کسی جگہ سے بھی اس قسم کا فتویٰ نہیں دیا گیا - مزید یہ کہ اس مقاطعے سے سیاسی طور پر بھی انگریزوں کی حکومت پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا - "

حضرت آغا صاحبؒ کی اس خیر خواھانہ تبلیغ کے ساتھ ھی کچھ علماء کانگریس ان سے سخت ناراض ھو گئے، آپس میں تنازعہ اٹھ کھڑا ھوا

ع ۱

اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس مسئلے پر حیدرآباد سندھ میں مناظرہ ہوا جو کہ تین روز تک چلتا رہا - دونوں طرف سے اس مسئلے کی حمایت اور مخالفت میں جید علمائے دین نے تقاریر فرمائیں - آخر کار فیصلہ حضرت آغا صاحبؒ کی رائے کے مطابق ہوا - صدر مجلس مناظرہ جناب " مولانا معین الدین اجمیریؒ صدر ، خلافت کمیٹی صوبہ راجپوتانہ " نے حضرت آغا صاحبؒ کی رائے کی حمایت میں فیصلہ دیا اور فتویٰ لکھا - بعد ازاں اس مناظرے اور فتویٰ دینے کی پوری کار روائی ایک رسالے کی صورت میں شائع کی گئی - جس کا نام ،

" اَلْقَوْلُ الْفَیْصَلُ فِيْ جَوَازِ الثِّیَابِ مِنَ الْحَرِیْرِ الْمُقَاتِلِ "

رکھا گیا - یہ رسالہ ہندوستان بھر میں تقسیم ہوا اور اس کو پڑھ کر مسلمانان ہندوستان نے ایک عظیم فتنے اور بڑے معاشی نقصان سے نجات پائی -

مسلمانان ہندوستان کے لئے مزکورہ بالا دینی و سیاسی خدمات کی انجام دہی کے علاوہ حضرت آغا صاحبؒ نے مسلم لیگ کی قیام پاکستان کی جدوجہد میں ہر طرح سے بھاگ دوڑ و کوشش کی - انہوں نے اس سلسلے میں اپنے تمام مریدوں اور عقیدت مندوں کو با تاکید فرمایا کہ ہر حال میں مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ کا ساتھ دے اور اس کی ہر طرح حمایت کریں - اس ضمن میں ہم حضرت آغا صاحبؒ کا ایک مکتوب ذیل میں نقل کرتے ہیں جس میں انہوں نے اپنے مریدوں ، وڈیرہ محمد قاسم اور وڈیرہ عبداللہ اور قاضی جان محمدؒ کو مسلم لیگ کی حمایت کی تاکید کی ہے - یہ تمام حضرات " گاہی مہیسر " کے طاقے ، نزد لاڑکانہ کے رہنے والے تھے -

ع ۲

" مخلصین مکرمین وڈیرہ محمد قاسم و وڈیرہ عبداللہ و قاضی جان محمد سلمہم اللہ

بعد از دعائے خیر شمایان مخلصان را بہ طریق نصیحت تحریر میشود کہ در قصۂ الیکشن مدد گار اسلام شوید و از رفاقت ہندوآن کفار دور شوید کہ این قصہ مقابلۂ ہندوآن است با مسلمانان و سید اکبر علی شاہ را ٹکٹ مسلم لیگ دادہ

۱۔ مونس المخلصین، عبداللہ جان آغا، ص ۲۰۵

۲۔ ایضاً، ص ۲۰۶

شده است - بنا برآں برشمایان لازم است کہ از مخالفت او دستیردار شوید و
ہر قدر کہ بتوانید امداد بکنید - "

والسلام

6 ماہ صفر 1365ھ — فقیر محمد حسنؒ عفی عنہ

واضح رہے کہ حضرت آغا صاحبؒ کے اس خط کے لکھنے کے صرف پانچ ماہ بعد ہی قیام پاکستان وجود میں آگیا تھا -

حضرت آغا صاحبؒ ادب عالیہ سے بھی بڑا شغف رکھتے تھے - ان کے پاس خود اپنی ایک ذاتی لائبیریری تھی جو کہ نہایت نادر کتب و مخطوطات پر مشتمل تھی - ان کتب میں سے کچھ کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے -

1 - حمائل شریف - خوش خط و مطلا - دستخط شیخ علی قاری - جو کہ 955ھ میں حرم محترم مکہ شریف میں لکھی گئی تھی -

2 - مجموعۂ دلائل الخیرات و حزب الاعظم - دستخط شدہ از مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھویؒ - مع دیگر وظائف و قصائد علمی -

3 - تفسیر وسیط - از حضرت امام غزالیؒ - قلمی خوش خط

4 - لمعات شرح مشکوٰۃ - از شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ - نصف اول قلمی

5 - جنت النعیم فی فضائل القرآن العظیم - از تالیفات مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھویؒ قلمی

مزکورہ کتب کے علاوہ عربی اور فارسی شعراء کے دواوین اور شاعری پر مشتمل کتب کی موجودگی اس ذخیرۂ کتب کی زیب و زینت اور قدر و اہمیت میں گراں قدر اضافہ کرتی تھیں - فارسی شاعری کے قدیم اور نامور اساتذہ کا کلام نہ صرف حضرت آغا صاحبؒ کے زیر مطالعہ رہتا تھا بلکہ آپ ان کے اشعار میں سے منتخب اشعار اپنی ذاتی بیاض میں بھی درج فرماتے تھے - بالخصوص عمر خیامؒ کی رباعیات اور شیخ سعدیؒ ، لسان الغیب حافظ شیرازیؒ ، مولانا عبدالرحمٰن جامی اور مرزا صائب اصفہانیؒ جیسے نادر روزگار اساتذۂ شاعری کا کلام آپ کو

مونس المخلصین ص - 91 تا 102

نہایت پسند تھا ۔ حضرت آغا صاحبؒ خود بھی نہایت اعلیٰ پیمانے کی شاعری کرتے تھے اور ان کی کوشش ہوتی تھی کہ جس زبان کا شعر ہو اس کو اسی زبان کے لہجے میں تحت اللفظ میں ، نہایت درست ادائیگی کے ساتھ پڑھا جائے

حضرت آغا صاحبؒ کی نعتیہ شاعری بھی نہایت ہی اعلیٰ معیار کی تھی ، اس ضمن میں ان کی فارسی غزل ذیل میں درج کی جاتی ہے ، جس سے ان کی حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور دل کی اس تڑپ کا اندازہ ہوتا ہے جو وہ جوار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں مستقل قیام کے لئے رکھتے تھے ۔

ع ۱

ز اوصاف مدینہ ہرچہ گویم از دریا ست

عفاف آنجا ، کفاف آنجا ، صلواۃ آنجا ، زکواۃ آنجا

خدا وندا عطا کن بندۂ خود را بہ فضل خود

قیام آنجا ، مقام آنجا ، حیات آنجا ، ممات آنجا

اگرخواہی کہ بینی جنت الماویٰ دراین عالم

نشین در روضۂ اطہر بخواہ از حق نجات آنجا

حضرت آغا صاحبؒ کو نعتیہ شاعری کے علاوہ عام شاعری میں بھی نہایت عمدہ دسترس حاصل تھی ۔ آپ شاعری کی تمام اصناف مثلاً ، حمد ، نعت ، قصیدہ ، مرثیہ ، رباعی ، قطعہ ، مسدس ، مخمس ، نوحہ وغیرہ پر بھی کامل عبور رکھتے تھے ۔ اس کے علاوہ فن تاریخ گوئی میں بھی آپ کا نہایت اونچا مقام تھا ۔ ذیل میں ہم حضرت آغا صاحبؒ کے اس مرثیے کے چند اشعار پیش کرتے ہیں جو کہ آپ نے اپنے فرزند محمد شریف جانؒ کی زلزلۂ کوئٹہ (بلوچستان) مئی 1935ء ، کے اندوہناک حادثے میں ، وفات پر کہا تھا ۔ اس مرثیے میں ایک نہایت غم زدہ اور بد نصیب باپ کے دل کی سسکیاں صاف سنائی دیتی ہیں ۔

بے تو اے راحت دل نعمت دنیا چہ کنم

جان شیریں چہ کنم دیدہ بینا چہ کنم

زندگی بھر تو خوش داشتم اے راحت جاں

چوں تو رفتی من غم دیدہ تنہا چہ کنم [1]

فن تاریخ گوئی برائے تعمیرات میں بھی آغا صاحبؒ کا اعلیٰ مقام ہے - اس سلسلے میں ہم یہاں ان کا ایک مشہور و معروف اورنہایت زبان زد خاص و عام قطعہ درج کرتے ہیں جو کہ " پبن " تعلقہ کھہرو میں حضرت آغا صاحبؒ کی تعمیر کرائی ہوئی مسجد کی تعمیر کے موقع پر کہا گیا تھا - یہ قطعہ بعدازاں اس مسجد کے صدر دروازے کے اوپر کانسی کی پلیٹ پر کندہ کرکے لکھا گیا -

روز محشر کہ جاں گداز بود

اولیں پرسش از نماز بود

سال تاریخ ایں خجستہ بناء

گشت ظاہر ز مسجد الغرباء

1332ھ

خاتمہ کے آخر میں ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ حضرت صاحبؒ نے اپنی بنیادی حیثیت یعنی ایک مرشد کامل اور پیر طریقت کے طور پر اپنے مریدین و مخلصین کو کیا تلقین و مواعظ اور پندو نصائح فرمائے - اور ان کو اپنے ارشادات سے کس طرح صراط مستقیم پر ڈالا -

اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہم ترین و صایہ و نصائح تو ان کی وہ یادگار تصانیف ہیں جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں - اس کے بعد حضرت صاحبؒ کے معمولات زندگی ہیں جو کہ بذات خود عمل کرنے کے لئے مریدین و مخلصین کے لئے ایک اعلیٰ نمونہ ہیں - مزید برآں ہم وہ ارشادات بھی ذیل

---

1 - ہم یہ مرثیہ اس مقالے میں پہلے لکھ چکے ہیں - اس لئے یہاں پر صرف ان دو ہی اشعار پر قناعت کرتے ہیں -

میں درج کرتے ھیں جو کہ حضرت آغا صاحبؒ نے وقتاً فوقتاً اور موقع بہ موقع اپنے مریدین اور مخلصین کو فرمائے -

حضرت آغا صاحبؒ کی تعلیم و تربیت مریدان کا ایک نہایت دل نشیں و پر اثر طریقہ تھا - مثلاً اگر کوئی مرید یا عقیدت مند آپ کو کوئی خط تحریر کرتا تھا اور اس میں پورے القاب و آداب لکھنے کے باوجود سہواً "حسن جان" لکھا کرتا تھا - تو حضرت آغا صاحبؒ اس کو بہ طور فہمائش فرماتے تھے کہ " بابا لفظ " محمدؐ " میرے نام کا سرتاج ھے - تم نے مجھے اس " محمدؐ " کے لفظ سے کیوں محروم کر دیا -

عے ۱

حضرت آغا صاحبؒ اپنے مریدوں کے ساتھ حلقۂ ذکر بھی منعقد کراتے تھے جس میں ختم خواجگان بھی ھوتا تھا - جس میں ان کے مریدین بھی شرکت کرتے تھے - مزید برآں حضرت آغا صاحبؒ کے وصایہ اور پندو نصائح واضح طور پر اس وقت دیکھنے میں آتے تھے جب آپ کسی کو مرید فرماتے تھے - ھم ذیل میں حضرت آغا صاحبؒ کا مریدوں سے بیعت لینے کا طریقہ لکھتے ھیں جس سے ھر بات واضح ھو کر سامنے آجاتی ھے -

حضرت صاحبؒ بیعت لیتے وقت مرید ھونے والے شخص سے اولاً یہ سوال کرتے تھے کہ اس نے قرآن پاک ختم کیا ھوا ھے یا نہیں - اگر جواب نفی میں ملتا تھا تو طالب کو سب سے پہلے قرآن پاک پورا کرنے کی تلقین فرماتے تھے - اس کے بعد طالب کو اپنے ساتھ ساتھ دعا کرواتے تھے - پھر اس طالب سے تین بار تمام ظاھری اور خفیہ ، دانستہ و نا دانستہ کئے گئے گناھوں سے ، خداوند کریم کی بارگاہ میں توبہ کراتے تھے - بعد ازاں اس شخص کو اپنے طریقۂ نقش بندیہ مجددیہ میں مرید کرتے تھے -

مرید کرنے کے بعد حضرت آغا صاحبؒ اپنے مرید سے فرماتے تھے -
" بابا اب جب کہ تم ھمارے مرید ھوئے اور ھمارے طریقے میں داخل

ہو چکے تو تمہیں چاہئے کہ ہم جو کلمات نصیحت و تلقین تم سے کہتے ہیں ان کو بہ غور سنو اور ان پر دل و جان کے ساتھ عمل پیرا رہو - اول تو تم پر لازم ہے کہ پنج وقت نماز کی محافظت کرو اور نماز با جماعت کو کسی بھی صورت میں قضا نہ ہونے دو - کیوں کہ نماز اسلام کا رکن اعظم ہے - تم پر یہ لازم ہے کہ ماہ رمضان کے پورے روزے رکھو - اور اگر توفیق و استطاعت ہو تو جلد از جلد حج بیت اللہ کی ادائیگی کرو -

مزید برآں تمہیں چاہئیے کہ تمام امور دینوی اور دنیاوی میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پاک کی تابعداری کرو - اور شریعت کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانو - صحبت بد اور بد مذہبوں سے ہر حال میں دور رہو کیوں کہ یہ مرید کے لئے سم قاتل ہے تم پر یہ بھی لازم ہے کہ ذکر کرنے کو ہر حال میں اپنے اوپر ضروری سمجھو ، کیوں کہ بغیر ذکر مرید ہونا کچھ فائیدہ نہیں دیتا - تمہیں چاہئیے کہ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد مراقبہ کرو - اور دوران مراقبہ اپنے دل کی طرف متوجہ ہوکر ذکر قلبی کرو اور جب آفتاب نکل آئے تو چار رکعت نفل برائے نماز اشراق ادا کرو - بعد ازاں اپنے روز مرہ کے کاموں اور حصول معاش حلال میں مصروف ہو جاؤ - "

حضرت آغا صاحبؒ مریدوں کو بیش از بیش اس بات کی تلقین کرتے تھے کہ ہر وقت ذکر میں مشغول رہیں ، یہاں تک کہ ان کا قلب جاری ہوجائے نیز حضرت آغا صاحبؒ ہر طالب کو اس کی استطاعت و ہمت اور ظرف کے مطابق کم یا زیادہ تلقین فرماتے تھے -

درحقیقت حضرت آغا صاحبؒ کی ہستی ایک ایسی منفرد شخصیت تھی جس کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کی ترقی اور فلاح و بہبود کے علاوہ اور کچھ نہ تھا - ان کے لئے یہ کہنا نہایت ہی مناسب ہوگا کہ حضرت آغا صاحبؒ نے ، " دامے ، درمے ، قدمے ، سخنے ، غرض ہر طرح سے اسلام

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

کی خدمت میں بلیغ کوششیں کیں اور اپنی زندگی کو کامیاب اولائق تقلید مثال بنا کر پیش کیا اور اس کے صلے میں خداوند کریم کے نوازے ہوئے ۔ برگزیدہ اشخاص کی صف میں شامل ہوئے - درحقیقت حضرت آغا محمد حسن جان سرہندیؒ ان بزرگان دین کے قبیل سے ہیں جن کے لئے بجا طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ

" عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں"

****

" کتابیات "

1 ۔ انیس المریدین ۔ حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی ۔ فارسی
مجددی پریس امرتسر ۔ ابتداً 1316ھ
تکمیل 1328ھ ۔ صفحات 200

2 ۔ العقائد الصحیحہ فی تردید الوہابیہ ۔ حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی ۔
عربی بمعہ اردو ترجمہ ۔ الفقیہ پریس امرتسر
1340ھ ۔ صفحات 84

3 ۔ الاصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ ۔ حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی ۔
الفقیہ پریس امرتسر ۔ 1346ھ ۔ صفحات 128

4 ۔ انساب الانجاب ۔ حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی ۔ فارسی
مشہور عالم پریس لاہور ۔ 1340ھ ۔

5 ۔ انفاس العارفین ۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ۔ مترجم سید محمد
فاروق قادری ۔ اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور

6 ۔ الطاف القدس ۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ۔ مترجم سید محمد
فاروق قادری ۔ ادارہ المعارف لاہور ۔ 1975ء

7 ۔ انوار صوفیاء ۔ شیخ عبدالحق دہلوی ۔ مترجم محمد لطیف ملک
شعاع ادب لاہور ۔ 1958ء ۔ صفحات 391

8 ۔ احوال العارفین ۔ حافظ غلام فرید ۔ نذیر سنز پبلیشرز لاہور
صفحات 527 ۔

9 ۔ اسرار الاحکام ۔ مفتی احمد یار خان ۔ مرکزی انجمن اشاعت اسلام
کراچی ۔ 1983ء ۔ صفحات 120

10 ۔ البلاغ المبین ۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ۔ مکتبۂ دین و
دانش لاہور ۔ 1983ء ۔ صفحات 128

11۔ اصلاحی نصاب ۔ مولانا اشرف علی تھانوی۔ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۔ 1405ھ ۔ صفحات 580

12 ۔ الکوکب الشہابیتہ ۔ حضرت احمد رضا خان بریلوی ۔ مرکزی امام احمد رضا اکیڈمی حیدرآباد ۔ 1987ء۔ صفحات 80

13 ۔ اربعین نووی ۔ امام محی الدین نووی ۔ مترجم مولوی محمد عاشق الٰہی ۔ دارالاشاعت کراچی۔ 1967ء۔ صفحات 240 ۔

14۔ احکام شریعت ۔ حضرت احمد رضا خان بریلوی۔ نذیر سنز پبلیشرز لاہور۔ صفحات 232

15۔ اہل سنت والجماعت ۔ علامہ سید سلیمان ندوی ۔ مکتبہ الشرق کراچی 1952ء ۔ صفحات 77

16۔ التوحید ۔ امام محمد بن عبدالوہاب ۔ اردو ترجمہ محمد حنیف ندوی۔ سویرا آرٹ پریس لاہور۔ صفحات 176

17 ۔ الدین القیّم ۔ مولانا مناظر احسن گیلانی ۔ نفیس اکیڈمی کراچی 1980ء ۔ صفحات 222

18۔ اکابرین دیوبند ۔ محمد ذکریا مولانا ۔ ادارہ المعارف کراچی ۔ 1979ء صفحات 116

19۔ اسلامی عقائد ۔ پروفیسر فیاض کاوش ۔ مکتبۂ قاسمیہ برکاتیہ حیدرآباد ۔ 1983ء ۔ صفحات 102

20۔ بوادرالنوادر ۔ مولانا اشرف علی تھانوی ۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔ 1962ء ۔ صفحات 880

21۔ بزم صوفیاء ۔ مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ۔ مطبع معارف اعظم گڑھ ۔ 1949ء ۔ صفحات 520

22- برہان پور کے سندھی اولیاء - سید مطیع اللہ راشد برہان پوری - سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد - 1957ء - صفحات 419

23- بزم جاناں - مرتبہ صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر- رکن الاسلام پبلیکیشنز حیدرآباد - 1980ء

24- تذکرۂ اولیاء ہندوپاک - تالیف مرزا محمد اختر دہلوی - کتب خانۂ رشیدیہ دہلی - صفحات 176

25- تذکرۂ مظہر مسعود - مرتبہ پروفیسر محمد مسعود احمد - مدینہ پبلیشنگ کمپنی کراچی - 1969ء -

26- تذکرۃ الصلحاء فی بیان اتقیاء - حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی - فارسی اردو ترجمہ از مولوی صاحب داد سلطان کوٹی مطبع نظامی کانپوری - صفحات 60

27- تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان - علامہ محمد اسماعیل شہید - کارخانۂ تجارت کتب کراچی - صفحات 519

28- تحذیر النّاس - حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی - کتب خانۂ رحیمیہ دیوبند ، ہندوستان - صفحات 40

29- تحقیق جو فن (سندھی) - ڈاکٹر غلام حسین پٹھان - صفحات 399

30- تذکرۂ شعراء سکھر (سندھی) - اسد اللہ اسد سکھرائی - سندھی ادبی بورڈ کراچی / حیدرآباد - صفحات 224

31- جنب گذارین جین سین (سندھی) - جناب جی ایم سید صاحب - سن (سندھ)

32- جذب القلوب - شیخ عبدالحق محدّث دہلوی - مترجم محمد احمد قادری - کتب خانۂ علوم شرقیہ ، مدینۂ منوّرہ 1388ھ - صفحات 385

33- جوامع الکلم - خواجہ بندہ نواز گیسو دراز - مترجم پروفیسر محمد معین - نفیس اکیڈمی کراچی - 1980ء

34- حجتہ اللہ البالغہ - حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی- مترجم مولانا عبدالحق - جنرل پرنٹرز لاہور- صفحات 646

35- حکایات الاولیاء - مولانا اشرف علی تھانوی- ناشر، ایم ثناء اللہ خان لاہور- 1956ء - صفحات 479

36- حفظ الایمان بسط البنان - مولانا اشرف علی تھانوی - کتب خانہ اشرفیہ دیوبند، ہندوستان - صفحات 16

37- حضرت مجدّد الف ثانی - مولفہ مولانا سید زوار حسین شاہ- ادارۂ مجددیہ کراچی - 1972ء - صفحات 816

38- خلق مسلم - حضرت امام غزالی - ترجمہ عبدالصمد صارم الازہری - پیسہ اخبار لاہور- صفحات 392

39- روحوں کی دنیا - مولانا احمد رضا خان بریلوی - جنرل پرنٹرز لاہور- صفحات 295

40- ریاض الصالحین - امام محی الدین نووی- ترجمہ مولانا عابد الرحمان صدیقی کاندھلوی- قرآن محل کراچی - صفحات504

41- راحت القلوب (سندھی) - حضرت عبداللہ جان آغا- سندھی ادبی بورڈ جامشورو- صفحات 160

42- رسالہ تہلیلیہ - حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی- فارسی رفاہ عام پریس لاہور- 1354 ھ- صفحات30

43- سفرنامۂ عراق و شام - حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی - فارسی مترجم مولانا حاجی اللہ بخش - صفحات 126

44- شرح حکم عطا اللہ اسکندری - حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی - فارسی تکمیل 1324 ھ - طباعت 1357 ھ - صفحات 200 اردو ترجمہ از خواجہ حسن جان اکیڈمی حیدرآباد 1986ء - صفحات 480

45- طریق النجات - حضرت آغا محمد حسن جان سرہندی - عربی - اردو ترجمہ از حافظ محمد ہاشم جان سرہندی الفقیہ پریس امرتسر- 1349 ھ - صفحات 265 اضافہ شدہ ایڈیشن زیرنگرانی حافظ محمد اشرف مجددی سیالکوٹی - مکتبۂ نعمانیہ سیالکوٹ ، 1979ء - صفحات 240

46- فتوح الغیوب - حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی - ترجمہ عبدالرحمان طارق - ادارہ اسلامیات لاہور - 1981ء صفحات 206

47- فیوض الحرمین - حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی - ترجمہ پروفیسر محمد سرور - سندھ ساگر اکیڈمی لاہور - 1947ء - صفحات 344

48- فائق ھلیا فردوس میں (سندھی) - حکیم عبدالعزیز سرہندی - آفتاب پرنٹنگ پریس میرپورخاص - 1970ء

49- قصص الانبیاء کے رموز اور حکمتیں - شاہ ولی اللہ دہلوی - ترجمہ مولانا غلام مصطفٰی قاسمی - شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد 1969ء - صفحات 180

50- قرآن اور تصوف - ڈاکٹر میر ولی الدین - مکتبۂ خلیل لاہور صفحات 176

51- کشف المحجوب - حضرت علی ھجویری ، داتا گنج بخش - ترجمہ علامہ فضل الدین گوہر - ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور - 1985ء - صفحات 579

52- کتاب الروح - علامہ حافظ ابن قیمؒ - مترجم مولانا راغب رحمانی نفیس اکیڈمی کراچی - 1965ء - صفحات 304

53- کیمیائے سعادت - حجتہ الاسلام حضرت امام غزالی - ترجمہ محمد اقبال ملک - بک کارنر جہلم - صفحات 496

54- کتاب اللمع فی تصوّف - حضرت شیخ ابونصر سراج - مترجم سید اسرار بخاری - اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور - 1984ء - صفحات 207

55- اسینائے مصطفائی - پیر صبغت اللّٰہ ایرانی صاحب - ادارہ المصطفےٰ گنج بخش شاہ پیر - صفحات 360 (دور دوئم)

56- مکتوبات مجدّد الف ثانی - تلخیص - محمد ھدایت علی - مکتبۂ نبوّیہ لاہور صفحات 366

57- امونس المخلصین - حضرت عبداللّٰہ جان آغا - فارسی - عباسی لیتھو آرٹ پریس کراچی - صفحات 264

58- مجالس ابرار - مولانا ابرار الحق - مرتّبہ مولانا حکیم اختر - کتب خانۂ مظہری کراچی - صفحات 256

59- مواعظ ثلاثہ - مولانا اشرف علی تھانوی - کتب خانۂ مظہری مدرسہ بیت العلوم کراچی - صفحات 103

60- مہران نقش - ڈاکٹر وفا راشدی - ایجوکیشنل پریس کراچی صفحات 232

****

RELIGIOUS AND LITERARY SERVICES OF HAZRAT AGHA MUHAMMAD HASSAN JAN SARHANDI

THESIS for Ph.D.

By

Syed Fahim Ahmed

under Guidance of

Prof: S. M. Sayeed
Professor & Chairman

DEPARTMENT OF COMPARATIVE RELIGION
& ISLAMIC CULTURE
UNIVERSITY OF SINDH, JAMSHORO

1 9 9 2

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

ABSTRACT OF Ph.D. THESIS

TOPIC.

THE RELIGIOUS AND LITERARY SERVICES
OF
HAZRAT AGHA MUHAMMAD HASSAN JAN SARHANDI

BY:- SYED FAHIM AHMAD.

GUIDE:- PROFESSOR S.M. SAYEED.
PROFESSOR AND CHAIRMAN,
DEPARTMENT OF COMPARATIVE RELIGION AND
ISLAMIC CULTURE.
SINDH UNIVERSITY-JAMSHORO.

1992.

The topic of my research is

THE RELIGIOUS AND LITERARY SERVICES OF HAZRAT AGHA MUHAMMAD HASSAN JAN SARHANDI.

This research thesis is comprised of

1. AN INTRODUCTION.
2. FIVE CHAPTERS.
3. CONCLUSION.

INTRODUCTION. In introduction the back ground of migration of the fore-fathers of Hazrat Agha Sahib from Sarhand Sharif is described that how and when they migrated to Peshawar and later on to Afghanistan at Qandhar. Also a brief account of Hazrat Agha Sahib and his fore-fathers is discussed.

CHAPTER NO.I:- In this chapter the arrival and development of "MUJADADIA SILSILA" in Sindh is revealed. In this chapter the lineage of Hazrat Agha Sahib upto "HAZRAT MUJADID ALF SANI" is also described.

CHAPTER NO.II:- In this chapter the fore-fathers of Hazrat Agha Sahib and their distinguished and renowned position is discussed.

his position as a highly reputed and distinguished religious guide and prominent scholar is discussed. In addition to this, his preaching for Islam to his followers and devotees and his advises to them is also revealed.

CHAPTER NO.III:- In this chapter a thorough view of the personal and family life of Hazrat Agha Sahib is taken in detail, with highlighting his priceless religious, literary and political services which he rendered for the preaching of Islam and for the welfare of the Muslims of the Sub-Continent.

CHAPTER NO. IV:- In this chapter the detailed and comprehensive introductions of the selected followers and the contemporaries of Hazrat Agha Sahib is stated.

CHAPTER NO. V:- In this chapter a complete review of the remarkable and masterpiece books written by Hazrat Agha Sahib is taken. These books are his permanent advises and guidance to his followers and devotees, and also present a very clear picture of Agha Sahib before the readers as a distinguished religious guide and an elite literary personality.

CONCLUSION:- In conclusion an over all view of the complete life history of Hazrat Agha Sahib is taken. His marvellous religious and literary services for Islam and for the Muslims of the Sub-Continent are also discussed. Further

his position as a highly reputed and distinguished religious guide and prominent scholar is discussed. In addition to this, his preaching for Islam to his followers and devotees and his advises to them is also revealed.

HAZRAT AGHA MOHAMMAD HASSAN JAN SARHANDI occupies a very prominent position amongst the spiritual guides and highly renowned scholars of Sindh.The ancestry of Agha Sahib is ditinguished one as his lineage goes upto Hazrat Mujadid Alf Sani and lateron to the Second caliph Hazrat Umer-Bin-Khittab.(may God bless him).

His fore fathers migrated from Sarhand to Peshawar and from Peshawar to Afghanistan at Qandhar.

Hazrat Agha Sahib was born in Qandhar on the 6th Shiwal 1278 A.H. He received his early education of Holy Quran, Hadith and other necessary religious books from his learned father Hazrat Abdul Rehman Jan, who was also a great religious scholar of his time.

In his early youth Hazrat Agha SAhib participated along with his father and other prominent spiritual leaders of Afghanistan in "Jehad" against the Britishers and Amir Abdul Rehman Khan in favour of Amir Ayoub Khan.Unfortunately Amir Ayoub Khan was defeated. After that as a consequence Government of the winner Amir Abdul Rehman Khan became sternly against the supporters of the defeated Amir Ayoub Khan. Under those unfavourable political circumstances father of Agha Sahib migrated from Afghanistan, with his entire family to Sindh at "TAKKHAR", near Tando Mohammad Khan.

After settling in "TAKKHAR", Hazrat Agha Sahib went to perform "Hajj" with father. He stayed in "Hijaz-e-Muqqaddas" for about five years. During that period he was admitted in the well renowned "MADARSA SOLITYA" where he was instructed in higher Islamic Studies, particularly in the field of "HADITH" and "FIQAH" by the celebrated Scholars. He also got "HIFZ" twenty two Paras of the Holy Quran during that stay. The remaining eight paras He got "HIFZ" on his return to "TAKKHAR". After some times the family of Agha Sahib was shifted from Takkhar to "TANDO SAIN DAD" due to heavy flood in Takkhar.

Hazrat Agha Sahib performed five "HAJJ" and also visited "IRAQ", "SYRIA" and "BAIT-UL-MUQQADDAS" and paid visits to all the sacred places and seats of Islamic learnings of those countries. He has furnished a detailed account of these journies in his books.

After death of his father Agha Sahib took charge charge of the onerous duties of his father as his caliph.He guided his followers and devotees for success in this life and in the life here-after by imparting them deep religious knowledge and with developing them as true Muslims.

Agha Sahib constructed seven mosques in Sindh and Balochistan, which were located in Sindh at **SAMARO, PABAN,**

TANDO SAINDAD and **MAQBARA SHARIF** at **GANJO TAKKAR HILL** and in Balochistan at **SHABOKILY**, near **QUETTA** and other at a place some 3-4 miles from Quetta.

Agha Sahib also established four religious Madarsas in Sindh at **TANDO SAINDAD, UMERKOT, MEHAR** and **LARKANA**. Those madarsas were supervised and headed by highly educated and renowned religious scholars of the time. Those madarsas produced very prominent scholars of Islam in Sindh. Specially four sons of Hazrat Agha Sahib namely: 1)Hazrat Abdullah jan 2)Hafiz Mohammad Hashim Jan. 3)Hazrat Mohammad Hanif Jan and 4)Hazrat Abdul Sattar Jan, who were also educated in those madarsas and in future they earned great admiration amongst their contemporaries.

Hazrat Agha Sahib perfomed priceless services to the muslims of undivided India and also to the muslims of Turkey. For instance after the **"BILQAN WAR"** and after the first world war Agha Sahib collected a huge amount from Sindh and also donated a large amount from his own pocket and sent that entire amount for the relief and help of the Turkish muslims through the **"RED CRESCENT"** .

Agha Sahib provided also the best religious and social guidance to the muslims of the sub-continent. For instance during **"QUIT INDIA"** movement when muslims and non

muslims leaders of Congress advised to the public to quit India and migrate to Afghanistan, as a protest against the British Government. On that occassion Agha Sahib advised to the migrating muslims that the country of Afghanistan was not a prosperous country and did not have the capacity to provide the basic requirements and resources of life to them So better do not migrate and stay at their homes. Unfortunately despite of Agha Sahib's best efforts and advises a big number of muslims migrated to Afghanistan. They faced there heavy odds and soon realised that the advise of Hazrat Agha Sahib was true. Those muslims were surrounded by unsurmountable problem and became compelled to return to India, having sustained heavy financial loses.

Similarly on the issue of the boycott of English cloth and other English made commodities, when some muslim "ULAMAS" introduced "FATWA" that "Offering of Prayer and funeral of the deads is 'HARAM' with using English clothes" Agha Sahib once again guided the muslims correctly with refuting that "FATWA". He arranged a three days discussion meeting in Hyderabad Sindh between the opponent and the favourist religious leaders of that "FATWA", which was presided by Moulana Moin Uddin Ajmeri, president of Rajputana Khilafat Committee.At last after three days speaches and dis-

cussions the point of view of Hazrat Agha Sahib was accepted as correct. So the muslim of India got free from the mental confusion and tension created by that "FATWA".

Hazrat Agha Sahib was a great lover of Islam and he was very sensitive about the prestige of the muslims, so when "ALL INDIA KHILAFAT CONFERENCE" of Hyderabad Deccan was presided by a hindu leader 'GANDHI' and was attended by most of the muslim "ULAMAS".Agha Sahib felt that very much and said with great mourn that such conference should have been presided by some muslim leader instead of a hindu leader.

Moreover during the days of Pakistan movement Hazrat Agha Sahib worked with entire devotion and he strictly advised to his followers and devotees to devote themselves for supporting the muslim league for its Pakistan movement.

Hazrat Agha Sahib was known as a scholar of high repute and for his literary attainments.He had a very precious personal library. He was a very good poet of Persian and used to keep in regular studies the poetry of great Persian poets. He also used to note the selected verses of those poets in his personal 'BIAZ'. He had thorough command on all kinds of poetry, especially in mentioning the date of deaths in verses and also the stone laying dates of mosques. He was a great lover of the Prophet of Islam (P.B.U.H.).He has shown his love

and admiration in his poetry with profound attachment to the Prophet (P.B.U.H.).

Hazrat Agha Sahib has produced highly valuable and precious religious Books which are correctly to be counted as illuminating towers for his followers and devotees in special and to all the muslims in general. We give here the names of some most prominent Books of him which are

1. AL-AUSOL-UL-ARBA
2. AL-AQAID-UL-SAHIHA
3. ANEES-UL-MUREDEEN
4. SHARAH HIKAM-UL-ATTAIA
5. SAFAR NAMA-E-IRAQ-O-SHAM-O-HIJAZ
6. TAREEQ-UL-NIJAT

Agha Sahib made three marriages in different times. Out of his three wives, one died in the earth quake of Quetta in May 1935, when she went there with Hazrat Agha Sahib and other family members. That was really a very mournful incident and in that earth quake not only that wife of Hazrat Agha Sahib expired but also two sons and three daughters of Hazrat Agha Sahib from that wife received deaths. Even Hazrat Agha Sahib was injured and recovered after months. Only one son of Agha Sahib from that wife remained safe, named Mohammad Hanif jan, who was at that time in Karachi.

From another wife of Hazrat Agha Sahib three sons namely Abdullah Jan Agha, Hazrat Hafiz Mohammad Hashim Jan Agha, Hazrat Abdul Sattar Jan Agha and seven daughters were born.From third wife of Hazrat Agha Sahib no birth took place.

Hazrat Agha Mohammad Hassan Jan Sarhandi expired on on the 2nd Rajab 1365 A.H. at the age of 87 years and was burried at Maqbara Sharif on Ganjo Takkar Hill, beneath the grave of his father.

"May God bless the departed soul"

METHODOLOGY:

As the topic of my research is related to such a soofi and religious scholar of Sindh on which the required matter was not only very in edequet but was also scattered at different places of Sindh. Hence I have taken great pain in collecting the matter. In this connection I visited several cities and towns of Sindh like THATTA,MALIR,TANDO SAINDAD and BHENDA SHARIF near RAHOKI to consult various religious madarsas situated in those areas and either having connection with Mujadadia Silsila or having some matter related to my topic.

Further to this I visited various libraries at different places of Sindh to make my data and my findings verified with consulting the Books of references contained by those libraries.Moreover I have pleasure of meeting at several times with the present "Sajjadah Nasheen" of Tando Saindad, Pir Abdul Hameed Jan Sarhindi and his highly honourable and renowned scholar son Pir Abdul Waheed jan Sarhandi, who took personal interest in my research and kindly went through the account which I had compiled for my thesis. He very kindly provided me some rare books from his personal library also, which helped me a lot. Thus by his very fruitful efforts my out put in the form of this thesis became more valuable,

concise and compact.

Beside all this I also had the pleasure of meeting the scholars of the area of learning and was benefitted from their views, having verified from other sources. This have been very co-operative in my research. I have been motivated throughout my research by finding out relevant data as to enrich my account of Hazrat Agha Mohammad Hassan Jan Sarhandi. In this connection I have lelied upon verified data and facts through-out my research for the presentation of my account. I have made every effort to make my findings most comprehensive and scholarly for those who are intersted in this area of learning. Whatever has been produced here is the result of my long years devotion and hard labour research.

Annexure Format

UNIVERSITY OF SINDH

Moreover I have adopted the "**interview Method**" for my this research thesis with having the following points in view that:-

1. Questions should be wel related with the research.

2. Questions should be asked about the information which are not available generally.

3. Questions should be to the point and comprehensive.

With this preparation I met several personalities in this respect, out of which the most distinguished individuals are as follow:

1. **Molana Ghulam Mustafa Qasimi.**
   Incharge Shah Waliullah Academy Hyderabad.

I requested to Hazrat Molana to throw some light on the life of Hazrat Agha Sahib, as a big "Soofi" and also on his religious, social and political services which he rendered for Islam and Muslims in the Indo Pakistan Sub-continent.

Hazrat Molana replied me as follow:

" **Hazrat Agha Muhammad Hassan Jan Sarhandi's** personality, as far as I have seen and observed, was of a true servant of Islam, a great soofi and a big welwisher of the Muslims of Indo-Pakistan Sub-Continent. He very strongly supported Muslim League with his disciples, in the days of Pakistan movement. Further he performed great services for the preaching of Islam and his 'Muslak' AHL-E-SUNNA-WA-AL-JAMAAT in the Sindh."

2. **Prof. Ali Nawaz Jatoi,**
Ex-Chairman Department of Sindhi,
Sindh University Jamshoro. Resident of Tando Wali Muhammad Hyderabad.

I put question to Prof. Jatoi Sahib that:

"Prof. Jatoi Sahib as being a disciple of Hazrat Agha Sahib, you have not only seen the life of Agha Sahib very closely, but have been benefited with the meetings, advises and teachings of Agha Sahib. Will you please give me your remarks about the personality of Agha Sahib in the position of a religious guide, and a great reformer of Islam.

Jatoi Sahib kindly replied are as follow:

" I have honour of being the disciple of Hazrat Agha Sahib. I have not only seen the daily life's activities and teachings of Agha Sahib, but I have also acted upon them by myself. "

I have observed that the most precious asset to Hazrat Agha Sahib was consistency on Islamic teachings and rules with complete following of the Sunna of the Prophet (Peace be upon him) and the way of Agha Sahib's Muslak AHL-E-SUNNA-WA-AL-JAMAT.

Agha Sahib always taught us, the deciples that the soul and meanings of Soofi-ism is only and only the consistency on Islamic teachings and Sunnah.

Moreover Agha Sahib used to give special emphasis that we, disciples should have no short comings in acting upon the above teachings. In addition to that Hazrat Agha Sahib always taught all of us to have a polite, merciful and co-operative attitude with each other.

3. Agha Muhammad Hanif Jan Sarhandi S/o Agha Muhammad Hassan Jan Sarhandi. I met to Agha Muhammad Hanif Jan

Sarhandi in Tando Saindad's DARGHA, with the present Chairperson of Dargah Hazrat Agha Abdul Hameed Jan Sarhandi and his son Agha Abdul Waheed Jan Sarhandi.

I requested to Agha Muhammad Hanif Jan Sarhandi to please reply me for the following questions.

" Agha Sahib your great father Agha Muhammad Hassan Jan Sarhandi, how he kept with the family members in his private and family life ? as the head of family. Further how much he used to participate in the education of his family members, specially his sons and on which special point did Agha Sahib used to emphasised more strongly? "

Agha Muhammad Hanif Jan replied me like this:

" My worthy father used to have very polite, sober and justifying attitude with all of us. He always used to give pressure on two points for us,

i. We must adopt dicipline in our lives and should make our lives bound to that discipline.

ii. We must take care for paying great respects and love to our elders and youngers. Further more my

honourable father used to take special interest in our education particularly in our religious education. He used to check every one of us according to our educational achievements."

In the last it is very necessary to explain that this methodology of interview has fulfilled my objective of research nicely. As it was my great struggle that no corner of Hazrat Agha Muhammad Hassan Jan Sarhandi's life should remain un-explored in this research thesis, whether it is from his private and family life or from his religous literary, social or political life. So that the lovers and the readers of Hazrat Agha Muhammad Hassan Jan Sarhandi must have a very clear cut and glorious picture of Hazrat Agha Sahib's life before them.

UNIVERSITY OF SINDH JAMSHORO

"UTILITY OF THIS RESEARCH"

The utility of my research will be appreciated by those who are interested in the high valued literature and religious thoughts produced by the renowned Soofies and Ulamas of Sindh and also their contribution in the freedom movement for Pakistan.

As a matter of fact there is a big number of religious guides and Ulamas of Sindh who have made significant contribution in Soofi-ism and Islamic learings. Among such great personalaties Hazrat Agha Mohammad Hassan Jan Sarhandi has a very prominent position. Unfortunately no substantial research work is done on him by any scholar.

Keeping in view his distinguished contribution not only in the field of Soofi-ism and Islamic learnings but also in the freedom movement I felt it my religious duty that such an out standing religious guide and great scholar should not remain in obliviant and that history may not forget such a great freedom fighter.

I, therefore took this ta$k on my shoulders to bring to light for our present and comming generation the marvellous religious and literary services rendered by Hazrat Agha Mohammad Hassan Jan Sarhandi, for Islam and for the muslims of the sub-continent. By all means my this presentation of him is a major contribution in the field of research.